بسم اللہ الرحمن الرحیم

اولٰئک ھم الراشدون

دامانِ خلافت ذی النورین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

شواہدِ تقدس

اور

تردیدِ الزامات

مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں
بصیرت افروز محققانہ مباحث کا مجموعہ

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

رئیس التحریر ادارہ مباحث فقہیہ ہند

صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امینیہ، دہلی

مکتبہ محمودیہ
بیت الحمد جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُولٰئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْن

دامانِ خلافت ذی النورین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

شواھدِ تقدس

اور

تردیدِ الزامات

مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں

بصیرت افروز محققانہ مباحث کا مجموعہ

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

رئیس التحریر ادارۂ مباحث فقہیہ ہند

صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امینیہ، دہلی

مکتبۂ محمودیہ

"بیت الحمد" جلو موڑ، کریم پارک، لاہور

فہرست

سوالات

(۱) مودودی صاحب نے کتاب "خلافت و ملوکیت" جو تصنیف کی ہے، اُس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

(۲) جماعتِ اسلامی قرآن و حدیث کی روشنی میں کیسی جماعت ہے؟

(۳) کیا اِسلام کی روشنی میں مودودی صاحب پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

(۴) بعض دیوبندی علماء، جو مودودی صاحب کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں وہ کیسے ہیں؟

○

حافظ محمد افضل معرفت شیخ نذیر حسین
لیدر مرچنٹ، ریلوے روڈ، رحیم یار خاں
(مغربی پاکستان)

○

جوابات

جواب سوال ۱ :- یہ کتاب حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوء اعتقاد اور بدگمانی کا تخم ہے۔ کتاب کا حاصل یہ ہے کہ وہ ملوکیت جس نے خلافت راشدہ کے وجود کو صفحۂ سیاست سے نیست و نابود کیا، اس کے آغاز کی ذمہ دار سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پالیسی ہے، آپ نے وہ پالیسی اختیار کی جس کا لازمی اور قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام ہی کو بھسم کر رہا۔ (خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۱۰، باب سوم فصل ۶ کا آخری فقرہ)

ہم سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب نے اس انقلاب کا کہ خلافت کی جگہ ملوکیت آئی وہ سبب تجویز کیا ہے۔ جس کے تلاش کرنے کے لئے آپ کو نئی قسم کی دوربین استعمال کرنی پڑی اور کھلے ہوئے واضح اسباب جو بلا کسی خاص جستجو کے تاریخ کی کتابوں میں ہر صاحب بصیرت کے سامنے آجاتے ہیں۔ جن کی تائید آیات کتاب اللہ اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ان سب کو نظر انداز کر کے ایسا سبب تلاش کرنا کہ فرق باطلہ کے سوا کوئی صحیح العقیدہ فرقہ یا کوئی انصاف پسند عالم اسکی تائید نہیں کر سکتا۔ تحقیق حق نہیں ہے بلکہ مسموم ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔ جو تاریخی مواد اس بحث میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہے۔ جتنے واقعات میں نے نقل کئے ہیں، ان کے پورے پورے حوالے درج کر دیئے ہیں اور کوئی ایک بات بھی بلا حوالہ نہیں ہے۔ (صفحہ ۲۹۹ ضمیمہ)

ہم اس ارشادِ گرامی کی تردید نہیں کرتے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو آپ نے لکھا ہے۔ اس کا حوالہ دیا ہے مگر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے اور واقعات کی جو توجیہ آپ نے کی ہے وہ صحیح ہے۔ وہی واقعہ ہے " وَانتُمۡ سُکَاریٰ " کو چھوڑ کر صرف " لا تقربوا الصلوٰۃ " کا لکھنے والا بھی کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ قرآن میں ہے۔ جو حوالہ دے رہا ہوں، وہ صحیح ہے مگر اس کو تحقیقِ حق کہا جائے گا یا نسخ و تحریف اور تلبیس بالباطل۔

بظاہر مودودی صاحب کا احساس یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق مسلمانوں کا حُسنِ اعتقاد حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ اتنی تعظیم و تکریم کے مستحق نہیں ہیں جتنی مسلمانوں کے عقائد کا جزو بنی ہوئی ہے۔ بس آپ کے اصلاحی مشن کا اہم یا تمامتر مقصد یہ ہے کہ اس عقیدتمندی کو ختم کیا جائے چنانچہ جب آپ نے جماعتِ اسلامی کی بنیاد رکھی تو اس کے دستورِ اساسی میں یہ حق اپنے لئے تسلیم کرا لیا۔

" رسُولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہیں بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اس معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے۔ اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے " (دستورِ جماعتِ اسلامی کا بنیادی عقیدہ، جزدوم دفعہ ۶)

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا۔

" اگر کسی شخص کے احترام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے تنقید نہ کی جائے تو ہم اس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بُت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بُت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعتِ اسلامی اپنے پیشِ نظر رکھتی ہے "

(رسالہ ترجمان القرآن صہ ۳۲۷ بحوالہ اصلی قول فیصل)

مودُودی صاحب نے اپنی اس تصنیف " خلافت و ملوکیت " میں اپنے اس حق کو آزادی سے استعمال کیا ہے۔ مثلاً آپ کا ارشاد ہے۔

" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے "

(خلافت و ملوکیت صہ ۱۱۶)

دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں۔

"بلاشبہ ہمارے لئے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں۔ اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبہ کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔"

(خلافت وملوکیت صـ ۱۴۳)

پھر ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔

"بعض حضرات اس معاملہ میں نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کے بارے میں صرف وہی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہوں اور ہر اس بات کو رد کر دیں گے جس سے ان پر حرف آتا ہو خواہ وہ کسی حدیث میں ہی وارد ہوئی ہو لیکن میں نہیں جانتا کہ محدثین، مفسرین و فقہا میں سے کسی نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اور کونسا محدث یا مفسر یا فقیہ ہے جس نے کبھی اس کی پیروی کی ہے" (صـ ۳۰۵)

صحابہ کرام پر تنقید کا حق ہم اس سے پہلے کہ اور باتوں پر بحث کریں۔ مودُودی صاحب کے اس آخری فقرہ پر بحث ضروری سمجھتے ہیں

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "میں نہیں جانتا کہ محدثین و مفسرین و فقہا میں سے کسی نے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔"

حضرت مودُودی صاحب! گذارش یہ ہے کہ یہ ایسا قاعدہ نہیں ہے جو محدثین و مفسرین یا فقہاء کے بیان کا محتاج ہو۔ بلکہ یہ اجماعی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ عقائد کی کتابیں دنیا بھر میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، اور ان پر تمام دنیا کے علمائے اہل سنت کا اتفاق چلا آرہا ہے۔ آپ کو سب سے پہلے اس "قاعدہ" کی تحقیق کرنے کے لئے کُتب عقائد کی طرف رجُوع کرنا چاہیئے تھا۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ "قاعدہ" ہے یا اس سے بھی بڑھ کر "عقیدہ" ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔

ويكف عن ذكر الصحابة الا بخير ... الى ان قال وسبهم والطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة والا فبدعة وفسق، (شرح عقائد نسفی ص۱۱۲)

صحابۂ کرام کو صرف بھلائی کے ساتھ ہی یاد کیا جائے ۔ اس کے کچھ بعد فرماتے ہیں ۔ ا انہیں بُرا کہنا ۔ ان کے بارے میں طعن کرنا (یا کفر ہے یا فسق و بدعت) اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہوتا ہے تو کفر ہوگا ۔ جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تہمت لگانا ۔ ورنہ یہ بدعت یا فسق ہوگا۔

ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مسامرہ میں تحریر فرماتے ہیں

واعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالى عليهم اذ قال كنتم خير امة اخرجت للناس وكذا رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ ص۳۱۳

اہلسنت کا عقیدہ تمام صحابۂ کرام کو پاکیزہ ثابت کرنا اور ان کی تعریف کرنا ہے ۔ جیسا کہ ان کی تعریف حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمائی ہے ۔ ارشاد فرمایا ہے "تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں" (پ۴ رکوع ۲) ۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی ہے ۔

شرح مواقف میں ہے ۔

... انه يجب تعظيم الصحابة كلهم والكف عن القدح فيهم لان الله تعالى عظمهم واثنى عليهم في غير موضع من كتابه والرسول قد احبهم واثنى عليهم في احاديث كثيرة ثم ان من تامل سيرتهم ووقف على مآثرهم وجدهم في الدين وبذلهم اموالهم وانفسهم في نصرة الله ورسوله لم يتخالجه شك في عظم شانهم وبرائتهم مما ينسب اليه المبطلون من

تمام کے تمام صحابۂ کرام کی تعظیم اور ان کے بارے میں اعتراض سے بچنا واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو بڑا بنایا اور قرآن پاک میں متعدد جگہ ان کی تعریف فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا محبوب بتلایا ہے اور بہت سی حدیثوں میں ان کی تعریف فرمائی ہے ۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جو ان کی سیرت کے بارے میں غور کرتا ہے اور ان کی فضیلتوں اور دین کے بارے میں ان کی کوششوں کو جان لیتا ہے اور ان کی جانی اور مالی قربانیاں دیکھتا ہے کہ خدا کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

المطاعن ومنعه، ذالک من الطعن منهم ورای ذالک مجانباً للایمان ونحن لا نلوث کتابنا بامثال ذالک

(المتن من شرح المواقف ص۴۲۵)

(انہوں نے کیا کیا، قربانیاں دی ہیں۔ اُسے ان کی عظمتِ شان ہیں اور ان کی برأت ہیں کہ جو کچھ ان کی طرف باطل پرستوں نے (غلط) الزامات منسوب کئے ہیں (وہ سب غلط اور بے بنیاد ہیں) کوئی شک نہیں رہتا اور وہ (بالیقین) جان لیتا ہے کہ یہی چیز ایمان کو بچانے والی ہے اور ہم تو اپنی کتاب کو اس قسم کی باتوں کے ذکر سے (بھی) ملوث نہیں کرنا چاہیئے۔

یہ عقیدہ نیا نہیں ہے بلکہ صدر اول سے پرانا چلا آرہا ہے۔ اسی لئے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ تحریر فرمایا ہے۔ آیئے ہم آپ کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''عقیدہ طحاویہ'' دکھاتے ہیں۔ اس میں ارشاد ہے۔

ونحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منہم ونبغض من یبغضہم وبغیر الخیر یذکرہم ولا نذکرہم الا بالخیر وحبہم دین و ایمان واحسان وبغضہم کفر ونفاق وطغیان ونثبت الخلافۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولا لابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفضیلا وتقدیما علی جمیع الامۃ ثم لعمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم لعثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم لعلی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہم الخلفاء الراشدون الائمۃ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت رکھتے ہیں اور کسی کی محبت میں افراط و تفریط میں نہیں پڑتے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے یا بھلائی کے سوا کسی قسم کے اور کلمات سے ذکر کرتا ہے۔ ہم اسے مبغوض جانتے ہیں اور ہم صرف اچھائی ہی سے ان کا ذکر کرتے ہیں ان سے محبت رکھنا عین دین ہے، ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے اور رسول اللہ کے بعد ہم سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں کیونکہ وہ تمام امت میں سب سے افضل اور سب سے مقدم تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ اور یہی خلفائے راشدین ہیں اور کامل طور پہ ہدایت یافتہ

المهتدیون۔

امام ہیں۔

وان العشرة الذین سماهم رسول الله صلی الله علیه وسلم نشهد لهم بالجنة كما شهد لهم النبی صلی الله علیه وسلم وقوله الحق وهم ابوبكر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر وسعد وسعید وعبدالرحمن ابن عوف وابوعبیدة بن الجراح وهو امین هذه الامة رضوان الله تعالی علیهم اجمعین۔

اور یہ کہ وہ دس حضرات جن کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں۔ ہم ان کے جنتی ہونے کی ایسے ہی شہادت دیتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اور آپ کا فرمان حق ہے۔ اور وہ حضرات یہ ہیں۔ ابوبکر، عمرؓ، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمن بن عوف اور ابوعبیدہ بن الجراح (اور ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ومن احسن القول فی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی ازواجه وذریاته فقد بریٔ من النفاق و علماء السلف من الصالحین والتابعین ومن بعدهم من اهل الخیر والاثر اهل الفقه والنظر لا یذكرونهم الا بالجمیل ومن یذكرهم بشر فهو علی غیر سبیل۔

اور جس نے اپنی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں آپ کی ازواج مطہرات اور اولاد کے بارے میں اچھی رکھی تو وہ یقیناً نفاق سے بری ہو گیا۔ اور علمائے سلف صالحین میں (گذرے ہوں یا ان سے پہلے) تابعین ہیں اور جو ان (دونوں طبقوں) کے بعد ہوں جو اہل خیر اور روایات پر عمل کرتے ہوں۔ اہلِ فقہ اور اہلِ نظر ہوں۔ یہ سب کے سب صحابۂ کرام کا اچھائی سے ذکر کرتے آئے ہیں اور جو ان کو برائی سے یاد کرے تو وہ راستہ سے ہٹا ہوا ہے (عقیدہ طحاویہ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور۔ (از صـ۱ تا صـ۲۴)

امام طحاوی حدیث، رجال، اور فقہ کے امام ہیں اور ان کی یہ کتاب مدینہ یونیورسٹی میں داخل نصاب ہے۔
محدثین میں ایک بزرگ خطیب بغدادی ہیں۔ انہوں نے اصول حدیث نہایت شرح و بسط سے بیان فرمائے ہیں

علم حدیث میں بصیرت کے علاوہ تاریخ و رجال کے بھی جلیل القدر علامۂ دوراں گذرے ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "الکفایہ" میں ایک باب رکھا ہے جس کا عنوان ہے:

باب ماجاء فی تعدیل اللہ ورسولہ للصحابۃ و انہ لا یحتاج الی سؤال عنہم وانما یجب فیمن دونہم

یعنی اس باب میں وہ باتیں بیان ہوں گی جن میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی عدالت (یعنی انتہا درجہ سچائی اور حق پسندی) بیان فرمائی ہے۔ اور یہ کہ ان کے بارے میں کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں، ان کے ماسوا میں تفتیش حال کی ضرورت ہے۔

اس مضمون کو نہایت عمدہ طرح زوردار اور واضح الفاظ میں بیان کرکے فرماتے ہیں۔

ھذا مذھب کافۃ العلماء ومن یعتد بقولہ من الفقہاء	یہی تمام علماء (یعنی محدثین) کا اور سب فقہاء کا مسلک ہے کہ جن کی بات قابلِ اعتبار ہوتی ہے (کفایہ ص۴۶ و ص۴۹)

منقدمین ہی میں ابوزرعۃ رازی جو حدیث اور اسماء الرجال کے امام ہیں آپ کے (مودودی صاحب کے) خیال کی نہایت شدت سے تردید فرماتے ہیں۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق و ذالک ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عندنا حق والقرآن حق وانما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولی وھم زنادقۃ (کفایہ ص۴۹)	جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو یہ جان لو کہ وہ زندیق ہے اور اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قرآن حق ہے۔ اور ہم تک یہ قرآن اور حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی نے پہنچائی ہیں اور یہ صحابہ پر اعتراض کرنے والے اور ان میں نقص ثابت کرنیوالے (دراصل) یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو (کسی طرح) مجروح کریں تاکہ قرآن و حدیث کو باطل کر سکیں۔ لہٰذا ان ہی لوگوں پر جرح و تنقید کرنی زیادہ درست ہے۔ اور ایسے لوگ زندیق ہیں[۱]

---

[۱] مودودی صاحب کی تصانیف سے جو برا اثر پڑتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عالم جو ان کی جماعت کے سرگرم رکن ہیں ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ صحابہ کرام کو اگر حق کا معیار قرار دیا جائے تو صحابہ کرام نے تو چوری بھی کی ہے زنا بھی کیا ہے اسے بھی صحیح کہنا پڑے گا۔ اور اس کی بھی پیروی کرنی پڑے گی۔ (باقی صفحہ ۹۶۸ پر)

بقیہ حاشیہ صث

میں نے عرض کیا کہ صحابہ کرام میں فاطمہ بنت قیس نے چوری کی تھی۔ اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سفارش رد کر کے سزا دی تھی۔ وہ تائب بھی ہو گئی تھیں۔ حضرت عائشہ ان کی تعریف میں فرماتی ہیں کہ وہ میرے پاس آیا کرتی تھیں اور

حسنت توبتها — انہوں نے سچے دل سے توبہ کرلی تھی

اسی طرح حضرت ماعزؓ سے زنا سرزد ہوا۔ اور ایک جُہینہ کی عورت سے سرزد ہوا۔ ان دونوں نے نہایت سچے دل سے توبہ کی۔ اور خود اپنے اوپر سنگساری کی سزا جاری کرائی۔

حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرایا ہے اور پھر اس کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة وسعتهم وهل وجدت شيئاً افضل من ان جادت بنفسها لله۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۷۱)

بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ستر اہل مدینہ میں تقسیم کی جاتی تو انہیں کافی ہوتی۔ اور اس سے بھی افضل کوئی چیز تم نے دیکھی ہے کہ اس نے اپنی جان ہی خدا کے حکم کے لیے دے دی۔

تو ان حضرات کا گناہ نہیں بلکہ سچی توبہ ہر گناہگار کے لیے مشعل ہدایت اور امید کا چراغ ہے۔ اس میں ان کا سچا ہونا گناہ سے پاک ہونے کا شدید رجحان اور خواہش ظاہر ہو رہی ہے۔ جو ان کے پاکیزہ اور کامل الایمان ہونے کی دلیل ہے۔ اور حدیث شریف سکھانے والے ہیں اور دین پہنچانے والے ہیں سچائی اور گناہ سے بچنے کا رجحان ہونا اور توبہ و انابت میں مشغول رہنا یہی چیزیں شرط ہوتی ہیں۔ معصوم ہونا شرط نہیں وہ تو نبی کا خاصا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ (سچی) توبہ کے بعد اللہ کا وعدہ ہے کہ گناہ بخش دیا جاتا ہے اور وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

والذين اذا فعلوا فاحشةً اوظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا لذنوبهم ومن يغفر الذنوب الا الله ولم يصروا على ما فعلوا وهم يعلمون اولئك جزاؤهم مغفرة من ربهم وجنات تجري من تحتها الانهر

اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق میں برا کام کریں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش چاہیں اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور وہ جانتے ہوتے اپنے کیے پر اڑے نہیں رہتے۔ انہیں کی جزا ہے۔ ان کے رب

کفایہ ہی میں خطیب بغدادی نے یہ روایت بھی دی ہے۔

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله اختارنی و اختار اصحابی فجعلهم اصهاری وجعلهم انصاری وانه سیجیئ فی اٰخر الزمان قوم ینتقصونهم الا فلا تناکحوهم الا فلا تنکحوا الیهم الا فلا تصلوا معهم الا فلا تصلوا علیهم، علیهم حلت اللعنة۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا اور میرے صحابہ کو (بھی) چنا۔ تو ان میں میرے نکاح والے رشتہ دار بنائے۔ اور انہیں میرا مددگار بنایا۔ اور آخری زمانہ میں ایسے لوگ آنے والے ہیں جو ان میں نقص ثابت کریں گے۔ دیکھو! ان سے نکاح شادی کے رشتے نہ قائم کرنا۔ دیکھو ان کے یہاں منگنی (بھی) نہ لے جانا۔ دیکھو! ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنا (اور وہ مر جائیں تو) دیکھو! ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ان پر (پھٹکار اور) لعنت برسے گی۔

باقی دلیلیں اور بھی بہت ہیں لیکن ہمارے اس بیان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ ایک عقیدہ ہے جس پر صدر اول سے اتفاق و اجماع چلا آرہا ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حضرات صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمادیا۔

ولٰکنّ الله حبّب الیکم الایمان وزینهٗ فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ اولٰئك هُمُ الرّاشدون۔ فضلاً من الله ونعمةً۔ والله علیمٌ حکیم۔

اللہ تعالیٰ نے محبت بھر دی تمہارے اندر ایمان کی۔ اور اس کو سجادیا (آراستہ کردیا) تمہارے دلوں میں۔ اور نفرت بھر دی تمہارے اندر کفر سے فسق سے اور عصیان سے۔ یہی ہیں جو راشد ہیں۔ اللہ کے فضل سے اور احسان سے۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

(سورۂ حجرات رکوع ۱)

بقیہ حاشیہ از صہ ۹

خالدین فیها۔ (پ ۴ رکوع ۵) کی بخشش اور وہ باغ کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ لوگ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے

صحابہ کرام کو کسی نے گناہ سے معصوم نہیں کہا بلکہ ان کو سچا اور پاکیزہ طبیعت جاننا سب نے واجب قرار دیا ہے۔

فرقِ مراتب | یہ درست ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے فرقِ مراتب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً

(ا) السابقون الاولون - (یہ وہ حضرات ہیں جو غزوات بدر، اُحد اور احزاب میں شریک ہوئے)

(ب) وہ چودہ سو حضرات جنہوں نے مقام حدیبیہ پر خصوصی بیعت کی۔ جسکو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے متعلق حق جل مجدہٗ نے اعلان فرمادیا۔

(لقد رضی اللہ (سورۂ فتح) یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا)

(ج) جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا اور فی سبیل اللہ خرچ کیا۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا

(اولئك اعظم درجة (سورۃ الحدید ع) یہ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں)

(د) جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ ان کا درجہ اگرچہ وہ نہیں ہے لیکن "الحسنیٰ" کا وعدہ ان کے لیے بھی ہے۔ وكلا وعد الله الحسنىٰ (سورہ حدید) ان میں وہ بھی آگئے جنکو "طلقاء" کہا جاتا ہے۔ لیکن سورہ حجرات کی مذکورہ بالا آیتیں جو فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں ان میں بلا استثناء جملہ صحابہ کرام کی خصوصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

- ان کو ایمان محبوب ہے۔
- ایمانی خصلتیں ان کے دِلوں میں ایسی رچ چکی ہیں کہ ایمان ان کے دِلوں کی زینت بن گیا ہے اور ان کے قلوب زیورِ ایمان سے آراستہ ہوگئے ہیں۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے برخلاف کفر، فسق اور عصیان سے ان کو پوری پوری نفرت ہوگئی ہے لہٰذا ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ اولئك هم الراشدون یعنی یہی حضرات ہیں جو رشد و ہدایت کے حقیقی اہل ہیں، یعنی فقط عادل و ثقہ نہیں ہیں بلکہ عادل و ثقہ لوگوں کے لئے مثالی شخصیتیں ہیں۔ عادل و ثقہ اور راشد ان کو کہا جائے گا جو ان کے نقشِ قدم پر چلے گا۔ اس آیت کو بار بار پڑھیے اور غور فرمائیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مدلّل طور پر یہ واضح اعلان کردیا کہ راشد یہی ہیں۔ تو کیا کوئی صاحبِ ایمان جرأت کرسکتا ہے کہ ان پر تنقید کرتے ہوئے خامہ فرسائی یا لب کشائی کرے —— یہ وہ ہیں جن کو سرورِ کائنات محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابی فرمایا (میرے ساتھی) اُن کی عزت کو اپنی عزت

ان کی محبّت کو اپنی محبّت، ان سے بغض رکھنے والے کو (معاذ اللہ) ذاتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بغض و عداوت کی علامت قرار دیا۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا۔ من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔ (میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد (تنقید کا) نشانہ نہ بناؤ، جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ درحقیقت مجھ سے محبّت رکھتا ہے اور اس لئے وہ ان ساتھیوں سے محبّت رکھتا ہے۔ اور جو اُن سے بُغض رکھتا ہے اس کو دراصل مجھ سے بُغض ہے، اس بنا پر ان سے بھی بُغض رکھتا ہے۔

ممکن ہے اس حدیث کی "سند" پر بحث کی جائے، مگر جس حدیث کے مضمون کی تائید و تصدیق قرآن حکیم سے ہو رہی ہو، اس کی سند اگر ضعیف بھی ہو تب بھی وہ قوّی اور مُستند قرار دی جاتی ہے اور اس استدلال صحیح مانا جاتا ہے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کہ چند وہ بھی ہوں گے جن کو حوضِ کوثر سے ہٹا دیا جائے گا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمائیں گے یہ تو میرے صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ جواب دیا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد یہ لوگ پچھلے پاؤں پھر گئے تھے۔ انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقھری پچھلے پاؤں لوٹنے والے لامحالہ وہ ہیں جو مسیلمہ کذاب یا اسود عنسی کے ساتھ ہو کر مُرتد ہو گئے۔ دُوسری روایت میں یہ ہے لا تدری ما احدثوا بعدک (ج ۲ ص ۹۷۴) آپ کو نہیں معلوم آپ کے بعد اُنہوں نے کیا ایجاد کیا۔ لیکن وہ حضرات اس حدیث کے مصداق یقیناً نہیں ہو سکتے جن کے متعلق کلام اللہ شریف میں "رضی اللہ" یا "اعظم درجۃ" یا "الراشدون" آگیا، یا جن کے متعلق لسانِ رسالت سے کوئی بشارت صادر ہوگئی، اور اس بنا پر ان چند کی وجہ سے جو غیر معلُوم اور غیر معین ہیں، جماعتِ صحابہ پر تنقید جائز نہیں ہو سکتی۔

خصوصاً جبکہ صحابہ کے بعض پُورے کے پُورے طبقوں کے بارے میں حق تعالیٰ عزاسمہ نے اور حضرت سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھلائی کی شہادت دی ہو۔

انصار کے بارے میں مہاجرین وغیرہم کو وصیّت فرمائی۔

اوصیکم بالانصار فانھم — مَیں تم کو انصار کے بارے میں وصیّت کرتا ہوں

کرشی وعیبتی وقد قضوا الذی علیھم وبقی الذی لھم۔ (بخاری ص۵۳۶)

کیونکہ وہ تو میرے عیال اور رازداں ہیں، اور جو اُن کے ذمہ خدمتِ اسلام کا کام تھا وہ انہوں نے پورا کر دیا اور (اب) ان کا حق (سب پر) باقی رہ گیا ہے۔

ارشاد فرمایا:

لولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار بخاری ص۵۳۳

یعنی۔ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں اپنے آپ کو شمار کر لیتا۔

ارشاد ہوا۔

آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار بخاری ص۵۳۴

انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بُغض نفاق کی علامت ہے۔

ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار غزوۂ خندق کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

اللھم لاعیش الاعیش الاخرۃ فاکرم الانصار والمھاجرہ بخاری ص۵۳۵

اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے تو انصار اور مہاجرین کو اپنے اکرام سے نواز۔

دوسری روایت میں دوسری دُعا ہے:

فاغفر للمھاجرین والانصار۔

مہاجرین اور انصار کی بخشش فرما دے۔

گویا اکرام اور مغفرت دونوں کی دُعا دی۔

ایک روایت میں انصار سے بڑھ کر اُن کی اولاد کے بارے میں بھی دُعا فرمانے کا واقعہ آتا ہے:

قالت الانصار یا رسول اللہ لکل نبی اتباع وانا قد اتبعناک فادع اللہ ان یجعل اتباعنا منک فدعا بہ۔ بخاری ص۵۳۴

(ایک دفعہ) انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر نبی کے پیرکار ہوتے ہیں اور ہم جناب کے پیروکار ہیں۔ آپ یہ دُعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بعد میں آنے والوں (اولاد) کو جناب کا پیروکار رکھے۔ آنجناب نے اس کی دُعا فرما دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس سے بھی بڑھ کر تین نسلوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا منقول ہے، فرمایا:۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم اغفر للانصار ولذراری الانصار ولذراری ذراریھم ترمذی ص۲۳۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ انصار کو بخش دے، انصار کی اولاد کو اور اُن کی اولاد کی اولاد کو (بھی)

اس میں تابعین اور تبع تابعین کی فضیلت بھی آرہی ہے، اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا مستجاب تھی۔

تمام صحابۂ کرام کی تعریف میں ارشاد ہوا۔

خیر اُمّتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔
میری اُمت میں بہترین میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر جو اور بعد میں آئیں گے پھر اس کے بھی بعد (درجہ میں) وہ ہوں گے جو اُن کے بعد آئیں گے۔

ان روایتوں کا مضمون قرآن حکیم کی آیات کے عین مطابق ہے۔

خاص طور پر مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہوا:

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ پ۱۷ رکوع ۱۳
وہ لوگ کہ جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور ان پر سوائے اس کے کوئی دعویٰ نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اس میں ان کی قلبی حالت اور ایمان پر پختگی اور اُن کی مظلومیت بتائی گئی ہے۔

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ۔ پ۱۴ رکوع ۱۱
اور جنہوں نے اللہ کے واسطے گھر چھوڑا ظلم اُٹھانے کے بعد۔ ہم انہیں یقیناً دُنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے۔

اس میں ثوابِ آخرت کی بشارت دی گئی ہے

فضیلت عام میں ارشاد ہوا:

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ
جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو

اٰمَنُوْا مَعَہٗ ۔ پ۲۸ رکوع ۲۰ سورۂ تحریم ۔ جو اس کے ساتھ یقین لاتے ہیں۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ پ۱۰ رکوع ۴ ۔ اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور جتنے مومنین تیرے ساتھ ہیں۔

لہٰذا اُن چند لوگوں کا ذکر ہی کیا جن کے ساتھ قیامت میں وہ معاملہ ہوگا جو بعض روایات میں آیا ہے اور ایسے غیر معروف لوگوں سے نہ روایات لی گئی ہیں نہ علمِ دین پھیلا ہے، نیز تاریخ اور اسماء الرجال میں ایسے صرف چند ہی لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔ بحث تو باقی کُل صحابہ کی ہے کہ جن سے اِسلام پھیلا ہے اور علمِ دین لیا گیا ہے۔ اور آپ نے تو حد ہی کر دی کہ ان میں اخص الخواص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جو داماد رسول ؐ (ذی النورین) اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں زیرِ بحث لے آئے، حالانکہ ان کی فضیلت پر جیسا کہ تمام کُتبِ عقائد میں ہے۔ پوری اُمّت کا اجماع و اتفاق چلا آرہا ہے۔

تنقیدی مواد

مودودی صاحب احادیث پر تنقید کرنے میں بہت چست ہیں۔ آپ کی یہ چستی کبھی کبھی حد استہزاء تک بڑھ جاتی ہے، مگر یہاں حدیث کا سہارا لے رہے ہیں، فرماتے ہیں، "خواہ وہ کسی حدیث ہی میں وارد ہوئی ہو"۔ اگر مودودی صاحب کے قلب مُبارک میں دیانت اور عدل و انصاف کا نُور ہوگا تو اس جملہ کو لکھنے کے وقت خود اُن کا قلب ان پر ملامت کر رہا ہوگا۔

کیا مودودی صاحب خود نہیں جانتے کہ جو روایتیں تاریخ کی کتابوں میں ہیں ان کی حیثیت کیا ہے، سو روایتوں میں بمشکل ایک دو روایتیں ایسی ہوں گی جو حدیث صحیح کے معیار پر پوری اُتر سکیں۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ فتنہ جس کا آغاز خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا، جس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ وہ قتل و قتال اور جنگ و پیکار تک محدود نہیں رہا بلکہ دین کے ہر ایک جزو اور ہر ایک گوشہ پر اس نے ضرب لگائی۔ انتہا یہ کہ پورے دین کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔

قرآن حکیم تو اس کی دست بُرد سے محفوظ رہا کیونکہ قرآن حکیم کو نازل کرنے والا طے کر چکا تھا کہ وہ محفوظ رہے گا اور اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ لے چکا تھا۔ نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ۔ مگر احادیثِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سلسلہ میں اس فتنہ نے خُوب پر پھیلائے۔ اس فتنہ کے علمبرداروں کا ایک ناپاک حربہ یہ تھا کہ اپنی مصلحت اور ضرورت کے بموجب وہ گُٹ بندی کرتے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ جب وہ ذاتِ اقدس سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اتنے دلیر تھے تو عام صحابہ کرام کی طرف کسی فرضی بات کا منسوب کر دینا ان کے لئے کیا مشکل تھا۔

عقائد کے سلسلہ میں زندیقوں اور حضرات صحابہ کرام کے متعلق ان دشمنانِ صحابہ نے جب چاہا حدیث گھڑلی اس طرح بے شمار موضوع حدیثیں زبانوں پر جاری اور کتابوں میں درج ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی طرح اس دین کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لے لی ہے، چنانچہ بقول "برزعونے راموسیٰ" اللہ تعالیٰ نے عباد صالحین کی ایسی جماعت پیدا کر دی جس نے ان راویوں کی تحقیق کی جس کے حوالہ سے یہ احادیث نقل کی جاتی تھیں۔ اس طرح اسماء الرجال کا بہت بڑا ذخیرہ جو ہزاروں صفحات میں محفوظ ہے مرتب ہو گیا، پھر موضوع احادیث کو خارج کر کے قابلِ استناد حدیثوں میں مراتب قائم کئے۔ اس تحقیق و تنقید میں ان فرشتہ خصلت مقبولانِ بارگاہِ ربانی کو کتنی سخت محنت کرنی پڑی ہو گی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بخاری شریف کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے ان کو منتخب فرمایا ہے جو بخاری شریف میں جمع ہیں جن کی کُل تعداد سات ہزار دو سو چھہتر ہے۔ یعنی تقریباً سو حدیثوں میں سے ایک حدیث اس قابل قرار پائی کہ اس کو مصنف اپنی کتاب میں داخل کر سکیں۔

یہ تنقید و تحقیق کا عمل ان احادیث میں تو ہوا جن کا تعلق عقائد یا فقہی مسائل سے ہے لیکن جن کا تعلق غزوات یا آپس کی آویزش سے تھا حضرات محدثین نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔

وہ حضرات مورخین کی جولانگاہ بنے رہے، ان مورخین میں وہ بھی ہیں جو محدث ہیں، مگر چونکہ ان روایتوں کو ایمان و عمل کے لحاظ سے بنیادی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ لہٰذا ان محدثین حضرات نے بھی ان روایتوں کی تحقیق و تنقید کی طرف توجہ نہیں فرمائی، نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس ہر طرح کی روایتیں اس انبار میں پڑی رہ گئیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے اس سے کوئی بھی انصاف پسند صاحبِ بصیرت انکار نہیں کر سکتا۔

آیاتِ کتاب اللہ کے مقابلہ میں اگر کوئی صحیح السند حدیث بھی ہو تو حدیث کی تاویل کی جاتی ہے، اس کا کوئی ایسا محمل معین کیا جاتا ہے جو کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، اور اگر کوئی تاویل اور توجیہہ نہیں ہو سکتی تو اس حدیث کو ساقط مانا جاتا ہے۔

بہرحال جب صحیح حدیث کو بھی کتاب اللہ کے مقابلہ پر تسلیم نہیں کیا جاتا تو کتب تاریخ کی احادیث کو جو عموماً کمزور ہوتی ہیں کتاب اللہ کے مقابلہ میں کس طرح تسلیم کر لیا جائے گا؟ اور یہ کس طرح

جائز ہوگا کہ کسی تاریخی روایت کی بنا پر اس کو غیر راشد اور غیر صالح قرار دیں جس کو کلامِ ربانی نے "راشد" قرار دیا ہے،
یہ بعض حضرات جن کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں غالباً شیخ الاسلام
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔
آپ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا "یہ مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا
پتہ ہوتا ہے اور نہ ان کی توثیق، تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر
بعض متقدمین نے سند کا التزام کیا بھی ہے تو عموماً ان میں سے ہر غث وثمین اور ارسال وانقطاع سے کام
لیا گیا ہے۔ خواہ ابن الاثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد، ان اخبار کو مستفاض اور متواتر
قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص و دلائل عقلیہ و
نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیح احادیث کی بھی موجود ہوئیں تو مردود یا مأول قرار دی جائیں۔ چہ جائیکہ روایاتِ
تاریخ۔ (مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۶۶، جلد ۱)

مودودی صاحب کے ماخذ

لیکن چونکہ مودودی صاحب کی اس تصنیف شریف کا تمام مواد اسی طرح کی روایتوں سے پُر ہے جن کو اگرچہ ان بڑے بڑے مورخین نے نقل کیا ہے جن کے اوصاف مودودی صاحب نے تقریباً آٹھ صفحات میں شمار کرائے ہیں (ص ۳۱۳ تا ص ۳۱۶)
مگر وہ تمام روایتیں مجروح ہیں، اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا متضاد۔ لیکن عجیب لطیفہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس
کمزوری کا تذکرہ کرتا ہے تو مودودی صاحب نہ صرف خفا ہو جاتے ہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ ایسے چڑ جاتے ہیں کہ ان کی
متانت اور سنجیدگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ طرزِ نگارش بھی شوقیانہ ہو جاتا ہے۔
ملاحظہ ہو "حدیث اور تاریخ کا فرق"، اس عنوان کے تحت مودودی صاحب فرماتے ہیں "بعض حضرات
تاریخی روایات کو جانچنے کے لئے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں
راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے، اور فلاں راوی جس وقت کا واقعہ بیان کرتا ہے اُس وقت
تو وہ بچہ تھا یا پیدا ہی نہیں ہوا تھا اور فلاں راوی یہ روایت جس کے حوالہ سے بیان کرتا ہے اُس سے تو وہ
ملا ہی نہیں۔ اس طرح وہ تاریخی روایات پر تنقید حدیث کے اصول استعمال کرتے ہیں اور اس بنا پر اُن کو رد
کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعہ سند کے بغیر نقل کیا گیا ہے اور فلاں روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ یہ باتیں

کرتے وقت اس کو بھول جاتے ہیں کہ محدثین کی روایات کی جانچ پڑتال کے یہ طریقے دراصل احکامی احادیث کے لئے اختیار کئے ہیں، کیونکہ ان پر حرام و حلال، فرض و واجب اور مکروہ و مستحب جیسے اہم شرعی امور کا فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ دین میں کیا چیز سنت ہے اور کیا چیز سنت نہیں ہے۔ یہ شرائط اگر تاریخی واقعات کے معاملہ میں لگائی جائیں تو اسلامی تاریخ کے ادوار مابعد کا تو سوال ہی کیا ہے قرنِ اول کی تاریخ کا بھی کم از کم ۹/۱۰ حصہ غیر معتبر قرار دیا جائے گا۔ (ص۳۱۷ تا ص۳۱۸)"۔

غور فرمائیے یہ مودودی صاحب کا جواب ہے یا لاجواب ہونے کا اعتراف ہے۔ یعنی آپ کے ارشاد بموجب اس روایت کی سند پر تو بحث ہو سکتی ہے جس میں وضو کرتے وقت داڑھی میں خلال کا تذکرہ ہو، یا معلوم ہو کہ استنجے کے لئے تین ڈھیلے لینا ضروری ہیں یا دو بھی کافی ہو سکتے ہیں؟ جس کی اگر تعمیل نہ کی جائے تو نہ کوئی عقیدہ چھوٹتا ہے نہ کوئی فریضہ فوت ہوتا ہے لیکن وہ روایت جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد کو جو عقیدۂ اہل سنت والجماعت کے بموجب حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد پوری امت میں سب سے افضل ہیں، معاذ اللہ خائن قرار دے، اس کی سند پر بحث نہیں کر سکتے، اس کو جوں کا توں مان لینی چاہیئے۔ کیونکہ وہ تاریخی روایت ہے۔

ارشادِ ربانی ہے، اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (سورہ حجرات) کیا اس آیت کی رو سے بدگمانی حرام نہیں ہے؟ لیکن وہ روایتیں جو حضرات صحابہ کے متعلق بدگمانی پیدا کریں اور اس حرام کا مرتکب بنائیں۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں ان کی سند سے بحث نہ کرو، ان کو بلا چون و چرا تسلیم کر لو، کیونکہ وہ تاریخی روایتیں ہیں۔ معاذ اللہ۔ ؏ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

ایک اور لطیفہ ملاحظہ فرمائیے، مودودی صاحب فرماتے ہیں "یہ ہیں وہ ماخذ جن سے میں نے اپنی بحث میں سارا مواد لیا ہے۔ اگر اس دور کی تاریخ کے معاملہ میں قابلِ اعتماد نہیں ہیں تو پھر یہ اعلان کر دیجئے کہ عہدِ رسالت سے لے کر آٹھویں صدی تک کی کوئی اسلامی تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ (ص۳۱۶)

مودودی صاحب! ہم یہ اعلان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ یہ مطالبہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ان ماخذ سے جو لیں ایمانداری سے لیں۔ یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی اختراع کردہ نظریہ کی تائید و حمایت کے لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کچھ روایتیں اخذ کی جائیں اور وہ مفصل روایتیں جو انہیں کتابوں میں آپ کے منشار کے خلاف ہوں ان کو نظر انداز

دیں۔ اس گندم نمائی جو فروشی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔
آخر یہ کیا بات ہے کہ اعتراضات کے جوابات بھی انہیں ماٰخذ سے دیئے جاتے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ آئندہ مباحث میں ہمارا ماخذ بھی یہی کتابیں ہوں گی۔ مگر ہم اپنے نظریہ کو ٹھونسنے کی کوشش نہیں کریں گے، نہایت سادگی سے انہیں کتابوں کے بیان کردہ واقعات کو بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ)
پھر اگر مطالعہ کرنے والے حضرات آپ کے متعلق یہ کہیں ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد، یہ ہمارا قصور نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ کے عمل کے مطابق یہ ایک منصفانہ فیصلہ ہوگا۔ بہرحال آپ ان ماخذ کو دریا بُرد نہ کیجئے، صرف اپنے عقیدے اور نیّت کی اصلاح کر لیجئے۔
ان تمہیدی مُقدمات کے بعد ہم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے معاملہ کو لیتے ہیں۔ حضرت موصوف کی جو کچھ کمزوریاں بیان کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان کے تفصیلی جوابات بھی سامنے آئیں گے (انشاء اللہ) مگر مختصر جواب یہ ہے کہ جس شخص میں یہ کمزوریاں ہوں اگرچہ وہ مسلمان رہ سکتا ہے اور مرنے کے بعد نجات بھی پاسکتا ہے، مگر مقبولِ بارگاہ ربانی نہیں ہوسکتا کہ اس کو دُنیا ہی میں بشارتوں پر بشارتیں دی جائیں اور قبل از شہادت شہید کے خطاب سے نوازا جائے۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یہ مناقب اپنی جگہ درُست ہیں کہ آپ السابقون الاولون میں سے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، رضی اللہ عنھم (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)
غزوۂ اُحد میں جو آپ سے لغزش ہوگئی تھی اس کے متعلق ارشادِ ربانی ہے لقد عفا اللہ عنھم۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۵۵)
حدیبیہ کے موقع پر آپ کا سب سے اہم اور سب سے بڑا کارنامہ جس کو آپ کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا اور پھر اس موقعہ پر تمام جان نثارانِ اسلام کے متعلق ارشاد لقد رضی اللہ (سورہ الفتح آیت ۱۸)
اس طرح کے مناقب کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی طور پر یہ ارشاد بشرہ بالجنۃ معھا بلاءٌ مصیبۃ (بخاری شریف ص۱۰۵۲) علی بلوی ستصیبہ (بخاری شریف ص۵۲۲) (ان کو جنت کی بشارت دے دو، ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دیدو کہ ان کو ایک آزمائش میں مبتلا ہونا ہوگا)
سیّد المرسلینؐ کا یہ ارشاد واضح کر رہا ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ کیا گیا وہ آپ کی غلطیوں کا نتیجہ نہیں تھا

بلکہ بہت بڑا امتحان یہ تھا کہ غیر مجرم کو مجرم گردانا گیا۔ غلط بنیادوں پر آپ کے خلاف طوفان برپا کیا گیا، اور آپ اس میں ثابت قدم رہے۔ ان شورہ پشت گستاخوں کو آپ کے آزاد کردہ غلام ہی ٹھیک کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اپنی قربانی منظور کی اور یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ کی وجہ سے کسی بھی مسلمان کو گزند پہنچے۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ فتنۂ عظیم سروں پر منڈلا رہا ہے، خون کی ندیاں بہنے والی ہیں، مگر آپ نے انتہا درجہ صبر آزما حالات میں پوری احتیاط برتی کہ آپ کی طرف سے اس کا آغاز نہ ہو۔

آپ نے اس کو برداشت کر لیا کہ لوگ آپ کا خون بہائیں مگر آپ نے اس کو برداشت نہیں کیا کہ آپ کی موجودگی میں آپ کی طرف سے خون کا کوئی ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے پائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز کوہ احد پر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پائے مبارک پشت کوہ پر مارا۔ اور فرمایا اسکن احد لیس علیك الا نبی وصدیق وشہیدان (بخاری شریف صد ۵۲) احد! ساکن ہو جا۔ تیرے اوپر کوئی نہیں ہے۔ ایک نبی ہے۔ ایک صدیق ہے۔ دو شہید ہیں (عمر و عثمان رضی اللہ عنہما)

کوئی چشم بصیرت رکھتا ہو وہ ان بشارتوں کو دیکھے ان کی اہمیت کو سمجھے۔ پھر غور کرے۔ کیا کوئی ایسا شخص اس عظیم الشان بشارت کا (جس میں پوری امت کے صرف تین بزرگ شریک ہیں) مستحق ہو سکتا ہے۔ جو بقول مودودی صاحب۔

۱۔ معیار مطلوب کو پورا نہ کر سکا ہو (خلافت و ملوکیت صد ۹۹)

۲۔ جس نے اپنے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے ہوں، جس سے دوسرے قبیلوں نے تلخی محسوس کی ہو۔ (الضاً صد ۹۹)

(یعنی جس نے فرائض خلافت دیانتداری سے پورے نہ کئے ہوں جس نے مسلمانوں کی حق تلفی اور بیت المال کے مال میں خیانت کی ہو کہ اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عطیے دیئے ہوں)۔

۳۔ جس نے ایسی پالیسی اختیار کی جو بلحاظ تدبیر نامناسب بھی تھی اور عملاً نقصان دہ بھی ثابت ہوئی صد ۳۲۲

۴۔ جس نے اکابر صحابہ کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا ہو۔ اور قرابت کی بناء پر کم درجہ کے لوگوں کو ان بڑے منصبوں پر فائز کر دیا ہو۔ (صہ ۱۰۰ تا صہ ۱۱۶)

جس نے خلافت کی بنیاد میں قبائلیت کی وہ بارود بھر دی ہو جس نے خلافت راشدہ کے نظام کو پھونک کر رکھ دیا ہو۔ (صہ ۱۰۰)

محترم مودودی صاحب! گستاخی معاف ہم جیسے لوگ مصلحت پرست ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کسی کو خوش کرنے کے لیے مدحیہ قصیدہ لکھ دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کسی فریق کی خوشنودی کے لیے کوئی کتاب تصنیف کر دیں۔ مگر کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی ہماری طرح مصلحت پرست تھے۔ کہ ایسے شخص کو جس میں یہ نقائص موجود ہوں۔ وُہ بشارت دے دیں جو ہزاروں صحابہ اور امت کے لاکھوں کروڑوں علماء و فضلاء مشائخ طریقت اولیاء اللہ میں صرف دس کو دی گئی ہو۔ مزید برآں اس رتبہ کا مژدہ سنا دیں جو صرف تین کو سنایا گیا ہو۔ جن کی وجہ سے زلزلہ پذیر پہاڑ بھی ساکن ہو گیا ہو۔

اب اگر وہ بشارتیں صحیح ہیں جن میں سے چند بشارتیں اوپر بیان کی گئیں اور ان بشارتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاذاللہ چاپلوسی اور بے جا خوشامد سے کام نہیں لیا۔ بلکہ وہ بشارتیں ایک واقعی اور حقیقی حیثیت کا اظہار ہیں تو لامحالہ وہ تمام روائتیں غلط ہیں جن سے آپ نے مذکورہ بالا نتائج اخذ کئے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوتاہیاں اور غلطیاں شمار کرنے کے بعد آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے ان کا کردار بحیثیت خلیفہ ایک مثالی کردار تھا۔ (صہ ۱۱۶)

پھر آپ نے چند اوراق میں (از صہ ۳۲۱ تا صہ ۳۲۸) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی تشریح بھی فرمائی ہے۔ جس میں آپ نے ان الزامات کو زیادہ شدت وحدت کے ساتھ دہراتے ہوئے یہ معذرت فرمائی ہے۔

"یہ نیت کی غلطی نہیں بلکہ رائے کی غلطی یا بالفاظ دیگر اجتہادی غلطی تھی۔ (صہ ۳۲۱)

شاید مودودی صاحب نے انہیں بشارتوں کے پیش نظر یہ معذرت فرمائی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ چونکہ اجتہادی غلطی کی بناء پر یہ کام ہوئے تو اس سے حضرت عثمان کے مرتبہ اور درجہ میں فرق نہیں آیا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اجتہادی غلطی کی بناء پر یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ غلطی کرنے والے کی عنداللہ گرفت نہیں ہوگی۔ اور اگر گرفت ہوئی بھی تو معافی ہو جائے گی۔ لیکن مقبولیت عنداللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔

اجتہادی خطاکار کو گنہگار نہیں کہا جاسکتا مگر ایسا شخص مقبول عنداللہ بھی نہیں ہوسکتا۔ مقبولیت بھی ایسی کہ پوری امت میں صرف تین حضرات کو حاصل ہوئی ہو۔

ضمیمہ میں ایک عنوان یہ بھی ہے کہ غلطی کے صدور سے بزرگی میں فرق نہیں آتا (ص ۲۰۷)

ہم یہ تو تسلیم نہیں کرتے کہ بزرگی میں فرق نہیں آتا۔ اگر کوئی فرق نہیں آیا تھا تو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے پر حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کو وہ مشہور کفارہ کیوں ادا کرنا پڑا کہ پچاس روز تک کا مقاطعہ کیا گیا حتیٰ کہ توبہ قبول ہوئی اور معافی کی بشارت نازل ہوئی (سورہ توبہ)

نیز واقعہ بنی قریظہ میں حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو کھمبے سے کیوں باندھ دیا۔ البتہ ہم یہ مانتے ہیں کہ غلطی کا صدور بزرگی کے منافی نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا معصوم کوئی نہیں حضرات صحابہ سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ غلطیوں کو سر تھوپنا کہاں تک درست ہے۔ اس تصنیف کا شاہکار یہی ہے کہ آپ نے غلطیوں کو سر تھوپا ہے۔ اور ان واقعات پر پردہ ڈال دیا ہے جو ان غلطیوں کی تردید کرتے ہیں، حالانکہ مذکورہ بالا آیات اور بشارت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ تردید کرنے والے واقعات کے بیان میں قلم کا وہ زور صرف کرتے جو آپ نے غلطیوں کے ثابت کرنے میں صرف کیا ہے۔

آخر میں آپ اس بشارت کو بھی سامنے رکھیئے جس کا تذکرہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شورش کے زمانہ میں بار بار فرمایا۔ بالآخر اسی بشارت کی سرشاری میں جان عزیز قربان کردی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: یا عثمان لعل الله یقمصك قمیصا فان ارادوك علی خلعه فلا تخلعه لهم (ترمذی شریف ص ۲۱۲ ج ۲)

اے عثمان! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا پھر اگر وہ لوگ تمہارے اوپر سے

اس قمیص کے اتار دینے کا ارادہ کریں تو ان کے (کہنے پر) تم اس قمیص کو نہ اتار دینا۔

جن ایام میں آپ محصور تھے اور بلوائیوں نے آپ کے دولت کدہ کو گھیر لیا تھا تب خود آپ نے بھی فرمایا تھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد الی عھدا فانا صابر علیہ (ترمذی شریف صہ ۲۱۲)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا۔ میں اس پر جما ہوا ہوں۔

کیا معمولی عقل و فہم کا انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ ایمان سے نوازا ہو یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو اپنے منصب پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی ہو جس نے اپنے منصب کا غلط استعمال کیا ہو۔ اور معیار مطلوب کو پورا نہ کر سکا ہو۔ جس نے اکابر صحابہ کو معزول کر کے اپنے رشتہ داروں کو ان کی جگہ بھرتی کیا ہو۔ اور ان کو من مانے عطیے دیئے ہوں۔ جس نے خلافت راشدہ کی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہوں۔

حضرات مؤرخین نے تقریباً متفقہ طور پر سیدنا حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر حضرت محمد بن مسلمہ وغیرہ صحابہ اور بہت سے تابعین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لشکروں پر لعنت بھیجی جو مقام ذی مروہ۔ ذی خشب اور مقام اعوص پر پڑاؤ ڈالیں گے۔ یہی مؤرخین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ انہیں لشکروں نے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوا کیا تھا۔ ان مقامات پر پڑاؤ ڈالا تھا۔

کسی بھی صاحب ایمان کے لیے ممکن ہے کہ وہ یہ تصور کر سکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خیانت اور صرف بے جا جیسے کبائر کے مرتکب ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے طائف کے کفار پر بھی لعنت نہیں بھیجی تھی۔ وہ ان بے قصور لشکروں پر لعنت فرمائیں۔ جنہوں نے ایک خائن و مجرم خلیفہ کی اصلاح کے لیے قدم بڑھایا تھا اور اپنے آپکو جنگ کے خطرات میں مبتلا کیا تھا۔

ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور کتاب اللہ کی آیات صحیح ہیں ان کے مضامین صحیح ہیں۔ ان کے مضمرات صحیح ہیں۔ لہٰذا ہمارا ایمان یہ بھی ہے کہ وہ تمام روایتیں غلط اور موضوع ہیں۔ جن کا مفاد اور مضمون آیات و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے

ہم سمجھتے ہیں کہ ایک صاحبِ ایمان کے لیے ہمارا یہ جواب کافی ہے اور ضرورت نہیں کہ تاریخی روائیتوں کی تحقیق، تنقید اور تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی طوالت برداشت کی جائے۔ لیکن اس سے ان کو اطمینان نہیں ہوگا۔ جن کے ذہنوں کو یہ تاریخی روائیتیں متأثر کر چکی ہیں اور ممکن ہے ہمارے سکوت کو وہ فرار قرار دیں۔

علاوہ ازیں مودودی صاحب کی شیعیت نواز ذہنیت نے تاریخی واقعات کے بیان میں جو مجرمانہ کوتاہی بلکہ خیانت کی ہے اس کا بھی اظہار نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ بشارتوں سے ہٹ کر تاریخ پر بھی نظر ڈالیں۔ لہٰذا آئندہ صفحات میں تاریخی حقیقتیں پیش کی جائیں گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) مگر اس معذرت کے ساتھ کہ ہم مودودی صاحب کی سنت پر عمل نہیں کر سکیں گے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے مقدس صحابی کے متعلق شیعی فکر کے بموجب ایک رائے پہلے قائم کر لیں اور صرف ان روائیتوں کو پیش کریں جو اس رائے اور فکر کی تائید کرتی ہوں۔ اس کے برخلاف ہمارا عمل یہ ہوگا کہ کتب تاریخ میں جو واقعات آئے ہیں وہ بلا کم و کاست بیان کریں گے۔ اور نتیجہ وہ اخذ کریں گے جو خود یہ واقعات اپنی زبان سے بیان کریں گے۔

یہ بات مودودی صاحب بھی مانتے ہیں کہ اس تحریک (شورش) کے علمبردار کوفہ بصرہ اور مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان تینوں مرکزوں کے حالات اتنے طویل ہیں کہ ان کی طوالت مطالعہ کرنے والوں کے لیے بھی ناقابل برداشت ہوگی۔ ہم صرف ایک مرکز یعنی "کوفہ" کو نمونہ بناتے ہیں۔ اہلِ حق اور انصاف پسند حضرات اسی نمونہ پر باقی مرکزوں کو قیاس فرمالیں۔

ہم کوفہ کو اس لیے بھی منتخب کرتے ہیں کہ فتنہ کا آغاز اسی کوفہ سے ہوا اور ولید بن عقبہ جن کی شخصیت سب سے زیادہ قابلِ اعتراض ہے ان کا تعلق اسی کوفہ سے تھا۔

کوفہ کے فتنہ انگیز حالات

حالات کا پورا نقشہ پیش کرنے کے لیے ہمیں عہدِ فاروقی کی طرف لوٹنا پڑ رہا ہے۔

(۱)

ایران سے جنگ جاری ہے۔ یزدجرد (شاہ ایران) قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد اپنے دارالسلطنت مدائن سے بھی فرار ہو چکا ہے۔ اپنے پایہ تخت کو واپس لینے کے لیے "جلولاء" کو محاذ جنگ بنایا تھا۔ وہاں بھی بری طرح شکست کھا چکا ہے مگر بار بار کی عبرت انگیز شکستوں کے بعد بھی ہمت نہیں ہاری۔ اب "نہاوند" کے علاقہ میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج جمع کر چکا ہے۔

(۲)

ایران کے جو علاقے اسلامی مملکت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے دو فوجی شہر آباد کیے گئے ہیں بصرہ اور کوفہ۔

کوفہ کا گورنر وہ فولادی انسان ہے جس کا نام سعد بن ابی وقاص ہے۔ جس کو فاتح عراق کہا جاتا ہے۔ جس نے تاریخ عراق کی سب سے بڑی جنگ "قادسیہ" میں دشمن کے پرخچے اڑائے تھے۔ جس کی نظر صرف مادی طاقت پر نہیں تھی بلکہ مادی طاقت سے بالا روحانی اور ملکوتی طاقت پر بھی اس کو اتنا اعتماد ہے کہ پایہ تخت کسریٰ یعنی مدائن پر حملہ کرنے چلا تو اتفاق سے دریا دجلہ بھی دشمن کی پناہ بننے لگا۔ اس میں شدید طغیانی آگئی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجیں بہت دور تک پھیل گئیں۔ شدتِ طغیانی کے سبب سے پانی کالا ہو گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۷)

دنیا کی تاریخ ہمیشہ اس فرشتہ صفت جرنیل کی شجاعت اور اس کے غیر معمولی اعتماد علی اللہ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے کہ جب اس کی نظر اس ہیبت انگیز غیر معمولی طغیانی پر پڑی تو خوف و ہراس کے بجائے قوت ایمانی نے اس کے اندر بے پناہ ولولہ فدائیت پیدا کر دیا۔

اس نے ایک آواز دی، کون ہے جو میرے ساتھ اپنا گھوڑا دریا میں ڈالتا ہے!

راوی بیان کرتے ہیں کہ ساتھ ہی آپ نے یہ الفاظ بھی زبان سے ادا کئے۔

نستعین باللہ و نتوکل علیہ۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (البدایہ والنہایہ ج۷ ص۶۵)

ترجمہ: "ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ وہ بہت ہی اچھا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سواء ہمارے اندر کوئی طاقت ہے نہ قوت"

پھر کیا تھا؟ بقول علامہ اقبال

" بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے "

ایرانیوں نے دیکھا دریائے دجلہ کی موجوں کے سینہ پر سوار پوری فوج اس طرف بڑھ رہی ہے۔ تو ... دیوانان کہتے ہوئے بھاگے۔ قسم بخدا انسان نیند جنات اند (البدایہ والنہایہ ج۷ ص۶۴)

(۳)

... انہیں ایام میں کہ یزدجرد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لینے کے لیے آخری بازی لگا رہا ... علاقہ نہاوند میں ایسی فوج جمع کر چکا ہے۔ کہ مالم یجمع من قبل ذلک (اتنی فوجیں اس سے پہلے کبھی ... جمع نہیں) (البدایہ ...)

اہل کوفہ کا ایک وفد "جراح بن سنان اسدی" کی قیادت میں خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچ کر ایک یادداشت پیش کرتا ہے۔ یہ اس فولادی انسان قائد افواج اسلامیہ سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایتوں کا ایک دفتر ہے۔ ایک شکایت یہ بھی ہے کہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔

ملوکیت اور بادشاہت کو چھوڑ دیجئے ہمارے جمہوری دور کے ارباب اقتدار بھی ایسے نازک وقت میں اس طرح کے احتجاج کو برداشت نہیں کریں گے۔ اور فوجی قوانین کے لحاظ سے تو شاید ایسے احتجاج کرنے والے گردن زدنی قرار دیئے جائیں۔ مگر یہ خلافت راشدہ کا دور ہے۔ ہر ایک کو کسی بھی وقت حاکم اور افسر کے متعلق شکایت کرنے کا اختیار ہے۔ بایں ہمہ حضرت فاروق اعظم رض اس اچانک شکایت نامہ سے چونکے۔ آپ نے فرمایا

ان الدلیل علی ماعندکم من الشر نہوضکم فی ھذا الحال وھو مستعد لقتال اعداء اللہ وقد جمعوالکم (صد ۱۰۶)

اس وقت جب کہ (حضرت سعد) جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور دشمن کی فوجیں تمہارے سے مقابلہ پر جمع ہو رہی ہیں کوچ کر کے تمہارا یہاں آنا یہ خود تمہاری شرارت کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا۔ باوجودیکہ تمہاری شرارت واضح ہے مگر شکایت پہنچ جانے کے بعد جو مجھے کرنا چاہئے تمہاری شرارت مجھے اس سے نہیں روک سکتی۔ مع ھذا لا یمنعنی ان انظر فی امرکم (البدایہ صد ۱۰۶)

چنانچہ حضرت سعد کو مدینہ طلب فرمالیا۔ اور جب وہ پیش ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شکوک فی کل شئ حتی الصلوٰۃ (بخاری شریف صد ۱۰۱)

سب کاموں میں آپ کی شکایت کی ہے یہاں تک کہ یہ بھی شکایت کی ہے کہ نماز ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جواب سننے سے پہلے ان کے بارے میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ شہادت ضرور ذہن نشین کر لیجئے۔

ماسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجمع ابویہ لاحد الا لسعد بن مالک فانہ سمعتہ یقول یوم احد یاسعد ارم فداک ابی وامی (بخاری شریف صد ۵۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے متعلق نہیں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کا نام لے کر فرمایا ہو کہ تم پر میرے ماں باپ قربان۔ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ (سعد بن مالک عرف سعد بن ابی وقاص کنیت ابو اسحاق) کی وہ ذات ہے کہ جب غزوہ اُحد میں دشمنوں کے جمگھٹ سید الکونین صلی اللہ علیہ پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر اندازی کے جوہر دکھاتے ہوئے ان کو ہٹا رہے تھے (تو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس ترکش دیکھتے اس کو فرمائش کرتے کہ ترکش حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس خالی کر دو۔ یعنی ترکش کے سارے تیر یہاں ڈال دو۔ ایسے ہی) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے ارم فداک ابی وامی۔ مارو تم پر میرے ماں باپ قربان۔

بہرحال دربار فاروقی میں شکایتوں کا جواب دیتے ہوئے جو حقیقت افروز اور رقت انگیز تقریر آپ نے فرمائی ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے

میں سب سے پہلا عرب ہوں ۔ جس نے راہ خدا میں تیر چلایا

(ہمارے یہ غزوے آج کی طرح ساز و سامان کے ساتھ نہیں ہوتے تھے) ان غزوات کی حالت اس وقت بھی میری نگاہ میں پھر رہی ہے کیکر کی لکڑیاں یا کیکر کے پتے ہماری خوراک ہوتے تھے بکری کی مینگنوں کی طرح ہمارا فضلہ خشک ہوتا تھا ، ہماری باہنوں میں زخم ہو گئے تھے ۔ اسلام سے مشرف ہوتے میں میں ساتواں آدمی ہوں ۔ آج یہ لوگ میری اصلاح کر رہے ہیں اتنی قدامت کے باوجود اگر میں نماز بھی صحیح نہیں پڑھ سکتا تو "وائے برحال من" مجھ سے زیادہ محروم القسمت کون ہو سکتا ہے ۔ (بخاری شریف صہ ۹۵ ، صہ ۱۰۴ ، شمائل ترمذی شریف صہ ۲)

مودودی صاحب تو شاید اس تقریر سے اثر نہ لیں ۔ کیونکہ آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ نے جو تیر چلایا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف تھا ۔ (ملاحظہ فرمایئے مودودی صاحب کی تفسیر متعلق آیت ویسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ) لیکن وہ فاروق اعظم کہ مودودی صاحب جیسے ہزاروں بر خود غلط علامہ ان کے گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے ۔ انہوں نے اس تقریر سے گہرا اثر لیا ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا صدقت ذالك الظن بك یا ابا اسحٰق (بخاری صہ ۱۰۴) سچ فرمایا اے ابو اسحٰق (یہ کنیت ہے احتراماً نام نہیں لیا) ، آپ کے متعلق ہمارا یقین یہی ہے ۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صداقت کا پورا یقین تھا ۔ مگر پھر بھی آپ نے تحقیق ضروری سمجھی ۔ آج کل کی اصطلاح میں یہ کہنا چاہیئے کہ ایک تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیجا ۔ ارکان کمیشن نے اہل کوفہ کے بیانات لیے ۔ پھر ایک مسجد میں پہنچ کر نمازیوں سے تحقیق کی ۔ مگر شکایت کسی نے بھی نہیں کی ۔ ہر ایک نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ۔ صرف قبیلہ بنی عبس کی ایک مسجد میں ایک شخص اسامہ بن قتادہ نے یہ بیان دیا ۔ اما اذا انشدتنا فان سعدا کان لایسیر بالسریۃ ولا یقسم بالسویۃ ولا یعدل فی القضیۃ ۔ (بخاری شریف صہ ۱۰۴) جب آپ قسم ہی دینے ہیں تو بات یہ ہے کہ سعد مجاہدین کے دستہ (فوجی کمپنی) کے ساتھ خود نہیں جاتے ۔ (کسی کو

میر اور کمانڈر بنا کر بھیج دیا کرتے ہیں) اور (مال غنیمت) مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے۔ اور کوئی مقدمہ آتا ہے تو انصاف سے کام نہیں لیتے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان الزامات کے خلاف اپنی صفائی میں ہزاروں شہادتیں پیش کر سکتے تھے۔ مگر مردِ باخدا نے انسانوں کے بجائے اپنا معاملہ خدا کے حوالہ کیا۔ اور دعاء کی:

"اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے نمائش اور شہرت کے لیے یہ بیان دیا ہے تو اس کی عمر دراز کر۔ اس کے فقر کو طویل کر۔ اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا"

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایک ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ آپ مستجاب الدعاء تھے) دریائے دجلہ کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے پوری فوج کا پوری حفاظت سے پار ہو جانا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعاء کی برکت ہی مانی جاتی ہے۔

دوسری خصوصیت آپ کی وہ شفقت اور ہمدردی تھی جس سے یہ شخص بھی محروم نہیں ہے جس کے حق میں بد دُعاء کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ اس کی عاقبت کے متعلق بد دعاء نہیں کرتے۔ بد دُعاء میں صرف ایسی باتیں ذکر کرتے ہیں جو دنیا ہی میں ختم ہونے والی ہیں۔

بہرحال بد دُعا اثر کیے بغیر نہیں رہی۔ عبد الملک بن عمر جنہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ واقعہ سنا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ اس شخص کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ اس کی عمر بہت ہوئی۔ بوڑھا کھوسٹ ہو گیا۔ حالت یہ تھی کہ بھویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں۔ راستہ میں لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا جب اس حماقت پر اس کو تنبیہہ کی جاتی تو جواب دیا کرتا تھا۔ شیخ مفتون اصابتنی دعوۃ سعد (بخاری شریف صد ۱۰۴)

بوڑھا ہوں۔ فتنہ میں مبتلاء۔ مجھے سعد کی بد دعاء لگ گئی۔

آفتابِ نیمروز کی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی برأت واضح ہو جانے کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ نہیں بھیجا۔ بظاہر آپ کو گوارا نہ تھا کہ کوفہ کے یہ کم ظرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے منہ آئیں۔ البتہ آپ نے اپنی وفات کے وقت انتخاب

خلیفہ کے لیے چھ ارکان نامزد کئے۔ جن میں سے ہر ایک رکن اس کا اہل تھا۔ کہ اس کو پوری مملکت کا سربراہ (خلیفہ) بنایا جائے۔ ان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی شامل رکھا۔ اور یہ بھی فرمادیا کہ میں نے ان کو کسی خیانت یا کمزوری کی بناء پر الگ نہیں کیا تھا۔ اب اگر ارکانِ شوریٰ ان کو خلیفہ منتخب کریں تو بلاشبہ وُہ اس کے اہل ہیں۔ اور اگر خلیفہ نہ بنائے جائیں تو جو خلیفہ ہو اس کو چاہیئے کہ وُہ ان کا تعاون حاصل کرتا رہے۔ (بخاری شریف صہ۵۴۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی معزولی کے بعد

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو پھر حضرت زیاد بن حنظلہ (رضی اللہ عنہم) کو یہ منصب سپرد ہوا۔ اہل کوفہ مطمئن نہیں ہوتے تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت سپرد فرمائی۔ لیکن اہل کوفہ نے ان کی بھی شکایت کردی۔ لایحسن السیاسۃ (سیاست نہیں جانتے)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ' نے ان کو معزول کر کے سیّدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' کو امیرِ کوفہ بنانا چاہا۔ تو اہل کوفہ نے پہلے ہی کہدیا۔ لانریدہ' (ہم ان کو نہیں چاہتے) اب حضرت فاروق اعظم پریشان تھے۔ کیف واھل الکوفۃ مائۃ الف لایرضون من امیر ولایرضی عنھم امیر۔ (البدایہ والنہایہ ج۷ صہ۱۲۶ و ۱۲۵) کیا کیا جائے یہ اہل کوفہ ایک لاکھ ہیں۔ نہ وہ کسی امیر سے راضی اور نہ کوئی امیر ان سے راضی ہوتا ہے) آپ نے حضراتِ صحابہؓ کا اجتماع کیا۔ ان تمام حالات کو بیان کرنے کے بعد ایک اصول سامنے رکھا۔ ھل یولی علیھم قویا شدیدا اوضعیفا مسلما۔ (کسی چاق چوبند اور سخت قسم کے آدمی کو امیر بنایا جائے یا نرم مزاج کو جو ان کے مشوروں پر چلتا رہے۔)

سیّدنا فاروق اعظم کے ماموں حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی مجمع میں موجود تھے۔ حضرت مغیرہ نے مشورہ دیا کہ قوی شدید' کو امیر بنایئے۔ اس کی سختی سے ممکن ہے لوگ کچھ پریشان ہوں لیکن اگر وہ مضبوط ہے۔ تو اس کی مضبوطی آپ کے لئے مفید ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ ساتھ ہی یہ فرمایا۔ آپ ہی اس کے لئے مناسب ہیں۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر بنادیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایت، ان کی معزولی اور جنگ نہاوند (جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت نعمان بن مقرن کی قیادت میں کامیابی سے لڑی گئی) یہ سب ۱۹ھ کے واقعات ہیں۔ یعنی خلافت فاروقی کے ساتویں سال کے۔ اس کے بعد صرف ڈھائی یا تین سال کے عرصہ میں گورنروں کی یہ تبدیلیاں ہوئیں۔

۲۳ھ کے ختم پر جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت ہوئی، تو حضرت مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے امیر تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے، تو آپ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طلب فرمایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا کہ حضرت فاروق اعظم کا ایما یہی تھا۔ لیکن ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ اس نے شدت اختیار کرلی۔ لوگ ہوا دینے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو واپس بلالیا۔

اختلاف سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں قطب الارشاد کی حیثیت سے قیام فرما تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہاں مامور فرمایا تھا۔ درس قرآن علمی مذاکرات درس حدیث، افتاء، قضا اور احتساب (عوام کے اخلاق کی نگرانی) آپ کے فرائض تھے۔ ان کے علاوہ بیت المال کے امین اور نگران بھی آپ ہی تھے۔ حضرت سعد نے آپ کے توسط سے بیت المال سے قرض لیا۔ لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو آپس میں بحث شروع ہو گئی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:۔ فلما تقاضاہ ابن مسعود ولم يتيسر قضاءه تقاولا وجرت بينهما خصومة شديدة فغضب عليهما عثمانؓ فعزل سعدا۔ صفحہ ۱۵۱ (جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تقاضا کیا اور ان کو یہ میسر نہ ہوا کہ ادا کرسکیں۔ تو اس کی بحث چلی۔ اور دونوں کے درمیان سخت خصومت ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، دونوں پر ناراض ہوئے پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔

جملہ معترضہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ناراضگی بسر وچشم۔ لیکن ایک صاحب بصیرت، جو حضرات صحابہ کی عظمت سے واقف ہے، اس کے لئے یہ واقعہ ایک تاریخی معمہ ہے۔ یہ دونوں بزرگ جلیل القدر صحابی، صداقت

دیانت، ایثار، اخلاص اور جو صفات بھی جلیل القدر صحابہ کی ہو سکتی ہیں۔ ان سب میں ممتاز درجے کے مالک پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ناواقف نہوں گے کہ ادا ء قرض میں صاحب استطاعت کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ مطل الغنی ظلم

ملت کے فقیہہ اعظم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت بھی ضرور ہوگی وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ۔ (اگر مقروض آدمی تنگی میں ہو تو سہولت حاصل ہونے تک اس کو مہلت دی جائے) علاوہ ازیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بھوکے ننگے نہیں بلکہ خوش حال اور صاحب دولت[1] تھے۔ خوش حالی کے ساتھ ساتھ فراخ حوصلہ بھی ایسے کہ تقریباً پندرہ سال پہلے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں) جب مکہ معظمہ میں ایسے سخت بیمار ہو گئے کہ زندگی سے مایوسی ہونے لگی، تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ تمام جائداد وقف کردیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ تو دو ثلث، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا، تو نصف جائداد کی وصیت کر دینے کی درخواست کی، یہ درخواست بھی منظور نہیں ہوئی۔ تو عرض کیا کہ ایک ثلث جائداد کی وصیت کی اجازت دی جائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہوا۔ الثلث والثلث کثیر (ہاں تہائی اور تہائی بھی بہت ہے) (بخاری شریف صفحہ ۱۷۳)

آپ کے اس واقعہ سے فقہ کا یہ ضابطہ مقرر ہو گیا کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی زیادہ کی وصیت کر بھی جائے تو وہ نافذ نہیں ہوگی۔

بہرحال سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسا باحوصلہ اور صاحب استطاعت اداء قرض میں لیت و لعل کرے یہ قطعاً خلاف قیاس اور خلاف درایت ہے۔

نوعیت قرض حضرات مؤرخین نے قرض کا ذکر کیا۔ مگر اس کی نوعیت نہیں بیان کی۔ حضرات صحابہ کی جو توثیق و تعدیل قرآن پاک نے فرمائی ہے۔ اس کی بنا پر یقین یہ ہے کہ حضرات مؤرخین کی تعبیر میں کوتاہی ہوئی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ گورنر ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود وزیر خزانہ، اس قرض کی نوعیت اس سطح پر تصور میں

[1] ایک موقع پر جب آپ وصیت کی اجازت مانگ رہے تھے، آپ نے فرمایا انا ذو مال میں صاحب دولت ہوں (بخاری شریف صفحہ ۲۳۲)

آنی چاہیے۔ حضرات مورخین نے عام قرض کی طرح اس کا ذکر کر دیا ہے۔ گر دونوں حضرات کی پوزیشن کو سامنے رکھا جائے تو یقیناً صورت یہ ہوگی کہ:۔

"یہ قرض حضرت سعد بن ابی وقاص نے بحیثیت گورنر یا امیر مملکت کسی قومی ضرورت کے لئے لیا تھا۔ پھر بحث یہ ہوئی کہ اس کی ادائیگی ضروری ہے یا بیت المال کے مدات صرف میں یہ ضرورت بھی داخل ہے تو یہ رقم وہاں صرف ہوئی جہاں صرف ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کی ادائیگی ضروری نہیں ہے"۔

یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا جس میں امیر (گورنر) اور امین بیت المال (وزیر خزانہ) کا اختلاف ہوا ہر ایک اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم رہا۔ ایسی صورت اگر پیش آجائے تو لامحالہ کسی ایک کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ ہماری اس توجیہہ کی بین دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس منصب سے الگ ہو گئے تو یہ قصہ بھی ختم ہو گیا۔ ذاتی قرض تھا تو اس کی ادائیگی لامحالہ ضروری تھی حضرت سعد خود ادا نہ کرتے تو بذریعہ قضاء ان سے وصول کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال فیصلہ درایت یہی ہے کہ یہ قرض ذاتی نہیں تھا اور یہ اختلاف اجتہادی تھا۔

حضرت ولید بن عقبہ گورنر کوفہ

قسط ۵

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کوفہ سے واپس آئے تو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت ولید بن عقبہ کو یہاں کا گورنر بنا دیا۔

مختصر تعارف

مودودی صاحب نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں زور قلم صرف کیا ہے اور ان کی خدمات پر پردہ ڈالا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آپ کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

حضرت ولید رضی اللہ عنہ اگرچہ فتح مکہ سے پہلے ایمان سے مشرف نہیں ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ مگر یہ ان سعادت مندوں میں سے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے ان کو خدمات اسلام کے لیے خاص طور پر منتخب فرما لیا تھا چند ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ۹ھ میں آپ کو قبیلۂ بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیج دیا۔

اس قبیلہ سے حضرت ولید کے خاندان کی پرانی عداوت چلی آرہی تھی۔ اس تقرر کے وقت تو حضرت ولید نے کوئی معذرت نہیں کی۔ اور روانہ ہو گئے۔ مگر دل میں خطرہ ضرور تھا کہ شاید مجھے

تنہا پاکر یہ لوگ اپنی عداوت نکالیں ۔

اہل قبیلہ منتظر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی صاحب آئیں گے۔ انہوں نے از خود صدقات وغیرہ جمع کر لیے تھے کہ آنے والے عامل کو زحمت نہ ہو۔ خود ہی پیش کر دیں۔ اب ان کو علم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ ولیدؓ بن عقبہ آنے والے ہیں تو کچھ لوگ جمع ہوئے کہ آگے چل کر ان کا استقبال کریں۔ ولیدؓ بن عقبہ قبیلہ تک پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ بقول راوی کسی شیطان نے ان سے کہہ دیا کہ وہ لوگ آپ کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں ۔

ولیدؓ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو شبہ تھا اب اس نے یقین کا درجہ حاصل کر لیا۔ اور یہ اس خبر کے سنتے ہی واپس ہوگئے۔ تحقیق کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ اور انہوں نے تحقیق کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور واپس پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کر دیا کہ وہ لوگ تو قتل کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افسوس ہوا۔ اور آپ نے اس قبیلہ کے لیے تادیبی کارروائی کا ارادہ کر لیا۔

ادھر اہل قبیلہ کو احساس ہوا کہ حضرت ولید کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ واپس ہوگئے تو انہوں نے چند نمائندے بارگاہ رسالت میں بھیجے کہ اس غلط فہمی کو دور کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تادیبی کارروائی کے لیے کوئی فوجی دستہ بھیجنے والے تھے کہ اہل قبیلہ کے نمائندے پہنچ گئے اور صورت حال عرض کر دی۔ معاملہؑ صاف ہوگیا۔ (طبرانی۔ بغوی، بحوالہ تفسیر مظہری تفسیر سورہ حجرات)

یہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی غلطی تھی۔ معاذ اللہ شرارت نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکو غلطی ہی قرار دیا چنانچہ انکو خدمات حکومت سے محروم نہیں کیا۔ البتہ ان کو دوسری جگہ مامور فرما دیا ۔

لہ - اسی طرح کے واقعات کے متعلق وحی الہیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دی۔ ان جاءکم فاسق بنبأ (سورہ حجرات) اگر کوئی فاسق (ناقابل اعتماد شخص) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے تحقیق کر لو۔ بظاہر حضرت ولیدؓ کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ بلا تحقیق ایسے شخص کی خبر سے متأثر ہو کر واپس آگئے تھے۔ جس کو راوی نے شیطان کہا ہے۔ (واللہ علم)

سلہ کے شروع میں (ربیع الاوّل میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ ارتداد کی ایک ہوا چلی۔ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اہل مکہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن سیدنا ولید بن عقبہ اس دور پر فتن میں ثابت قدم رہے۔ اور جب اندرونی فتنوں سے فارغ ہوکر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت عراق کی طرف مجاہدین کو روانہ کیا۔ تو حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اس قومی مہم میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جنگ فدیار میں فتح یابی کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فتح کی بشارت، مال غنیمت کا خمس اور موجودہ یا پیش آنے والے حالات کے متعلق رپورٹ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت ولید بن عقبہ کے ہاتھ ہی بھیجی (طبری ج ۴ ص)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگلے سال ۱۳ھ میں شام کی طرف جہاد کا ارادہ کیا عام دعوت بھی دی۔ اور خاص طور پر ان کو دعوت دی جو مختلف علاقوں میں تحصیل وصول وغیرہ پر مامور تھے۔ جو عامل کہلاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خاص طور پر فرمان بھیجا کہ شام کی مہم میں جو صاحب جانا چاہیں وُہ تشریف لے جائیں۔ ان کا موجودہ منصب محفوظ رہے گا۔ جہاد کے بعد وُہ اسی پر واپس ہو جائیں گے۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اس وقت بنی قضاعہ کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے آپ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کا فرمان موصول ہوا۔ تو جواب میں حضرت ولید رضی اللہ عنہ خود حاضر تھے (طبری ص ۲۹)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس محاذ پر معرکے شروع ہوئے۔ اس محاذ کا سب سے بڑا معرکہ، معرکہ یرموک تھا، حضرت ولید رضی اللہ عنہ ان معرکوں میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے (طبری ص ۳۰) معرکہ یرموک کے بعد انتظامی اور دفاعی حلقے بنائے گئے۔ ہر ایک حلقہ ایک امیر کے حوالہ کیا گیا اردن کے امیر حضرت ولید رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔

سلہ میں قیصر روم نے حمص کی طرف اقدام کیا۔ اس کا دفاع کیا گیا۔ دفاع کے بعد اس علاقہ میں کچھ اور فوجی مہمیں روانہ کی گئیں۔ عرب الجزیرہ کو جو مہم روانہ کی گئی اس کی قیادت حضرت ولید بن عقبہؓ

کے سپرد کی گئی۔ اس مہم کے بعد حضرت ولید رضی اللہ عنہ اسی علاقہ میں مامور کر دیئے گئے۔ (طبری ج۴ ص۱۲)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سب علاقوں میں بغاوت پھیل گئی فارس کے بڑے بڑے علاقوں آذربائیجان، آرمینہ وغیرہ نے اپنے استقلال کا اعلان کر دیا۔ فوجی نظام کے لحاظ سے ان علاقوں کا تعلق کوفہ کی چھاؤنی سے تھا۔ یہاں چالیس ہزار فوج رہا کرتی تھی۔

حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے اثرات سے کام لے کر چھاؤنی کا نظام سنبھالا۔ پھر ان باغی علاقوں پر حملہ کیا۔ اور ایک ایک کر کے تمام باغی علاقوں کو مطیع اور فرمانبردار بنا لیا۔ (طبری ص۴۵)

پھر اس چھاؤنی کو اتنا مضبوط کر دیا کہ شام کے علاقہ میں رومی فوجوں نے حضرت معاویہ پر دفعۃً چڑھائی کر دی۔ انہوں نے خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے امداد کی درخواست کی۔ تو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیج کر اس چھاؤنی سے دس ہزار فوج شام کی امداد کے لیے روانہ کرا دی۔ (طبری ص۴۶)

یہ تھیں اس وقت تک کی خدمات۔ اب ۲۶ھ میں حضرت ولیدؓ کوفہ کے گورنر ہوئے۔ تو بقول ابن جریر طبری۔ کان احب الناس فی الناس وار فقھم بھ ولیس علیٰ دارلاباب (تاریخ طبری ص۴۸) (ترجمہ) سب سے زیادہ ہر دلعزیز۔ بہت مہربان، ان کی حویلی پہ پھاٹک بھی نہیں تھا۔

نہ صرف ابن جریر طبری بلکہ ابن اثیر وغیرہ سب مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ پانچ سال تک یہی شان رہی، کہ ولید بن عقبہ کوفہ کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز اور محبوب گورنر تھے۔ اہلِ کوفہ ان سے خوش تھے۔ اور ان کو اہل کوفہ پر یہ اعتماد تھا کہ ان کے فرودگاہ کا پھاٹک بھی نہیں تھا۔

کوفہ میں کچھ شورہ پشتوں کی شرارت

پھر ایک شخصی واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا (ابن الحیسمان) رات کو چند نوجوانوں نے اس کے گھر میں گھس کر اس کو قتل کر دیا۔ ابن حیسمان نے شور مچایا۔ مگر اس کی مدد کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔ حضرت ابو شریح (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی) اپنے صاحبزادہ کے ساتھ قریب ہی مکان میں قیام فرما

تھے۔ انہوں نے کچھ شور سُنا تو چھت پر چڑھے۔ ان شرارت پسندوں کو ڈانٹا۔ مگر یہ اپنا کام کر چکے تھے۔
مقدمۂ قتل پیش ہُوا۔ تو حضرت ابوشریح اور ان کے صاحبزادے نے شہادت دی۔ قصاص کا حکم ہُوا۔ پھر حسبِ قاعدہ مقدمہ کی مسل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔ خلیفہ کی جانب سے فیصلہ کی تصدیق ہُوئی۔ ملزموں کو قصرِ امارت کے سامنے چوک میں قتل کرا یا گیا۔

ولید سے مخالفت کا آغاز

حضرت ابوشریح اور ان کے صاحبزادے تو چند روز کے لیے گئے تھے۔ وہ مدینہ واپس چلے آئے۔ لیکن جو قاتل قصاص میں قتل کیے گئے تھے ان کے وارثوں کے دلوں میں ولید کی طرف سے کینہ بیٹھ گیا (طبری ص۶۰ ج۵ و ابن خلدون وغیرہ)
نکتہ چینی اور ہر ایک ممکن صورت سے ان کو پریشان کرنا اور زک دینا ان کا مشغلہ بن گیا۔

شراب نوشی کا الزام

قبیلہ بنی تغلب ایک مشہور قبیلہ تھا۔ جس نے اپنا سابق مذہب عیسائیت نہیں چھوڑا تھا۔ اور اس کے باوجود حضرت فاروق اعظم سے یہ رعایت حاصل کر لی تھی کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے جزیہ کے بجائے مسلمانوں پر جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس کی دوگنی رقم وہ دیا کریں گے۔
حضرت ولید بن عقبہ جب عرب الجزیرہ کے عامل تھے تو اسی قبیلہ میں آپ کا قیام تھا۔ وہاں ایک عیسائی جس کا نام ابوزبید تھا وہ مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ بنی تغلب سے اس کا ننھیالی رشتہ تھا اس تعلق کی بناء پر اس نے قبیلہ کے آدمیوں سے قرض بھی لے رکھا تھا۔
جب ابوزبید مسلمان ہو گیا تو اس کے عیسائی قرض خواہوں نے شدت سے مطالبہ شروع کر دیا وہ بہت پریشان تھا۔ تو حضرت ولید نے اس کی یہ مدد فرمائی کہ اس کا تمام قرضہ اپنے ذمہ لے لیا۔ (طبری ص)
اب قدرتی بات ہے کہ ابوزبید آپ کا غلام ہو گیا۔ ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگا۔
حضرت ولید جب کوفہ کے گورنر ہوئے تو گویا اس کی قسمت کا تارہ چمک گیا۔ اور حضرت ولید کے پاس کوفہ آ گیا خلاء ملاء پہلے سے تھا۔ وہی انداز یہاں بھی رہا۔ مگر شاعر تھا۔ شاعرانہ مزاج

رکھتا تھا۔ اسی کمزوری سے کینہ پروروں نے جن کے بیٹے قصاص میں قتل کیے گئے تھے فائدہ اٹھایا
بظاہر ایک طے کردہ تجویز کے بموجب وہ ایک روز حضرت ولید کے یہاں پہنچے۔ ولید کا دروازہ
ہر ایک آنے والے کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ یہ دفعتہً وہاں پہنچ گئے۔ تو حضرت ولید نے
اپنے آگے سے ایک طشت ہٹا کر چوکی کے نیچے کر دیا۔ اس پر ان کو موقع مل گیا اور باہر آکر کہنا
شروع کر دیا کہ ولید اور ابوزبید شراب پی رہے ہیں۔ اب ایک مجمع وہاں پہنچ گیا۔ حضرت ولید
مجمع کو دیکھ کر حیران ہوئے سبب دریافت کیا۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے
حضرت ولید نے چوکی کے نیچے سے طشت نکال کر دکھا دیا کہ اس میں انگور کے خوشے تھے خوشے
ختم ہو گئے ہیں۔ جھڑے ہوئے دانے رہ گئے ہیں یہ صاحبان آئے تو اس خیال سے کہ ان بکھرے
ہوئے دانوں پر یہ ان کی خاطر نہیں کر سکتا۔ میں نے اس طشت کو چوکی کے نیچے کر دیا تھا۔ جو
لوگ شراب نوشی کی خبر سن کر آئے تھے جب ان کو حقیقت کا علم ہوا تو ان خبر دینے والوں کو ملامت
کی۔ طبری صفحہ ۶۱ ج ۵۔

حضرت ولید بن عقبہ ان کو تنبیہ کر سکتے تھے۔ ان کی شکایت دربار خلافت تک پہنچاتے
تو وہاں سے ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی ہو سکتی تھی۔ مگر حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی وسعت
ظرفی نے اس معاملہ کو دبا دیا۔ کوئی شکایت اوپر نہیں پہنچائی۔ مگر یہ حاسد و معاند ایسے حیادار
کب تھے۔ کہ خاموش رہ جاتے۔ ان میں کا۔ ایک شخص جندب جس کا بیٹا زہیر قصاص میں قتل
کیا گیا تھا۔ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر قاضی اور مفتی شہر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے
پاس پہنچ گیا۔ اور ان کے کان بھرے کہ ولید شراب پیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان
کو ٹال دیا کہ جب تک ہمارے سامنے کوئی مقدمہ نہیں آتا تو یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ کہ لوگوں کے اندرونی
حالات ٹٹولیں (طبری صفحہ ۶۱ ج ۵)

ان لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے صرف چغلی کی تھی تاکہ بدظن کر دیں۔ دعویٰ دائر نہیں کیا
تھا اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ثبوت بھی طلب نہیں کیا۔ اور معاملہ کو ٹال دیا۔ لیکن حضرت

ولیدؓ کو اپنی صفائی اور برات پر اتنا یقین تھا کہ ان کو حضرت ابن مسعودؓ سے شکایت پیدا ہو گئی کہ انہوں نے الزام کی تحقیق کیوں نہیں کی۔ اور میرے متعلق ایسا شرمناک الزام سننے کے بعد معاملہ کو ٹال کیوں دیا (طبری صفحہ ۶۰-۶۱ ج ۵)

اس زمانہ میں ایک واقعہ ایک شعبدہ باز کا ہوا۔ حضرت ولید کے یہاں کوئی شخص آیا۔ وہ شعبدے دکھاتا تھا۔ ایسے لوگ شاہ ایران یا امراء ایران کے پاس جاتے تھے۔ تو وہاں انعام پاتے تھے۔ اسی توقع پر وہ "امیر کوفہ" کے پاس بھی آیا اور کوئی شعبدہ دکھایا۔ ان شرارت پسندوں کو ایک اور موقع ہاتھ لگ گیا اور جادو کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے یہاں شکایتی درخواست گزار دی کہ اس جادوگر کو سزا ملنی چاہیئے۔ اس شعبدہ باز کو بلایا گیا۔ اس نے اقرار کیا۔ اور ایک شعبدہ کر کے بھی دکھایا۔ تو حضرت ابن مسعودؓ کی رائے ہوئی کہ اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر پھر گورنر (حضرت ولید) سے گفتگو ہوئی۔ تو دونوں کا فیصلہ یہ ہوا کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے۔ لیکن یہ شعبدہ باز بھی مضبوط آدمی تھا۔ اس نے دربار خلافت میں اپیل پہنچا دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ قید میں ڈال دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے حلفیہ بیان لیا جائے اور فہمائش کر کے چھوڑ دیا جائے (طبری صفحہ ۶۱ ج ۵)

بہر حال اس موقع پر بھی ان شرارت پسندوں کو منہ کی کھانی پڑی مگر اپنی حرکتوں سے پھر بھی باز نہ آئے۔

بالآخر کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احتجاج کیا کہ ولیدؓ کو کوفہ سے معزول کر دیں۔ یہ درخواست خلیفۂ سوم نے منظور نہیں کی تو واپس آکر حضرت ولیدؓ اور حضرت خلیفہ سوم دونوں کے خلاف افواہیں پھیلانی شروع کر دیں (طبری صفحہ ۶۱)

پھر ایک روز حضرت ولیدؓ کے یہاں پہنچے۔ حضرت ولیدؓ سو رہے تھے۔ ان کی انگلی میں سے انگوٹھی نکال لی۔ اور اس کو بھی مدینہ بھیج دیا تاکہ شراب نوشی اور بدمستی کے ثبوت میں پیش کی جا سکے۔ (طبری صفحہ ۶۱، ۶۲ ج ۵)

بالآخر اس جدوجہد میں کامیاب ہوگئے۔ ایک ثقہ صورت نے گواہی دے دی کہ میں نے ولیدؓ کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسرے نے گواہی دی کہ میں نے دیکھا کہ ولیدؓ نے شراب کی قے کی جس سے ڈاڑھی بھی تر ہوگئی۔

شاہدوں کے ناموں کے بارے میں مؤرخین کا سخت اختلاف ہے۔ طبری نے اور نام بیان کیے ہیں اور مسلم وغیرہ میں اور نام ہیں۔

بہرحال شہادتوں کے گذر جانے کے بعد حد جاری کر دینے کا فیصلہ لازم تھا۔ چنانچہ حد جاری کی گئی اور حضرت ولیدؓ کو معزول کر دیا گیا۔

ماننا پڑتا ہے کہ ان شورہ پشت لوگوں کو پروپیگنڈے کی وہ مہارت حاصل تھی کہ شاید موجودہ ترقی یافتہ دور بھی اس کی مثال پیش نہ کر سکے۔ کوفہ میں جو حرکتیں کیں ان کا نتیجہ ندامت رہا۔ مگر پھر بھی پروپیگنڈے کا یہ عالم تھا۔ کہ نہ صرف کوفہ بلکہ مدینہ کی فضاء بھی ان کے پروپیگنڈے سے گونج اٹھی۔ اور یہ عام سوال پیدا کر دیا گیا کہ آخر ولید کو سزا کیوں نہیں دی جاتی۔

بخاری شریف کی ایک روایت کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اس ہمہ گیر پروپیگنڈے کا اندازہ ہوگا

عبید اللہ بن عدی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن الاسود بن عبدیغوث نے مجھ سے فرمایا حضرت عثمان تمہارے ماموں ہیں۔ تمہیں کیا رکاوٹ ہے۔ تم ان سے ان کے بھائی ولیدؓ کے بارے میں بات کیوں نہیں کرتے۔ حضرت عثمان جو ان کے معاملہ میں ڈھیل دے رہے ہیں۔ اس سے لوگوں میں بہت چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔

عبید اللہ بیان فرماتے ہیں میں حضرت عثمان کے یہاں ایسے وقت پہنچا کہ وہ نماز کے لیے جانے والے تھے میں راستہ میں کھڑا ہو گیا۔ جب حضرت عثمان تشریف لائے تو میں نے عرض کیا۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اور وہ آپ کی خیرخواہی ہی کی بات ہے۔

حضرت عثمان : ایہا المرء اعوذ باللہ منک (اجی حضرت! آپ سے خدا کی پناہ)

حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا میں لوٹ آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت مسعودؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ

کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ میں نے کہا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا۔ اب آپ اپنا فرض پورا کر چکے۔

حضرت عبیداللہ فرماتے ہیں میں انہیں کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آدمی آیا۔ (کہ آپ کو بلا رہے ہیں) ان دونوں نے کہا اب تمہاری خیر نہیں۔ (تمہیں اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈال دیا) بہر حال میں چلا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وہ خیر خواہی کی بات کیا ہے؟ جو آپ ابھی (نماز سے پہلے) فرما رہے تھے۔ میں نے قاعدہ سے گفتگو شروع کی پہلے خطبہ[ؒ] شہادت پڑھا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ان پر کتاب نازل کی۔ آپ ان میں سے ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا۔ اس پر ایمان لائے پھر ہجرت مدینہ سے پہلے دو مرتبہ ہجرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ آپ کے طور وطریق کو آپ دیکھتے رہے۔

"ولید بن عقبہ کے بارے میں لوگ بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان پر حد جاری کریں۔"

حضرت عثمانؓ نے پہلے تو یہ فرمایا ہمشیر زادے کیا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ کیا آپ کا زمانہ پایا ہے؟ میں نے عرض کیا نہ میں نے دیکھا نہ آپ کا زمانہ پایا۔ البتہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وہ تعلیمات جو پردہ نشین کنواری لڑکیوں کے پردہ کے اندر تک پہنچ چکی ہیں وہ مجھے بھی پہنچیں۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ جواب دیا۔ اول خطبہ شہادت پڑھا۔ پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق و صداقت کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اور میں ان میں سے تھا جنہوں نے آپ کی دعوت قبول کی۔ اسلام سے مشرف ہوا۔ آپ کی تعلیمات پر ایمان لایا۔ پھر جیسا تم نے کہا دو دفعہ ہجرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے شرف سے مشرف ہوا۔ آپ سے بیعت کی۔ اور خدا جانتا ہے میں نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ کبھی کوئی خیانت نہیں کی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ بنایا۔ خدا جانتا ہے میں نے کبھی ان کی نافرمانی یا ان کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔ پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) خلیفہ بنائے گئے۔ ان کے ساتھ بھی میرا یہی سلوک رہا۔ کہ نہ کبھی ان کے فرمان سے سرتابی کی۔ اور نہ ان کے معاملہ میں کوئی خیانت کی۔

ؒ یہ قاعدہ تھا کہ اہم گفتگو کے وقت بھی بات شروع کرنے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ یعنی نحمدہ ونستعینہ الخ

(حضرت عمرؓ سے ساتھ رہنے اور ہر مشورہ میں شریک رہنے کے باعث حضرت عثمانؓ کو ردیف عمر کہا جاتا تھا طبری ص۱۳۸ ج ۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مجھے خلیفہ بنایا گیا۔ اب تم ہی بتاؤ جس طرح حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ (رضی اللہ عنہما) کا حق میرے اوپر تھا کیا میرا حق آپ لوگوں پر نہیں ہے میں نے کہا ضرور ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر یہ کیا باتیں ہیں جو مجھ تک پہنچ رہی ہیں۔ باقی جہاں تک ولید کا معاملہ ہے تو عنقریب اس پر حد جاری کی جائے گی۔ (بخاری شریف ص۵۴۶، ۵۲۲)

غور فرمائیے یہ ماموں بھانجے کی گفتگو ہے۔ ماموں صاحب بھانجے سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ اور بھانجے صاحب ماموں صاحب کو ایمانیات کی تلقین کر رہے ہیں، گویا تجدید ایمان کرا رہے ہیں۔ اس سے اقارب پروری کے پروپگنڈے کی حقیقت بھی سامنے آرہی ہے۔ اور یہ بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ پروپگنڈہ کرنے والے کس درجہ ماہر فن تھے۔ انہوں نے کہاں کہاں تک اثرات پھیلائے اور کتنے سادہ اور بھولے مسلمانوں کو امتحان اور آزمائش میں ڈال دیا۔

حالات کوفہ کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ حضرت ولید بن عقبہ کا قصہ یہاں ختم ہو رہا ہے۔ یہ تمام قصہ ابن اثیر۔ ابن خلدون وغیرہ نے (بقول مودودی صاحب مستند ترین مورخین نے) بیان کیا ہے ہم نے صرف تاریخ الامم والملوک تاریخ طبری (مطبوعہ بیروت من مکتبہ البیان) کے صفحات کے نمبر درج کیے ہیں۔ ان واقعات میں ہم نے نہ کمی بیشی کی۔ نہ کسی طرح کی حاشیہ آرائی کی ہے۔ صرف یہ کیا ہے کہ عربی زبان کے بجائے اردو زبان میں ان کو نقل کر دیا ہے۔ اب مطالعہ کرنے والے حضرات خود غور فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے!

(۱) آپ نے ملاحظہ فرمایا کچھ آوارہ گرد ایک شخص کو قتل کر دیتے ہیں۔ قاتلوں سے قصاص لیا جاتا ہے تو ان کے باپ ولیدؓ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ وہ ملازمت پیشہ بھی مل جاتے ہیں جن کو ولیدؓ نے معزول کر دیا تھا۔ (طبری ص۲۷۱ ج ۵) پھر یہ کوفہ سے مدینہ منورہ تک پروپگنڈے کا طوفان برپا کر دیتے ہیں۔

(۲) آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ولیدؓ جب عرب الجزیرہ کے والی ہیں (کشنر، گورنر) نو مسلموں کے ساتھ ہمدردی

اوران کی غیرمعمولی امداد بھی کرتے ہیں اسی امداد نے ابوزبید کو ان کا اتنا مرہونِ منت کیا ہے کہ وہ آپ کا ہو رہا ہے۔

۱۳۔ آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ولید بن عقبہؓ شروع ہی سے خدمات انجام دیتے رہے۔ عامل رہے، مجاہد رہے، مجاہدوں کے افسر رہے۔ بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ اردن کے گورنر رہے۔ پھر فاتح فارس بنے۔ باغیوں کی سرکوبی کی۔ ان کا تازہ کارنامہ یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات پر ایران کے جو علاقے باغی ہو گئے تھے ان کو دوبارہ مطیع بنایا۔ آذربائیجان اور آرمینیہ کو دوبارہ فتح کیا۔

۱۴۔ طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ کوفہ کی چھاؤنی میں چالیس ہزار فوج رہتی تھی جس میں تیس ہزار ریزرو رہتی تھی (یعنی) ہر سال نمبروار دس ہزار فوج سرحدوں پر جہاد کرتی رہتی تھی۔ اس کے دو حصے ہوتے تھے۔ چھ ہزار مجاہدین آذربائیجان کے محاذ پر اور چار ہزار "رے" کے محاذ پر۔ ولید بن عقبہؓ بڑے حصہ کے کمانڈر رہتے تھے۔ جس سے انہوں نے آذربائیجان اور آرمینیہ کو دوبارہ فتح کیا تھا (ص۲۴۶ ج ۵)

ان تمام تصریحات و تنقیحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد ولید رضی اللہ عنہ کو عرب الجزیرہ سے منتقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ پہلے سے کوفہ میں فوج کی قیادت کر رہے تھے۔ اب فوج کی قیادت کے بجائے صوبہ کی گورنری ان کو دے دی گئی۔

اب حضرت محقق مدقق علامہ مودودی صاحب کی دیانتداری ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کے آخر زمانہ میں وہ الجزیرہ کے عرب علاقے پر جہاں بنی تغلب رہتے تھے۔ عامل مقرر کیے گئے۔ ۲۵ھ میں اس چھوٹے سے منصب سے اٹھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکو حضرت سعد بن ابی وقاص کی جگہ کوفہ جیسے بڑے اور اہم صوبہ کا گورنر بنا دیا۔ وہاں سے یہ راز فاش ہوا کہ یہ شراب نوشی کے عادی ہیں (خلافت وملوکیت ص۱۱۲)

مودودی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ اس طرح کی غلطی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی۔ جب سعد بن ابی وقاص کو قادسیہ جیسے سخت ترین محاذ پر افواجِ اسلام کا قائد اعظم اور آج کل کے محاورہ میں فیلڈ مارشل بنایا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو بنو ہوازن کے صدقات وصول کرنے پر مقرر کر رکھا تھا۔ ولید بن عقبہ کی طرح ان کا منصب بھی چھوٹا سا تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے ان کو اس چھوٹے سے منصب سے اٹھا کر قادسیہ میں افواج اسلام کا سالار اعظم بنا دیا تھا۔ (ملاحظہ فرمایئے تاریخ طبری صد ۱۴۸ ج ۴)

اگر مودودی صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منصفانہ رائے قائم کرنا چاہتے تو تاریخ کی اوراق گردانی کرتے، اور تمام پہلوؤں پر نظر ڈالتے۔ مگر ان کا منشاء تو حضرات صحابہ کی حیثیت کو مجروح کرنا ہے۔ لہٰذا جہاں سے جو چیز مل جاتی ہے لکھ مارتے ہیں۔ نہ اس میں اعتدال ہوتا ہے نہ توازن۔

۵ : یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی ضروری ہے کہ طبری کے بیان کے بموجب یہ واقعہ ۳۰ھ کا ہے پانچ سال پہلے ۲۵ھ میں عبداللہ بن سبا، نام نہاد اسلام اختیار کر چکا ہے۔ پھر مدینہ سے نکل کر بصرہ میں پھر وہاں سے نکل کر کوفہ میں اپنی پارٹیاں بنا چکا ہے (تفصیل آگے آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ) مؤرخین نے نام نہیں لیا۔ مگر ظاہر ہے حضرت ولیدؓ کے خلاف پروپیگنڈے میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔

۶ : حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کیا حقائق پر پردہ ڈالنے کی اس سے بدترین مثال ہو سکتی ہے۔ یہ تاریخی تحقیق ہے یا جذبۂ بغض صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تسکین۔

حضرت عثمانؓ نے نا اہل کو عہدہ سپرد کیا ہے یا ان کا قصور یہ ہے کہ ترقی پذیر حوصلہ مند کا راستہ نہیں روکا۔

۷ : مودودی صاحب جہاں چاہتے ہیں جملہ مؤرخین کا لفظ تحریر فرما کر مرعوب فرماتے ہیں لیکن یہاں ان کی دیانت داری نے اجازت نہیں دی کہ وہ جملہ مؤرخین کے اس بیان کو بھی تحریر فرما دیتے کہ ولید کوفہ کے گورنر ہوئے تو وہی کوفہ والے جنہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف طوفان کھڑا کیا تھا ولیدؓ کے ایسے گرویدہ تھے کہ ولیدؓ کو اتنے تحفظ کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی کہ پھاٹک پر کوئی دربان ہی مقرر کر دیں اور جب ان کو معزول کیا گیا تو کوفہ کی باندیاں تک غمگین تھیں۔ لڑکیاں ماتمی لباس پہن کر اشعار پڑھتی پھرتی تھیں (طبری صد ۶۲ ج ۵)

مودودی صاحب ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتے۔ بار بار اعتراف کرتے ہیں کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیئے انہوں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا (ص۸۰ و ص۱۰۹ وغیرہ) لیکن بعض صحابہ کا فرض ان کو اجازت نہ ہو، دتاکہ واقعات کو صحیح نوعیت میں سامنے رکھ کر فیصلہ کر سکیں۔ اب تحقیق و تنقید کا ایک موضوع یہ ہے کہ حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شہادتیں پیش کی گئیں ان کی حیثیت کیا تھی، شہادت دینے والے کون تھے۔ اور شراب نوشی کے سلسلہ میں جو روایتیں وارد ہیں وہ صحیح ہیں یا ازروئے درایت موضوعات قرار پاتی ہیں۔ حضرت ولید بن عقبہ کی صفائی پیش کرنے کے لئے ان تمام سوالات کا حل کرنا ضروری ہے۔ مگر ہماری بحث کا موضوع حضرت ولید بن عقبہ نہیں ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

مذکورہ بالا واقعات نے واضح کر دیا کہ ولید بن عقبہ خواہ کیسے بھی ہوں ان کا نام لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ نہ حضرت ولید کے سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

غور فرمائیے نظام حکومت میں ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے داخل نہیں کیا بلکہ جیسے ہی یہ مسلمان ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذمہ داری سپرد فرمادی تھی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو نہیں بڑھایا بلکہ خود آگے بڑھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دست راست رہے۔ غزوات میں شرکت کی۔ اور قابل صد ستائش ہے کہ باغی علاقوں کو مطیع بنایا۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تو حضرت ولید کا طرز عمل یہ تھا کہ اس درجہ ہر دل عزیز ہو گئے کہ ان سے پہلے اس کی مثال نہیں تھی۔ پھر جیسے ہی شراب نوشی کے مقدمہ میں ان کے خلاف فیصلہ ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا۔

ہر ایک انصاف پسند کو فیصلہ کرنا چاہیئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کونسا فعل قابل اعتراض ہے اگر حضرت عثمان رض اپنے رشتہ داروں کی رعایت کرتے تھے تو رعایت کا وقت اب آیا تھا کہ حضرت ولید کو کوئی اور منصب عطا کر دیتے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی منصب نہیں دیا۔ اور حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی شرافت و غیرت سلامتیٔ طبع تھی کہ آپ اس الزام کے بعد سیاست ہی سے الگ ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں مقابلہ ہوا تو حضرت ولید بن عقبہ جو اموی رشتہ کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو سکتے تھے ابن سعد کی شہادت یہ ہے کہ وہ کسی کے بھی ساتھ نہیں ہوئے (طبقات ابن سعد ص۱۵ ج۶)

بغور العجبی یہ تمام قضیہ جس کی انتہا حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے معزول کر دیے پر ہوئی ۳۰ھ ختم ہو چکا ہے اس وقت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی شورش بپا نہیں ہوئی مگر علامہ مودودی جیسے محققین کی دیانت داری یہ ہے کہ وہ تقرر ولیدؓ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برخلاف شورش کے اسباب میں پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قصور وار کا جرم ثابت نہیں کرتے بلکہ جرم کو بے قصور کے سر تھوپتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔

ولید بن عقبہ کے بعد حضرت سعید بن العاصؓ کوفہ کے گورنر مقرر کئے گئے۔ اشتر ابو حنہ غفاری، جندب بن عبد اللہ اور صعب بن جثامہ جو ولید کی شکایتیں لیکر اس کے خلاف شہادت دینے گئے تھے، جب ان کی مراد پوری ہوگئی اور حضرت ولیدؓ معزول کر دے گئے، تو نئے گورنر کی رفاقت انہوں نے مدینہ ہی سے اختیار کرلی۔ نئے امیر کے ساتھ وہ کوفہ پہنچ گئے۔ مگر عام لوگ اس تبدیلی سے خوش نہیں تھے اور نئے گورنر نے جو تقریر خطبۂ جمعہ کے موقع پر کی اس سے بھی خوش نہیں ہوئے۔

(طبری ص۶۳ وص۹۸ جلد ۵)

یہ سعید بن العاصؓ کون تھے۔ یہ باریک نکتہ تو مودودی صاحب نے اپنی فہ بالتہ غور وملو سے معلوم کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی قرابت تھی۔ لیکن مودودی صاحب کے مستند ترین مورخ اسلام ابن جریر طبری نے ان کا تعارف یہ کرایا ہے کہ کوفہ میں کمانڈر تھے انہوں نے جنگ طبرستان میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ نوجوان صحابہ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص حضرت عبد اللہ بن زبیر وغیرہ ان کے ساتھ ان کی زیر کمان تھے۔ معرکہ اتنا سخت ہوا کہ صلوٰۃ الخوف پڑھنی پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرمائی۔

(تاریخ طبری ص۵ جلد ۵

اب اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی قرابت بھی نکل آئی تو اس کی مثال وہی ہے۔ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ کو جو حضرت فاروق اعظمؓ کے ماموں تھے ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ بہرحال حضرت سعید نے کوفہ پہنچ کر اہل کوفہ کی دلجوئی اور مدارات کی پوری کوشش کی

روزانہ مجلس بھی ہوتی۔ اس میں اہل کوفہ آتے اور بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ کچھ لوگ جو پہلے بڑے نہیں تھے اب بڑا بننا چاہتے تھے۔ مجلس میں نمایاں رہتے۔ مورخین نے ان کے نام بھی شمار کرائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے (ابن خلدون صلا جلد ۲، البدایہ والنہایہ صلا جلد ۷) ان کی بڑائی کی ایک بات یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کے حسب نسب پر اور کبھی دوسرے قبائل پر تبصرہ بھی کرتے۔ یہ تبصرے سخت بھی ہوتے تھے پھر آپس میں بحث ہونے لگتی۔ جو سخت کلامی تک پہنچ جاتی۔ انتہا یہ کہ بقول ابن خلدون ——— یخرجون منها الی المشاقة والمقاتلة (صلا جلد ۲) (سخت کلامی سے بڑھ کر گالی گلوج ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ جاتی)

ایک روز سواد عراق کے متعلق کچھ بات ہو رہی تھی۔ حضرت سعید بن العاص کی زبان سے نکلا

انما هذا السواد بستان القریش (یہ علاقہ تو قریش کا باغ ہے)

حضرت سعید کی زبان سے اس فقرہ کا نکلنا تھا کہ مالک اشتر بے قابو ہو گیا۔ اور بڑے غصہ سے چلا کر کہا جس علاقہ کو اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے زور سے فتح کرایا ہے۔ تم اس کو اپنی قوم کا بستان خیال کرتے ہو۔ اب سعید تو خاموش ہو گئے مگر آپس میں بحث چل گئی اور شور مچ گیا تب حضرت سعید کے پیشکار (صاحب شرطہ) عبدالرحمٰن اسدی نے انکو ڈانٹا۔ اب یہ عبدالرحمٰن کو لپٹ گئے۔ اور اسکو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت سعید نے رات کی یہ مجلس موقوف کر کے دربان مقرر کر دیئے کہ لوگوں کو آنے سے باز رکھیں۔ رات کی مجلس برخواست ہونے کا لوگوں کو بہت ملال ہوا۔ مگر ان لیڈران قوم کے تبصرے اب بھی بند نہیں ہوئے۔ پہلے خاص مجلس میں ہوا کرتے تھے۔ اب جگہ جگہ ہونے لگے۔ اور ان میں حضرت عثمان کو بھی داخل کر لیا گیا جب یہ تبصرے ہونے تو اور بھی آدمی جمع ہو جاتے تھے۔

رفتہ رفتہ یہ سلسلہ طویل ہوا۔ اور فتنہ بڑھنے لگا۔ تو سعید بن العاص نے یہ تمام روئیداد لکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجدی۔ وہاں سے جواب آیا کہ ان لوگوں کو حضرت معاویہ کے پاس شام بھیجدو۔ یعنی نہایت ہی مہذب اور غیر محسوس طرح پر انکو کوفہ سے شہر بدر کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں نظر بند کر دیا۔

یہ شام پہنچے تو باوجود یہ کہ نظر بند اور معتوب کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بڑی مدارات کی۔ ان کے قیام کا خاص طور سے انتظام کیا۔ کھانا اور ناشتہ بھی ان کے ساتھ کرتے۔ اور ہر ایک کا وظیفہ (روزینہ) بھی مقرر کر دیا۔ چند روز کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو سمجھایا۔ قریش کی کچھ خصوصیات بیان کیں۔ اور فرمایا کہ خلیفہ اور امام کی ذات ایک ڈھال ہے۔ اس کی حفاظت میں آپ آگے بھی بڑھ سکتے ہیں۔ اور دشمن کا مقابلہ بھی کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ مسلمانوں کے اس نظام کو درہم برہم نہ ہونے دیں۔ (طبری نے گفتگو کی پوری تفصیل دی ہے) (صہ ۸۶ اور صہ ۸۷ جلد ۵) اور ابن خلدون نے اسکا خلاصہ نقل کیا ہے۔ (صہ ۱۴۶ جلد ۲)

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدارات اور دلجوئی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس معقول گفتگو کا نہایت نامعقول جواب دیا۔ صعصعہ بن صوحان نے (جوان کا خطیب (اسپیکر) تھا) کہا قریش اسلام سے پہلے بھی ہم سے بڑھے ہوئے نہیں تھے۔ نہ ان کی تعداد زیادہ تھی۔ اور نہ طاقت، باقی یہ کہ خلیفہ ڈھال ہوتا ہے تو ڈھال اسی وقت تک ہے جب تک اسکو توڑا نہ جائے۔

اسی طرح کی باتیں اور لوگوں نے کیں جس سے نہ صرف ان کی طبیعتوں کا بلکہ ان کے جذبات اور ارادوں کا بھی اندازہ ہو گیا۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہ لوگ راہِ راست پر آنے والے نظر نہیں آتے لیست لھم عقول ولا ادیان ابطرھم العدل۔ انما ھمھم الفتنۃ واموال اھل الذمۃ (ابن خلدون صہ ۱۴۱ جلد ۲) عقل و دانش سے یہ لوگ محروم ہیں۔ دین سے بھی انکو کوئی سروکار نہیں۔ عدل اور مساوات کے رویہ نے ان کا مزاج بگاڑ دیا ہے۔ اور انکو خودسر بنا دیا ہے۔ فتنے برپا کرنا اور ذمیوں (غیر مسلم باشندگانِ وطن) کے مال ہڑپ کر لینا ان کا مقصد ہے (الکامل ابن اثیر جلد ۳ صہ ۱۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ انکو "حمص" بھیجدو۔ جہاں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خلف رشید حضرت عبدالرحمٰن بن خالد، حکمران ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیل کی۔ یہ "حمص" پہنچے۔ تو والیٔ حمص حضرت عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کا رنگ دوسرا تھا۔ انہوں نے پہلے ہی گفتگو میں

ان کی سخت گرفت کی۔ پھر انکو تنبیہ کرتے ہوئے کہا: حسبوا اللہ عبد الرحمن ان لم یود بکم یا معشر

لا ادری اعرب ھم ام عجم۔ (ابن خلدون صـ۱۴۱ ج ۲)

تم لوگ، تمہارا یہ بھی پتہ نہیں کہ عرب ہو یا عجمی ہو۔ خدا برباد کر دے عبد الرحمٰن کو (یعنی مجھکو)

اگر میں تمہیں ٹھیک نہ کر دوں۔

عبد الرحمٰن بن خالدؓ نے زبانی تنبیہ بھی کی اور برتاؤ بھی سخت رکھا، تو چند روز میں یہ درست ہوگئے۔ اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ حضرت عبد الرحمٰن نے بارگاہِ خلافت میں اس کی رپورٹ بھیجی۔ وہاں سے اجازت آگئی کہ یہ لوگ کوفہ جانا چاہیں تو جانے دو۔

قریشیت کے خلاف جو زہر پھیلایا جا رہا تھا اور عربی اور عجمی کے نام پر جو ذہنیت پیدا کی جا رہی تھی اس نے نہ صرف قریش کی سیادت و قیادت کے لیے خطرات پیدا کر دئے تھے۔ بلکہ ان کی عرفی حیثیت اور ان کی ان جائدادوں کے متعلق بھی خطرہ پیدا کر دیا تھا جو کوفہ کے آس پاس عراق میں تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خطرہ کو محسوس فرما کر ایک خطبہ میں اہل حجاز کو ہدایت کی کہ عراق میں جتنی جائدادیں ہیں انکو فروخت کر دو یا ان کا تبادلہ کر لو۔ اہل عراق کی ان جائد[اد]وں سے جو حجاز میں ہیں۔ کیونکہ وہاں (عراق میں) فتنوں کا سیلاب آ رہا ہے۔ (طبری صـ۶۴ جلد ۵، کامل ابن اثیر صـ۴۱ جلد ۳، ابن خلدون وغیرہ)

اخراج کے بعد ان لیڈروں کو اگرچہ کوفہ سے نکال دیا گیا تھا مگر درحقیقت ان لوگوں کی یہ حرکتیں ایک منظم تحریک کے ماتحت تھیں (جس کی تفصیل انشاءاللہ آئندہ کریں گے) اسی طرح کی شکایتیں ماتحت علاقوں سے حضرت سعید والی کوفہ تک پہونچیں تو آپ نے اپنے معتمد ارکان کو جو کوفہ میں رہتے تو فضا درست کر سکتے تھے ان علاقوں میں بھیج دیا۔ (ابن جریر طبری نے اُن کے نام بھی تحریر کیے ہیں صـ۹۲ ج ۵) اب تحریک کے فتنہ پرور کارکنوں کو آزادی مل گئی۔ کیونکہ جو ان کو جواب دے سکتے تھے وہ ماتحت علاقوں میں پہونچے ہوئے تھے۔ اور جیسا کہ آئندہ وجہ بیان کی جائیگی اسی دوران میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں جملہ صوبوں کے گورنروں کی کانفرنس طلب کر لی۔ حضرت سعید بن العاص اس میں شرکت کے لیے مدینہ طیبہ گئے۔ عمرو بن حریث کو اپنا قائم مقام بنا گئے۔ اس وقت ان فتنہ پردازوں کی جرأت اور بڑھ گئی یہاں تک کہ

انہیں کا ایک سرغنہ یزید بن قیس کوفہ والوں کی ایک پارٹی لے کر اس ارادہ سے نکلا کہ مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کریں۔ لیکن قعقاع بن عمرو جو والی کوفہ یعنی حضرت سعید کی طرف سے فوجوں کے افسر اعلیٰ تھے انہوں نے یزید کا تعاقب کیا۔ اور یزید کو گرفتار کر لیا یزید نے قعقاع بن عمرو کی منت سماجت کی کہ ہم تو صرف گورنر سعید کا تبادلہ چاہتے ہیں۔ قعقاع نے ان کو چھوڑ دیا۔

یہ وہی وقت ہے کہ مالک الاشتر وغیرہ (جو حمص میں تھے) حضرت عبدالرحمٰن بن خالد نے اجازت دی تھی کہ وہ اگر چاہیں تو کوفہ جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اشتر اپنی پارٹی کے ساتھ کوفہ پہنچ گیا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ کوفہ کے فتنہ انگیزوں نے اس کو خط بھی لکھا تھا۔ (ابن خلدون ص۱۴۲ جلد ۲)

مالک الاشتر نے یہ فضا دیکھی تو جو عہد و پیمان عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ سے کیا تھا سب بالائے طاق رکھ دیا اور فتنہ پردازوں کی قیادت شروع کر دی۔ جمعہ کے روز حضرت سعید کے خلاف ایک شوشہ چھوڑا نماز سے پہلے ہی جامع مسجد کے دروازہ پر تقریر کی۔ کہ میں مدینہ ہو کر آ رہا ہوں۔ وہاں سعید اس لیے گئے ہوئے ہیں کہ عورتوں کے وظیفہ میں سو درہم کی کمی کرا دیں۔ اور مردوں کے وظائف کی آخری حد دو ہزار کر دیں۔ اس وقت جن کے وظائف دو ہزار سے زیادہ ہیں۔ ان کے دو ہزار کرا دیں۔ اور یہ کہ قریش بڑھ بڑھ کر کہہ رہے ہیں کہ سواد عراق ہمارا بستان ہے۔ پھر جیسے ہی جمعہ کی نماز ختم ہوئی اعلان کر دیا کہ یزید بن قیس مدینہ کی طرف اس لیے جا رہے ہیں کہ سعید بن العاص کو یہاں نہ آنے دیں۔ اور ان کو راستہ ہی سے واپس کر دیں۔ جو یزید کے ساتھ جانا چاہتا ہے وہ آ جائے۔ چنانچہ فخرجوا۔ وذو الرای یعذ لونھم فلا یسمعوا فاقام اشراف الناس وعقلاء ھم مع عمرو بن الحریث (عام لوگ) نکل پڑے اور اصحاب الرائے (سمجھ دار حضرات) ان کو ملامت کر رہے تھے۔ مگر یہ (جانے والے) کچھ نہیں سنتے تھے۔ معزز عمائدین اور سمجھ دار حضرات عمرو بن الحریث کے ساتھ رہے۔

بہرحال یزید کے ساتھ لوگوں کی ایک بھیڑ روانہ ہوئی قادسیہ کے قریب جرعہ مقام پر اپنا ڈیرا ڈالا اور حضرت سعید مدینہ سے واپس ہو کر یہاں پہنچے تو ان کا راستہ روک لیا۔ کہ سعید واپس جاؤ ہمیں آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ سعید کے ایک غلام نے کہہ دیا، سعید واپس نہیں ہو سکتے۔ تو مالک الاشتر نے اس کو قتل کر دیا۔ (ابن خلدون ص۱۴۲ جلد ۲ الاثیر ص۵۷ جلد ۳)۔

حضرت سعید نے یہ حالت دیکھی تو وُہ مدینہ واپس ہو گئے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سارا ماجرا سنا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی خواہش پوری کی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا،

میں نے تمہارے مطالبہ کو مانتے ہوئے سعید کو معزول کر کے ابوموسیٰ کو ان کی جگہ مقرر کر دیا ہے۔ بخدا میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا۔ تمہارے مقابلہ میں صبر و استقلال سے کام لوں گا۔ اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔
(ابن اثیر ص ۴۷ جلد ۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا۔ واللہ لا نجعل لاحد عذرا ولا نترك لهم حجه ولنصبرن كما امرنا حتى يبلغ ما يريدون۔ بخدا کسی کے لئے کسی عذر کی گنجائش ہم باقی نہیں رکھیں گے۔ نہ کسی کے لئے حجت کا موقع چھوڑیں گے۔ اور جیسا کہ ہمیں حکم کیا گیا ہے ہم ضرور صبر کریں گے۔ یہاں تک کہ ہم ان کی مراد کی گہرائی کو پہنچ جائیں

یہ ۳۴ھ کا واقعہ ہے حضرت سعید بن العاص معزول کئے گئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ان کی جگہ گورنر مقرر کئے گئے۔

یہ تمام واقعات طبری، ابن اثیر۔ اور ابن خلدون یعنی بقول علامہ مودودی تاریخ اسلام کے مستند ترین مورخین نے بیان فرمائے ہیں۔ ہم نے صرف اتنا تصرف کیا ہے کہ عربی زبان کے بجائے اردو میں ان کا مفہوم بلاکم و کاست بیان کر دیا ہے۔

اس تمام سلسلۂ واقعات میں مودودی صاحب کو صرف ایک بات نظر آئی کہ حضرت سعید بن العاص، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے، لیکن کیا اس تمام ہنگامہ میں جو حضرت سعید کے خلاف ہوا کسی موقع پر بھی کسی نے رشتہ کا تذکرہ کیا۔

حضرت سعیدؓ کا تقرر خود ان کی موجودگی میں ہوا جو ولیدؓ کے خلاف شکایت لے کر آئے تھے۔ کسی نے اس تقرر پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ بڑی خوشی سے ان کو لے کر کوفہ پہنچے۔ پھر حضرت سعیدؓ کے حاشیہ نشین رہے ان کی مجلس میں آگے بڑھ کر بیٹھتے۔ اختلاف اس پر ہوا کہ حضرت سعید نے کہہ دیا کہ یہ علاقہ (سواد عراق) قریش کا بستان ہے (بنوامیہ کا نہیں کہا تھا۔ قریش کا کہا تھا)

اسی اختلاف نے شدت اختیار کی۔ اور قریش کے خلاف پروپیگنڈہ شروع ہوگیا۔ اور ایسی صورت حال پیدا ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان جائدادوں کے متعلق خطرہ ہوا جو قریش کی اس علاقہ میں تھیں۔ آپ نے مدینہ میں اہل الرائے حضرات کو جمع کر کے صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور یہ نصیحت فرمائی کہ اپنی جائدایں جو عراق میں ہیں فروخت کر دیں۔ یا تبادلہ کرلیں۔

قریش کی مخالفت کے فتنہ نے شدت اختیار کی۔ تو حضرت سعید بن العاص رض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے بموجب کوفہ سے ان فتنہ پرواز لیڈروں کو جلا وطن کر کے شام بھیجدیا۔ یہ حضرت سعید کا جرم تھا۔ جس نے ان شورہ پشتوں کو حضرت سعید کے خلاف ہنگامہ کا موقعہ دے دیا۔ رشتہ کا کوئی ذکر اب بھی کسی کی زبان پر نہیں آیا۔ جو ہنگامہ تھا وہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا کہ انہوں نے ان کے لیڈروں کو کوفہ سے نکال کر شام بھیج دیا تھا۔

اب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام بدستور تھا۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب کا ایک فقرہ ملاحظہ فرمائیے۔

ان کی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی) خلافت میں بحیثیت مجموعی خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا کہ ان کی پالیسی کے اس خاص پہلو سے غیر مطمئن ہونے کے باوجود عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کے لیے تیار نہیں تھے ایک مرتبہ بصرہ میں ان کے گورنر سعید بن العاص کے طرز عمل سے ناراض ہوکر کچھ لوگوں نے بغاوت برپا کرنے کی کوشش کی بھی تو عوام نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور جب حضرت عثمان رض کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رض نے لوگوں کو بیعت کی تجدید کے لیے پکارا تو لوگ بغاوت کے علمبرداروں کو چھوڑ کر بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷)

اس فقرہ میں پالیسی کا خاص پہلو اور اس سے بے اطمینانی تو شیعہ ذہنیت کی تقلید اور نقالی میں مودودی صاحب کے ذہن کی کارفرائی ہے۔ جس کو افتراء اور اختراع ہی کہا جا سکتا ہے۔ اگر یہ پہلو لوگوں کے سامنے تھا تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ جو بقول مودودی صاحب حضرت عثمان رض کے عزیز تھے (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۶) سے ناراض ہولے

اور حضرت عثمانؓ سے راضی اور ان کی وفادار رہنے کے کوئی معنی نہیں۔ اور اگر بالفرض رشتہ داری وجہ شکایت تھی تو جب حضرت سعیدؓ کو معزول کر دیا گیا تھا۔ تو شکایت کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ علاوہ ازیں رشتہ داری تو معزولی کے بعد بھی باقی رہ گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر ایسے ہی خویش نواز اور قرابت پرور تھے تو وہ حضرت سعید کو کسی اور منصب پر فائز کر سکتے تھے۔

بہر حال مودودی صاحب کو اعتراف ہے کہ حضرت سعیدؓ کی معزولی اور حضرت ابوموسیٰ کے تقرر تک لوگ بدستور حضرت خلیفہ سوئم کے یہاں تک وفادار تھے کہ ان کے خلاف بغاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن جیسا کہ حضرات مورخین کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ قریشیت کا سوال پوری شدت اور قوت سے سامنے آچکا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خویش پروری کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی قریشیت کی بنا پر یہاں تک یہ لوگ ان سے ناراض ہو چکے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے رو در رو کہدیا تھا کہ "اس ڈھال کو جو خلیفہ اور امام کے وجود کی شکل میں لوگوں کے لیے آڑ ہوا کرتی ہے اس کو توڑا بھی جا سکتا ہے" (دیکھو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور صعصعہ بن صوحان کی گفتگو جو پہلے گذر چکی ہے)۔

کوفہ کے حالات کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں۔ البتہ ختم کرنے سے پہلے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا کچھ تعارف بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فرد جرم میں ان کا بھی نام لیا جاتا ہے

سعید بن العاص کون تھے؟

مودودی صاحب کی خوردبین بہت ہی تیز ہے کہ جو چیز کسی اور کو نظر نہیں آتی وہ ان کا مطمح نظر اور موضوع کلام بن جاتی ہے۔ اور آپ کو اس پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات جن کو چشم کور بھی محسوس کر سکتی ہے، مودودی صاحب کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ (حبك الشئ يعمى ويصم۔)

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مودودی صاحب عربی نہیں جانتے اور کتب تاریخ پڑھ نہیں سکتے البتہ یہ واقعہ ہے کہ مودودی صاحب صرف وہی پڑھتے ہیں جو ان کے منصوبہ کے مناسب ہوتا ہے۔ اور اسی پر تمام تحریر اور تقریر کی بنیاد قائم کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب کو حضرت سعیدؓ کے متعلق صرف یہ نظر آیا۔ "اپنے عزیز" — ص: ۱۰۷

سعید بن العاص اور عبداللہ بن عامر چھوٹے چھوٹے عہدوں پر رہے تھے " صفحہ ۳۲۴

لیکن مودودی صاحب کے مستند ترین امام تاریخ ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جنگ طبرستان میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ نوجوان صحابہ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص جیسے جلیل القدر حضرات ان کے ساتھ ان کے زیر کمان تھے۔

معرکہ اتنا سخت ہوا کہ صلوٰۃ الخوف پڑھنی پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان فتح عطا فرما دی۔ (تاریخ طبری صفحہ ۵۷ جلد ۵)

یہ بھی طبری ہی کا بیان ہے کہ ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ پروان چڑھایا تھا۔ ان کے باپ غزوۂ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔ ایک روز حضرت عمر فاروق کو اپنے دورِ خلافت میں قریش کے خاندانوں کا خیال آیا۔ تو دریافت کیا کہ عاص بن سعید کے بچے کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان تینوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لے گئے تھے انہیں کے پاس ہیں۔ مگر بہت پریشان حال ہیں۔ اور سعید تو بیمار بھی ہیں۔ ان کی زندگی کی بھی امید نہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو شام سے بلوایا۔ مدینہ کی طرف چلے تو خدا نے کیا ان کا مرض بھی جاتا رہا جب مدینہ پہنچے تو تندرست تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پاس رکھا۔ ان کا نکاح کرا دیا۔ پھر لم یمت عمر حتی کان سعید من رجال الناس۔ سعید ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے۔ (پروان چڑھ گئے) تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (طبری صفحہ ۶۳ جلد ۵)

ذیل کے واقعہ سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شفقت اور دلداری اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز ذہانت اور حاضر جوابی کا اندازہ ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا غزوۂ بدر میں جو مشرک مارے گئے اگرچہ ان کے متعلق کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے مگر اتنی بات ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگرچہ غزوۂ بدر میں میں نے عاص کو قتل کیا تھا مگر وہ تمہارے باپ عاص بن سعید نہیں تھے بلکہ میرے ماموں عاص بن ہشام تھے اُن کو میں نے قتل کیا تھا۔ (تمہارے باپ کو میں نے قتل نہیں کیا)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا لو قتلتہ لکنت علی الحق۔ اگر آپ نے قتل کیا ہوتا تب

بھی آپ پر الزام نہیں کیونکہ یہ حق و باطل کی جنگ تھی۔ آپ حق کے لیے لڑ رہے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے قریش کو خاص ذہانت عطا فرمائی ہے۔ (الاستیعاب: ص۵۵۵)

حافظ ابن عبد البر بھی وہ ہیں جن کو مودودی صاحب اسلام کا مستند ترین مؤرخ قرار دیتے ہیں (ص۳۱۴ خلافت و ملوکیت)

حافظ صاحب کے الفاظ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ہیں۔ احد اشراف قریش ممن جمع السخاء والفصاحة واحد الذین کتبوا المصحف لعثمانؓ۔ قریش کے عمائدین میں سے وہ صاحبِ کمال کہ خدا نے ان کو جذبۂ سخاوت بھی عطا فرمایا تھا اور فصاحت و بلاغت (خطابت) میں بھی کمال رکھتے تھے۔ جن حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قرآن شریف کی نقلیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ (الاستیعاب، ص: ۵۵۵)

اب اس کے بعد پاک نفسی اور سلامتیٔ طبع بھی ملاحظہ ہو۔ کہ معزول ہونے کے بعد کسی جھگڑے میں نہیں پڑے۔ اپنے مکان پر رہے۔ جمل اور صفین کی لڑائیاں ہوئیں مگر یہ کسی میں شریک نہیں ہوئے۔ البتہ جب تمام قصے ختم ہو گئے اور حضرت معاویہؓ کی امامت پر سب کا اتفاق ہو گیا تب مدینہ کی گورنری منظور کی۔ (ایضاً، ص:۵۵۵)

عجیب بات یہ ہے کہ مستند ترین مؤرخین نے جو باتیں فرمائیں حضرتِ مودودی صاحب کو ان میں سے کسی کی خبر نہیں۔ صرف وہ بات یاد ہے جو کسی مؤرخ نے تحریر نہیں کی۔ کہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے۔

اگر مودودی صاحب کو توفیق ہوتی اور وہ حضراتِ صحابہؓ کی عیب جوئی کے بجائے انصاف سے کام لیتے۔ تو عزیزداری کے طعن کو قطعاً غلط اور بے محل سمجھتے۔ کیونکہ کوئی بھی قریشی ایسا نہیں تھا جس کا کوئی رشتہ دوسرے قریشی سے نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جب قریش میں نکاح بیاہ آپس میں ہوتے تھے اور صرف ایک نہیں بلکہ چار چار اور اسلام سے پہلے اس سے بھی زیادہ نکاح کر لیا کرتے تھے تو قریش کا کوئی شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کا کسی دوسرے سے رشتہ نہ ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ قریش کے ہر ایک بطن اور خاندان سے رشتہ داری تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر قل لا اسئلکم علیہ من اجرا الا المودة فی القربیٰ۔ حضراتِ مورخین محض تعارف کے لیے رشتہ بیان کر دیتے ہیں۔ مودودی صاحب کی مسموم ذہنیت اس تعارف کو طعن بنا دیتی ہے۔ (معاذ اللہ) =

قبائلیت کی چنگاری

مفصلہ بالا واقعات پر دوبارہ نظر ڈال لیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ قبائلیت کی چنگاری کہاں سُلگی اور اس کو کس نے سلگایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو تقررات کیے ان سے سُلگی یا ان شورہ پشتوں نے اس چنگاری کو سُلگایا جو حضرت سعیدؓ کے اس فقرہ پر برافروختہ ہو گئے تھے کہ سواد عراق بستانِ قریش ہے۔

باشندگان کوفہ کون تھے؟

مجاہدین اسلام جو سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زیرِقیادت قادسیہ اور جلولاء کے عظیم معرکوں میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ پھر مملکتِ فارس کا پایۂ تخت مدائن بھی فتح کر چکے تھے۔ وہ مدائن کو فوجی مرکز بنا سکتے تھے، مگر اس علاقہ کی آب و ہوا ان کے موافق نہیں تھی تو یہ سرزمین منتخب کی گئی جہاں کوفہ آباد کیا گیا۔

حافظ عمادالدین ابن کثیر کی تحقیق یہ ہے کہ ۱۷ھ کے محرم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مدائن سے کوفہ منتقل ہوئے، لہٰذا اس کے پہلے آبادکار وہ تھے جو جنگِ قادسیہ میں شریک تھے۔

۱۔ ان میں حضرات صحابہؓ تقریباً پونے سات سو تھے، حضرات اہل بدر ستر سے چند زائد فتحِ مکہ سے پہلے کے حضرات صحابہؓ جن میں وہ بھی تھے جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے تقریباً ۳۱۲ فتح مکہ کے وقت کے حضرات تین سو۔ حضرات صحابہؓ کے ابناء اور فرزندان سات سو (طبری ص۹۰ ج۴) ان حضرات کا تعلق اگرچہ مختلف قبائل سے تھا، مگر شرفِ صحابیت قبائلی تعلق پر غالب آچکا تھا اور اب صرف یہی نسبت اور صرف ایک ہی تعلق نمایاں تھا کہ بارگاہِ رسالت کے فیض یافتہ ہیں صحابی ہیں یا کسی صحابی کے فرزند ہیں۔

۲۔ حضرات صحابہؓ کے علاوہ جو دوسرے عرب شریک ہوئے تھے وہ قبائلی نسبت لیے ہوئے تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

لاضربن ملوک العجم بملوک العرب (طبری ص۸ ج۴) میں ملوک عرب کے ذریعہ ملوک عجم پر ضرب لگاؤں گا۔

عرب میں ملوک نہیں تھے؛ البتہ بڑے بڑے قبائل کے شیوخ ملوک کی شان رکھتے تھے۔ بنو بکر بن وائل، عبدالقیس، ربیعہ، اسد، کندہ، تمیم، قضاعہ وغیرہ قبائل جو ہمیشہ اپنی عظمت اور اپنی شجاعت پر ناز کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو دعوت جہاد دی۔

یہ قبائل من حیث القبیلہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے معاشری لوازم یعنی شعراء اور خطباء بھی تھے (طبری صفحہ ۲۴۸۶ ج ۴)، مورخین نے ہر ایک قبیلہ کی تعداد ان کے گروپ اور ان کے سرداروں کے نام بھی لکھے ہیں۔

تاریخ کی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ان قبائل نے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کیں اور عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ پھر یہی قبائل تھے جو اپنی قبائلی خصوصیات کے ساتھ کوفہ میں آباد ہوئے (ابن خلدون صفحہ ۳۱۹ ج ۲) بارہ ہزار اہلِ یمن کے لیے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا۔ قبیلہ نزار کے افراد آٹھ ہزار تھے۔ ان کو ایک خطہ دے دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ (فتوح البلدان صفحہ ۲۵۵)

۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فوج کی تعداد اگرچہ تینتیس ۳۳ ہزار کے قریب تھی (طبری ج ۴ صفحہ ۸) لیکن جب کوفہ کو اس علاقہ کے مرکز کی حیثیت دے دی گئی تو فوج کی تعداد چالیس ہزار کر دی گئی۔ ہر سال دس ہزار جوان اس علاقہ کے مختلف محاذوں پر کام کرتے اور تیس ہزار محفوظ رہتے تھے۔ اس طرح ہر ایک فوجی تین سال تک محفوظ رہتا اور چوتھے سال اس کا نمبر آتا تھا (طبری صفحہ ۴۸ ج ۵)

۴۔ جنگِ قادسیہ میں ایرانی سپہ سالار (رستم) کے ساتھ منتخب جوانوں کی ایک خاص فوج تھی، جو "جند شاہنشاہ" شاہی فوج کہلاتی تھی۔ اس کے نوجوان اگرچہ ایرانیوں کے ہم اصل یا ہم مذہب (مجوسی) نہیں تھے، لیکن اپنے جنگی کارناموں کے باعث ان کی یہ فوج خاص اہمیت رکھتی تھی۔ جنگِ قادسیہ میں اہلِ ایران کو شکست ہوئی تو ان کو اپنے مستقبل کی فکر ہوئی۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ باعزت معاہدہ کو حال اور مستقبل کے لیے مفید سمجھا؛ چنانچہ صرف دو شرطوں کے ساتھ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے امن کی درخواست کی۔ اوّل یہ کہ وہ آزاد ہوں کہ جس مقام کو چاہیں اپنے قیام کے لیے منتخب کر لیں۔ دوم یہ کہ جس قبیلہ سے مناسب سمجھیں عقدِ موالات (یعنی باہمی تعاون وتناصر تا حین حیات اور مرنے جینے کے ساتھی رہنے،

کا معاہدہ کرلیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نہ صرف یہ شرطیں منظور فرمالیں، بلکہ ان کے وظائف بھی مقرر کردیے۔

اس جند شاہنشاہ نے فتح مدائن اور جنگِ جلولاء وغیرہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ پھر یہ لوگ کوفہ میں آ کر آباد ہوگئے۔ (فتوح البلدان صہ ۲۸۹)

۵۔ بصرہ کے قریب ایک قوم آباد تھی، اس کو اساودہ کہا جاتا تھا۔ یہ بھی وہاں سے منتقل ہوئے اور اپنے ڈیرے کوفہ میں ڈال دیے۔ (فتوح البلدان صہ ۲۸۹ بلاذری)

عجمی اقوام کو موالی کہا جاتا تھا، کیونکہ مولی آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں اور جس سے تعاون باہمی کا معاہدہ ہو جائے اس کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے نہ صرف وقتی امداد بلکہ جینے اور مرنے کا ساتھ ہوجاتا تھا۔ عجمی لوگ آزاد کردہ غلام بھی تھے اور بڑی کثرت سے وہ بھی تھے۔ جنہوں نے قبائل سے معاہدے کر رکھے تھے، اس لیے ان کو موالی کہاجاتا تھا۔

۶۔ پہلے گزر چکا ہے کہ جب صفر ۲۳ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا تو فرمایا تھا: کیف واھل الکوفۃ مأۃ والف۔ مطلب یہ ہے کہ ۲۳ھ میں کوفہ کی آبادی ایک لاکھ ہوگئی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ صہ ۱۲۶ ج ۷)

دورِ حاضر کے مستشرق ول ہوسن (WELL HOUSEN) کی تحقیق یہ ہے:

"باشندگانِ کوفہ میں نصف سے زائد موالی تھے۔ یہ مختلف پیشے کرتے تھے۔ دستکار بھی تھے، کاشت بھی کرتے تھے۔ زیادہ تر فارس کے رہنے والے تھے۔ نسل کے لحاظ سے بھی فارسی تھے اور ان کی زبان بھی فارسی ہی تھی۔ اسیرانِ جنگ کی حیثیت میں غلام بن کر آئے تھے۔ مسلمان ہوگئے تو ان کے مالکوں نے ان کو آزاد کردیا۔ یہ آزاد بے شک ہوگئے، مگر غریب الوطن تھے، اس لیے ان کو ضرورت رہی کہ وہ اپنے آزاد کرنے والوں کی حمایت حاصل کریں۔ بس وہ عرب کے حاشیہ نشین ہوگئے۔ یہ صلح اور جنگ میں عرب آقاؤں کے تابع رہا کرتے تھے (فجر الاسلام صہ ۱۱۵)

مزاج

سیدالانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں قبائل عرب انتظار کر رہے تھے کہ پلڑ کس کا بھاری رہتا ہے، قریش کا یا مسلمانوں کا۔ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور قریش حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو یہ قبائل اسلام کی طرف لپکے اور ارشادِ ربانی "یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" کے بموجب عرب کے تمام قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے، مگر داخلہ کی شکل یہ ہوتی تھی کہ قبیلہ اپنے شیخ کو یا اپنے چند نمائندوں کو بھیج دیتا۔ وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوتے، ضرورت سمجھتے تو سوالات کرکے اطمینان بھی حاصل کرتے۔ پھر کلمۂ توحید پڑھ کر نہ صرف اپنے بلکہ پورے قبیلہ کے اسلام کا اعلان کر دیتے تھے۔ اب مسلمان پورا قبیلہ ہو جاتا تھا، مگر بارگاہِ رسالت سے مستفید ہونے اور شرفِ صحابیت کے تاجدار بننے کا موقع صرف ایک شیخ قبیلہ کو یا چند نمائندوں کو حاصل ہوتا تھا۔ اہلِ قبیلہ جس طرح سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم تھے وہ عموماً ان ذہنی اور جذباتی تبدیلیوں سے بھی ناآشنا رہتے جو اسلامی تعلیمات اور شرفِ صحابیت کی خصوصیات تھیں، لیکن چند سال بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو "دعوتِ جہاد" دی اور انہیں قبائل نے قادسیہ اور جلولاء وغیرہ کی لڑائیوں میں بہادری اور سپہ گری کے جوہر دکھاتے ہوئے ان معرکوں میں شاندار کامیابی حاصل کی، تو اب ان کو ناز ہو گیا کہ سفینۂ اسلام کے ناخدا وہی ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں یہ قبائل قریش کی عظمت کے صرف اسی حد تک قائل تھے کہ وہ خانۂ کعبہ کے محافظ اور خادم ہیں، لیکن اب سیاست کی باگ ڈور قریش کے ہاتھ میں دیکھی تو بقول علامہ ابنِ خلدون زمانۂ جاہلیت کی رگیں پھڑکنے لگیں اور اب ان کو یہ بھی ناگوار ہوا کہ حضرات مہاجرین اور انصار (رضوان اللہ علیہم) کو یہ برتری کیوں حاصل ہے (ص ۱۳۵ ج ۲، ابن خلدون)

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جن کے آباد کردہ کوفہ میں یہ لوگ سکونت پذیر تھے، سب سے پہلے اسی محسن کے خلاف بے بنیاد الزامات کا طومار اسی ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ پھر انہیں لوگوں نے بصرہ میں سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ہدف بنایا۔ یہ قریشی نہیں تھے، مگر صحابیت کی بنا پر ان کا اعزاز بھی ان نوخیز قبائل کو ناگوار تھا۔

عربوں کے علاوہ بڑی تعداد موالی کی تھی۔ شاہی فوج کے چار ہزار جوانوں کے علاوہ ان میں زیادہ وہ تھے

جو جنگِ جلولاء میں گرفتار ہوئے تھے۔ یہ اپنے اپنے مقام پر صاحبِ حیثیت لوگ تھے۔ ان میں پڑھے لکھے صاحبِ فکر اور اصحاب الرائے بھی تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کی یہ صلاحیتیں اسلامی خدمات میں صرف ہوئیں، مگر اس دور میں ایسے صالح موالی کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ تر بلکہ عموماً وہی تھے جو اگرچہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، مگر ان کے دل اسی طرح شوخ تھے یا اگر گرفتار تھے تو ان جذبات و نظریات کی کمند میں جو سرزمینِ ایران میں ان کو نسلی وراثت کے طور پر ملے تھے۔

علامہ دینوری نے اپنی مشہور تصنیف (الاخبار الطوال) میں لکھا ہے کہ معرکۂ جلولاء میں اتنا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور اسی طرح بڑی کثرت سے دشمن کے فوجی بھی گرفتار ہوئے۔ ان کے ساتھ بہت سی عورتیں بھی تھیں، جن کا تعلق فارس کے بڑے بڑے گھرانوں سے تھا۔ (بنات احرار فارس)

جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے رپورٹ پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا: اللّٰھم انی اعوذ بک من اولاد سبایا الجلولیات (جنگِ جلولاء میں جو عورتیں گرفتار ... آئی ہیں میں ان کی اولاد سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں) چنانچہ ان جلولی عورتوں کی اولاد ہی تھی جو صفین میں معرکہ آرا ہوئی۔ (فجر الاسلام صد ۱۱۷)

بہر حال عربوں کے علاوہ موالی کا مزاج وہ تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے پناہ مانگی تھی۔

ماحول

خلیفۂ وقت یعنی پوری مملکت کا سربراہ یا کسی معمولی جماعت کا قائد و رہنما اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر لینا اس وقت تک درست نہیں جب تک ان حالات کا نقشہ سامنے نہ ہو، جن کی کش مکش میں اس کو کام کرنا پڑا۔

مودودی صاحب جیسا زیرک اور فرزانہ صاحبِ قلم ان حالات کو اسی صورت میں نظر انداز کر سکتا ہے جب کسی شخصیت کے متعلق یکطرفہ رائے قائم کرنی اور اس کو مجرم گرداننا مقصود ہو۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک میں جو غیر معمولی فتوحات حاصل ہوئیں، کیا کوئی صاحبِ عقل و فہم یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان کا کوئی ردِ عمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایران کی شاہنشاہیت جو چند سال پہلے تک

پوری دُنیا وریۂ ایشیا کی سب سے بڑی طاقت تھی اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے جاہ وجلال اور دبدبہ وسطوت میں لظیر نہیں رکھتی تھی، بلکہ ایک خاص تہذیب اور شاندار تاریخ کی مالک تھی۔ جس نے اس کے تاجپوشوں کو معبودوں کا درجہ دے رکھا تھا جس کے ماتحت بیشمار نواب اور راجا اور وہ مذہبی پیشوا تھے جو اپنی شان وشوکت میں بادشاہوں کا درجہ رکھتے تھے، جن کے غرور اور نخوت کا یہ عالم تھا کہ وہ عرب کے بڑے بڑے سرداروں کو بھی چرواہوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ انہیں چرواہوں کے ہاتھوں یہ شاہنشاہیت برباد ہوئی۔ اس کے نواب تباہ ہوئے، شاہزادے غلام اور شاہزادیاں باندیاں بنائی گئیں، مذہبی پیشواؤں کا نام ونشان مٹا۔ کیا اس کا کوئی ردِ عمل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیا ان مٹنے والوں کے وارثوں کے دل جذباتِ انتقام سے پاک ہو گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی گردنیں جھکی تھیں، مگر ان کے دلوں میں جذباتِ انتقام کے تنور دہک رہے تھے۔ وہ ان چرواہوں کے سامنے جھکنے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے (الا ماشاء اللہ)

اسی طرح وہ یہودی جو دشمنِ اسلام رہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جزیرۃ العرب کو ان کے بد سے پاک کرنے کے لیے ان کو خیبر سے بھی جلاوطن کر کے شام پہنچا دیا تھا۔ وہ جزیرۃ العرب سے نکلے تھے، مگر مملکتِ اسلام سے جلاوطن نہیں ہوئے تھے اور نہ ان کے دلوں کے وہ کانٹے نکلے تھے جو ان کی مذہبی خصوصیات میں داخل تھے۔

جب جزیرۃ العرب کو خالص اسلامی مرکز بنایا گیا تھا تو نجران وغیرہ سے عیسائیوں کو بھی نکالا گیا۔ عرب عیسائیوں کی ریاستیں جو اطرافِ شام میں تھیں جب اس علاقہ سے رومی حکومت کے اقتدار کا خاتمہ ہوا تو یہ عرب عیسائیوں کی ریاستیں بھی ختم ہوگئیں۔ ان کے خاتمہ کا اثر عام عربوں پر یہ تھا کہ صدیوں بعد تک افسانوں اور کہانیوں میں آلِ غسّان کے کارناموں کا ماتم کیا جاتا رہا۔

اس کے علاوہ عیسائیوں کی مرکزی حکومت اپنی شان وشوکت کے ساتھ قائم تھی اور اس سے ہیبت انگیز لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ نفاق کے پرانے مرکز جو کچھ مدینہ میں اور زیادہ تر ماحولِ مدینہ میں تھے (سورۃ توبہ آیت ۱۰۰) جو عہدِ رسالت کے آخر تک رہے، وہ اگر ختم ہوگئے تھے تو کیا عہدِ فاروقی کے شکست خوردہ طبقات کے لیے ناممکن ہوگیا تھا کہ وہ نفاق کے نئے اڈّے قائم کریں۔

یہ اسلامی معاشرے سے باہر کے اثرات تھے، خود اسلامی معاشرے میں وہ تبدیلی رونما ہو رہی تھی جس کی طرف کلام ربانی نے اسی وقت اشارہ کر دیا تھا جب اس مملکت کی عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، یعنی سورہ اقرا ہی میں انسان کی اس فطرت سے آگاہ کر دیا تھا۔

لِيَطْغَىٰ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ترجمہ یہ ہے: انسان سر چڑھتا ہے اس سے کہ دیکھے آپ کو محفوظ (صاحب نصیب، دولت مند)

یعنی انسان جب دیکھتا ہے کہ اقبال اس کا استقبال کر رہا ہے اور کامیابیاں اس کے ہم رکاب ہیں تو اس کے دماغ میں طغیانی آجاتی ہے۔ وہ بڑے سے بڑے اقتدار کو بھی چیلنج کرنے لگتا ہے کہ تمہیں اس مسند پر بیٹھنے کا حق نہیں ہے، تم ہٹ جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے کچھ پہلے جب برسرِ منبر امت کو یہ بشارت سنائی تھی —— ۔۔۔بت مفاتیح خزائن الارض (روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں، تو ساتھ ہی فرمایا تھا:

وانی واللہ ما اخاف ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا (بخاری شریف صہ ۹۵۱)	قسم بخدا مجھے یہ خطرہ نہیں کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، البتہ مجھے اسکا خطرہ ہے کہ تمہارے اندر منافست پیدا ہو جائیگی یعنی آگے بڑھنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے جذبات ابھر آئینگے

ایک صاحب نے سوال کیا:

أويأتي الخير بالشر — کیا خیر شر پیدا کر سکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور گہرے غور و فکر کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ خیال ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر پیشانی مبارک سے پسینہ پونچھتے ہوئے سائل کو جواب دیا۔

"خیر سے تو خیر ہی پیدا ہوتا ہے، لیکن اگر خیر کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے، تو لا محالہ شر رونما ہوتا ہے۔ آپ نے مثال دی کہ موسم بہار میں جب سبزہ پیدا ہوتا ہے، وہ خیر ہی خیر ہے، لیکن چرنے والے جانور کے لیے وہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب چرنے کے ساتھ ہضم بھی کرتا ہے، لیکن اگر ہضم کے بغیر چرتا ہی

چلا جاتے، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اپھارا (تخمہ) ہو جائے گا، جو اس کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ یا موت کے قریب پہنچا دے گا۔ (بخاری شریف صہ ۱۹۷، صہ ۳۹۸، صہ ۹۵۱ وغیرہ)

مفاتیح خزائن الارض (زمین کے خزانوں کی کنجیاں) جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بدولت امت کو عطا ہوئیں۔ وہ صرف اموالِ غنیمت یا صرف قیصر و کسریٰ کے خزانے نہیں تھے، ان کے متعلق تو پیشین گوئی یہ تھی کہ ان خزانوں کو راہِ خدا میں خرچ کرو گے۔ (بخاری شریف صہ ۵۱۱)

بلکہ مفاتیح خزائن الارض وہ تجارتی وسائل تھے جو مسلمانوں کو میسر آ گئے تھے۔

قریش کے تجارتی تعلقات دوسرے ممالک سے پہلے بھی تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ سرزمین عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، مگر یہ تعلقات چند تجارتی قافلوں کی حد تک تھے، جو یمن، شام یا عراق جاتے، وہاں کے نوابوں یا بادشاہوں کی خوشامدیں کرتے ہوئے اپنا مال فروخت کرتے اور وہاں سے کچھ مال سرزمینِ عرب کے چند شہروں کے لیے لے آتے تھے، لیکن اب صورت یہ تھی کہ شام، عراق، یمن، مصر اور افریقہ کے تمام زرخیز علاقے مسلمانوں کے ہو چکے تھے۔ خود ان علاقوں کی اندرونی تجارت پر بھی مسلمانوں کا قبضہ تھا، اور یورپ اور ایشیا بالفاظِ دیگر مشرق و مغرب کے ڈانڈے انہیں علاقوں کے ذریعے ملتے تھے، تو گویا تمام دنیا کے تجارتی ذرائع پر مسلمانوں کو بالادستی حاصل ہو گئی تھی اور فی الواقع خزائنِ ارض کی کنجیاں مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی تھیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی عرب کے گھر میں بھی دولت کے انبار لگ گئے تھے

بلا خوفِ تردید نہایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فراوانیٔ دولت اور افراطِ زر کے اس بحران میں بھی اپنے اسی مقام پر قائم رہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود میں ان کے لیے معین ہو چکا تھا۔

سید الانبیاء محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا وہ تریاق ان کو میسر تھا کہ سنہری روپہلی دولت کے انبار پر جب ان کی نظر پڑتی تو فخر و غرور اور دماغی طغیانی کا زہر تو کیا پیدا ہوتا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی تنگی اور تنگ دستی ان کو یاد آتی اور یہ دولت خوشی کے بجائے کرب و حزن کا سبب بن جاتی تھی۔

سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اتنا سونا ترکہ میں چھوڑا تھا کہ ہتھوڑوں سے کاٹا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور چار بیویوں میں سے ہر ایک بیوی کو اسی ہزار کی رقم ملی (البدایہ والنہایہ صہ۱۶۴ ج۷) جب کہ وصیت یہ کی تھی کہ اصحاب بدر میں سے جو بھی زندہ ہیں ان کو چار چار سو دینار ان کے ترکہ میں سے دیے جائیں۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات کے لیے رقم خطیر کی وصیت کی تھی۔ ان کے علاوہ اور مداتِ خیر کی وصیت تھی۔

انہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے یہاں غلہ آیا جو سات سو اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ پھر ایک حدیث کی بنا پر جو حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ ان کو پہنچی نہ صرف غلہ بلکہ وہ اونٹ اپنے ساز و سامان کے ساتھ فی سبیل اللہ تقسیم کر دیے۔" (البدایۃ والنہایۃ صہ۱۶۴ ج۷)

انہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ دل دوز واقعہ حضرت نوفل بن ایاس ہذلی بیان کرتے ہیں کہ کھانے کا وقت ہوا۔ دستر خوان پر کھانا چُنا گیا، تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ سبب پوچھا گیا تو جواب دیا کہ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا سے اس حالت میں رخصت ہو گئے کہ آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہیں ملتی تھی اور ہمارے سامنے یہ نعمت رکھی ہوئی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہمارے لیے کوئی بہتر صورت ہے۔ (شمائل ترمذی شریف صہ۲۷)

حضرت خباب بن الارت بیمار تھے۔ حضرت ابو وائل مزاج پرسی کے لیے گئے تو حضرت خباب پر رقت طاری تھی۔ فرمانے لگے ہم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہجرت کی۔ رضائے الٰہی ہمارا نصب العین اور مقصد تھا۔ اللہ تعالےٰ کے یہاں ہمارا اجر و ثواب لکھا گیا۔ پھر کچھ وہ خوش نصیب تھے جنہوں نے اس دنیا میں اس اجر کا کوئی حصّہ وصول نہیں کیا۔ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ صرف ایک چھوٹا سا کمبل ان کے ساتھ تھا۔ اگر سر چھپاتے تو پیر کُھل جاتے تھے اور پیر چھپاتے تھے تو سر کُھل جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے بموجب ہم نے سر چھپا دیا اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دی۔ (ان کے برخلاف) ہماری ہی جماعت میں وہ بھی ہیں (اپنی ذات مراد ہے) جن کے گلشنِ عمل کے پھل پک چکے ہیں اور وہ ان کو (دنیا ہی میں) توڑ رہے ہیں۔ (بخاری شریف صہ۵۵۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک وہ وقت تھا کہ میں ایک درہم کا بھی مالک نہیں تھا۔
آج حالت یہ ہے کہ مکان کے ایک کنارے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہوئے ہیں (مشکوٰۃ شریف صد ۲۰۲
بحوالہ ترمذی و احمد)

اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں جن کی شہادت یہ ہے کہ افراطِ زر نے حضرات صحابہ کو متاثر نہیں کیا۔ لیکن اب امتِ اسلامیہ صرف صحابہ کرام کا نام نہیں تھا۔ اب غیر معمولی اکثریت ان کی تھی جن کی مثال پہلے گزر چکی ہے کہ ان کو حضرات مہاجرین و انصار کی برتری بھی اکھرنے لگی تھی — حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اب ایسے ہی رہ گئے تھے جیسے اڑو کے دانہ میں سفیدی۔

ایران کے شاہی محل کے بیش بہا فرش، تاجِ شاہی اور بادشاہ کے زیورات جب مدینہ پہنچے، تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی احتیاط کی یہ حالت تھی کہ آپ کو گوارا نہ ہوا کہ وہ ایک شب بھی دربارِ خلافت کی چھت کے نیچے گزاریں۔ آپ نے ان کو باہر رکھوایا۔ پھر ان کے ٹکڑے کر کے تقسیم کرا دیے۔ قالین کا ایک ٹکڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملا جو آپ نے بیس ہزار میں بیچا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۶۷ ج ۷)

لیکن فاروق اعظم کی آنکھیں جو بیش بہا دولت کو دیکھ رہی تھیں، خیرہ ہونے کے بجائے اشکبار تھیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ مقامِ مسرت ہے نہ مقامِ گریہ۔ حضرت فاروق اعظم نے جو جواب دیا وہ اس صورتِ حال کی عکاسی کر رہا تھا، جو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پیش آ گئی۔

فاللہ ما اعطی اللہ ھذا قوما الا تحاسدوا وتباغضوا ولا تحاسدوا الا القی باسھم بینھم (البدایہ والنہایہ ص ج ۷)

یہ دولت جن کے یہاں پہنچتی ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض رکھنے لگتے ہیں اور حسد و بغض کا نتیجہ خانہ جنگی ہوتا ہے۔

مودودی صاحب کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فرضی خویش نوازی میں قبائلی عصبیت کی چنگاریاں نظر آئیں، مگر افسوس ان کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے:

لکل امۃ فتنۃ و فتنۃ امتی فی المال (ترمذی شریف ص ۵۶ ج ۲) ہر ایک امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کے لیے فتنہ دولت ہے۔

فتنوں کے متعلق پیشین گوئیاں

یہ خارجی اور داخلی محرکات یعنی مفتوحہ اور شکست خوردہ اقوام کا ردِ عمل دوسری طرف فراوانی دولت اور اس کے اثرات ۔ اس ذاتِ اقدس کی نظرِ دُور رس سے اوجھل نہیں تھے جس کو "علم الاوّلین والآخرین" عطا فرمایا گیا تھا۔ آپ کی پیغمبرانہ فراست محسوس کر رہی تھی کہ مستقبل نہایت خطرناک ہے۔

کتاب الفتن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات محفوظ ہیں جو ان فتنوں کے متعلق زبانِ مبارک سے صادر ہوئے۔

سیدنا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بڑی توجہ سے ایسے ارشادات یاد رکھا کرتے تھے، جو فتنوں کے بارے میں لسانِ نبوت سے صادر ہوتے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں شر کے متعلق معلومات حاصل کیا کرتا تھا کہ مبادا میں کسی شر میں مبتلا ہو جاؤں (بخاری شریف ص ۱۰۴۹)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جن کی فراست ضرب المثل ہے وہ بھی اس خطرناک اور ہیبت انگیز ردِ عمل سے مطمئن نہیں تھے۔ آپ کو خود اپنے دورِ مبارک میں بھی اس کا خطرہ رہتا تھا، چنانچہ ایک روز حاضرینِ مجلس سے دریافت فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جو فتنہ کے بارے میں ہیں، کسی کو یاد ہیں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا: "مجھے"۔ آپ نے فرمایا، بیان کرو: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا انسان کا فتنہ مال میں بھی ہوتا ہے، اپنی جان میں بھی اور اپنے اہل و عیال میں بھی۔ نماز، صدقہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا۔ یہ فتنے نہیں۔ میں اس فتنہ کے متعلق دریافت کر رہا ہوں جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ کو اس کی کیا فکر؟ اس کا کوئی نقصان آپ کو برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک دروازہ ہے جس پر تالا لگا ہوا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ : کیا یہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضؓ : توڑا جائے گا۔

حضرت فاروق اعظمؓ : پھر تو دوبارہ بند نہ ہو سکے گا۔

حضرت حذیفہؓ : جی ہاں (بخاری شریف ص ۱۰۵۱)

فتنہ کا وقت

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیغمبرانہ فراست کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ آپ نے اس فتنہ کے وقت کی بھی نشاندہی کر دی تھی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا

معہا بلاء یصیبہ (بخاری شریف ص ۱۰۵۲) اس بشارت کے ساتھ سخت آزمائش بھی ہو گی۔

سخت آزمائش شہادت نہیں۔ شرفِ شہادت تو حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی حاصل ہوا۔ سخت آزمائش یہ ہے کہ مختلف جذبات جن میں قریشی اور غیر قریشی کا مسئلہ بھی تھا جذبہ کی حد سے آگے بڑھ کر عمل کی سرحدیں داخل ہونے لگے گا۔ حضرت ذی النورین کا دورِ خلافت انہیں جذبات کی کشاکش میں گزرا۔

علامہ ابنِ خلدون قبائل بنی بکر و عبد القیس و ربیعہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

"ان قبائل کی جاہلیت کی رگیں پھڑکنے لگیں اور انہوں نے دیکھا کہ حضرات مہاجرین جو قریشی بھی ہیں اور غیر قریشی بھی۔ اور حضرات انصار کو ان پر اقتدار حاصل ہے۔

وتالفت نفوسہم منہ و وافق ایام عثمان (ص ۱۳۸) ان کے نفوس اس اقتدار سے نفرت کرنے لگے اور اتفاق یہ ہوا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔

عناصر فتنہ کی تنظیم اور حضرت عثمانؓ کے متعلق فردِ جرم کی تصنیف

فتنہ کا ایک عنصر مفتوحہ اقوام بالخصوص ایرانیوں کا جذبۂ انتقام تھا جس کے تحت کارروائی ایرانیوں کی پہلی شکست کے بعد سے ہی شروع ہو گئی تھی۔

چنانچہ خاص اس وقت میں کہ شاہِ ایران یزدجرد اپنے مفتوحہ علاقوں کو واپس لینے کے لیے آخری بازی لگا رہا تھا اور اس کے لیے ڈیڑھ لاکھ فوج فراہم کر چکا تھا۔ دوسری طرف اس محاذ کے ذمہ دار اعلیٰ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے۔ خاص اس نازک وقت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے خلاف ایک فتنہ اٹھایا گیا اور بے بنیاد اور سراسر غلط شکایتوں کا

میمورنڈم حضرت فاروق اعظمؓ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ حضرت فاروق اعظم کو خود حیرت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: اس نازک وقت میں یہ حرکت خود تمہارے بُرے ارادوں اور شرارتوں کی دلیل ہے (البدایۃ والنہایۃ ج ۷)

اب آپ غور فرمائیے۔ کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ احساس صحیح نہیں تھا؟ کیا ایسے وقت میں یہ نہیں ہوتا کہ حریف کے کچھ آدمیوں کو آلۂ کار بنا کر حریف کی صفوں میں رخنہ ڈالا جاتا ہے۔

شکایتی ڈیپوٹیشن لے جانے والے کیا مسلمانانِ کوفہ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اہلِ کوفہ کو تو کوئی شکایت نہیں تھی۔ جب تحقیقاتی کمیشن نے بیانات لیے تو صرف ایک کے علاوہ باقی تمام باشندگانِ کوفہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف ہی کی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ شکایت کرنے والے شکست خوردہ ایرانیوں کے آلۂ کار اور دورِ حاضر کی اصطلاح میں "ففتھ کالمسٹ" (پانچویں کالم) ہوں جو یزدجرد کے لیے کام کر رہے ہوں۔ قرائن کی واضح شہادت یہ ہے کہ یہ لوگ آلۂ کار تھے۔

کچھ عرصہ بعد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے۔ ایک طبقہ کا احساس یہ تھا کہ یہ ایرانیوں کی سازباز کا نتیجہ ہے۔ اسی احساس سے متاثر ہو کر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے منجھلے فرزند حضرت عبید اللہ نے ہرمزان کو قتل کر دیا۔ (طبری ص ۴۱ ج ۵ ، ۴۲)

بصرہ میں ایک پارٹی تھی، آج کل کی اصطلاح میں ایک گینگ تھا جس کا سربراہ حکیم بن جَبَلہ تھا۔ جب اسلامی لشکر اس طرف سے گزرتا تو حکیم بن جبلہ اور اس کے ساتھی خفیہ طور سے اس کے ساتھ ہو جاتے پھر جہاں موقع پاتے ذمیوں پر ڈاکے ڈالتے، فساد پھیلاتے۔ اس پارٹی کا ظہور اگرچہ کچھ عرصہ بعد یعنی خلافتِ عثمانی کے سالِ چہارم میں ہوا۔ (طبری ص ۹۰ ج ۵) مگر ظاہر ہے اس کا وجود پہلے سے قائم ہو چکا تھا۔ بہرحال یہ عناصر تھے اور موقع بموقع کام کر رہے تھے، مگر ان کے آپس میں کوئی تنظیم نہیں تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جہاں یہ اتفاق ہوا کہ بقول علامہ ابنِ خلدون قبائلِ بنو بکر وغیرہ کی رگِ جاہلیت پھڑکی اور قبائلی عصبیت کی چنگاریاں شعلہ بننے لگیں۔ ایسے ہی یہ بھی اتفاق ہوا کہ ان فتنہ پرور عناصر کو ایک لیڈر مل گیا۔ یہ لیڈر کون تھا، ہر ایک مورخ اس کو جانتا ہے۔ یہ عبد اللہ بن سبا تھا جس نے جذبات کو تحریک کی شکل دی، تحریک کو منظم کیا۔ پھر اس طوفان کا دہانہ کھولا، جس کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ وہ تمام

کتابیں جو بقول مودودی صاحب تاریخ اسلام کی معتبر کتابیں ہیں اس لیڈر کے تذکرے سے پُر ہیں. کئی کئی اوراق میں اس کے رسوائے عالم کارناموں کا تذکرہ ہے. ہم انہیں کتابوں سے اخذ کرکے اس لیڈر کا تعارف کراتے ہیں. پھر اس کے کچھ کارنامے درج کرتے ہیں۔ :-

عبداللہ بن سبا

تعارف ایک یہودی تھا، باپ کا نام سبا - ماں ایک حبشن تھی اس لیے اس کو "ابن السوداء" بھی کہتے ہیں یمن کے شہر صنعا کا رہنے والا تھا. خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی سالوں میں مسلمان ہوا۔ (طبری ج ۵ ص ۹۰)

حرکت عمل مدینہ طیبہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا. کسی منصب کے حاصل کرنے میں تو کامیاب نہیں ہوسکا. البتہ وہ کام پوری طرح مکمل کر لیا جو ایک سازشی کر سکتا ہے. (تفصیل آگے آئے گی انشاءاللہ) یہیں اس کو یہ علم بھی ہوا کہ بصرہ میں ایک پارٹی ہے جس کے نظر بند رکھنے کا حکم بارگاہ خلافت سے صادر ہوچکا ہے. یہ حکیم بن جبلہ کی پارٹی تھی. جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے ڈاکے ڈالنا اور چھاپے مارنا اس کا کام تھا. قبیلہ عبدالقیس کے کچھ آدمی بصرہ میں بھی رہا کرتے تھے. یہ انہی میں رہتا تھا. جب اس کی فساد انگیزی کی شکایتیں امیرالمومنین، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچیں تو آپ نے حاکم کوفہ حضرت عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ ان کو بصرہ میں نظر بند کر دیں۔ جب تک ان کا چال چلن ٹھیک نہ ہو جائے، بصرہ سے باہر نہ جانے دیں. (طبری ج ۵ ص ۹۰)

عبداللہ بن سبا مدینہ سے روانہ ہوا بصرہ پہنچا اور اس پارٹی سے ساز باز شروع کر دی. اس پارٹی کے لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی. اس کی رپورٹ حاکم بصرہ کے پاس پہنچی. انہوں نے اس کو طلب فرمالیا. دریافت کیا تم کون ہو. اس نے کہا کہ میں اہل کتاب میں سے تھا. مجھے اسلام اچھا معلوم ہوا میں نے اسلام قبول کر لیا. حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر نے وہ شکایتیں سنائیں جن کی رپورٹ پہنچی تھی. عبداللہ بن سبا کوئی معقول جواب نہ دے سکا تو آپ نے اس کو بصرہ چھوڑ دینے کا حکم فرمایا. چنانچہ یہ بصرہ سے نکلا اور کوفہ پہنچ گیا۔ (طبری ج ۵ ص ۹۰)

ظاہر ہے اپنے اثرات اس گینگ اور پارٹی کے لوگوں میں بھی چھوڑ گیا. اور عبدالقیس کے لوگوں میں بھی جن کے یہاں حکیم بن جبلہ رہا کرتا تھا.

عبداللہ بن سبا کوفہ پہنچا۔ یہاں کچھ شورہ پشت وہ تھے جنہوں نے ابن الحیسان الخزاعی کو رات کے وقت اس کے گھر میں گھس کر قتل کیا تھا اور جب یہ قاتل قصاص میں قتل کئے گئے تو ان کے وارث حاکم کوفہ ولید بن عقبہ کے دشمن ہو گئے تھے اور وہ تمام حرکتیں شروع کر دی تھیں جن کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ولید مجرم گردان کر امارت کوفہ سے معزول کئے گئے۔ ان کے علاوہ قبیلہ عبدالقیس اور ان قبائل کے آدمی بھی تھے۔ جن کو اپنی عظمت پر ناز تھا اور اب ان کو نہ صرف قریش بلکہ حضرات صحابہؓ کی عظمت بھی ناگوار ہونے لگی۔ عبداللہ بن سبا نے ایسے لوگوں میں اپنا کام شروع کر دیا۔

کوفہ سے روانہ ہو کر یہ شام گیا۔ یہاں اس کو کوئی ایسی پارٹی تو نہیں ملی۔ البتہ اکتناز دولت کے بارے میں جو اختلاف حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہا تھا۔ اس کو خوب ہوا دی اور کوشش کی کہ اس کو ایک تحریک کی شکل دے دے۔ لیکن گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر نے کسی تحریک کے ابھرنے کا موقع نہیں دیا اور یہی ان کا سب سے بڑا جرم تھا۔ جس کی وجہ سے ان کو سب سے زیادہ مطعون کیا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ابن جریر تاریخ الکامل لابن اثیر ابن خلدون وغیرہ) شام میں کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو یہ مصر پہنچا وہاں ایسے عناصر موجود تھے جو اس کا دست و بازو بن سکتے تھے۔ لہٰذا مصر ہی کو مرکز بنالیا۔ بذریعہ مراسلات و خط و کتابت پارٹی کے افراد سے رابطہ رکھا اور اس کو مضبوط کیا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۹۰ ابن خلدون وغیرہ)

تالیف و ترتیب نظریات و مطالبات

عبداللہ بن سبا اور اس کے مشیروں کا اپنی پارٹی کے حق میں بنیادی کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے کچھ نظریات مرتب کئے۔ پھر موقع بموقع ان میں مطالبات کا اضافہ کیا جاتا رہا۔ نظریات ایسے مرتب کئے جو خاص طور پر ان دماغوں کو متاثر اور ان ذہنوں کو اپیل کرنے والے تھے جن کو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کا صدمہ تھا اور کوئی بھی تحریک جس میں بازیابی اقتدار کی توقع ہو (ورنہ کم از کم یہ توقع ہو کہ اس سے فاتح قوم کا شیرازہ منتشر ہو سکتا ہے اور جو ان کو تباہ کرنے والے ہیں وہ خود بھی تباہ ہو سکتے ہیں) ان کو اپنی طرف کھینچ سکتی تھی۔

عربوں میں بادشاہت نہیں رہی تھی۔ وہ طبعی طور پر شاہ پرست نہیں تھے۔ یہ تصور ان کی افتاد طبع سے منزلوں دور تھا کہ پورا ملک کسی ایک خاندان کی ملک ہو سکتا ہے اور اس ملکیت میں وراثت چل سکتی ہے کہ بادشاہ کی اولاد ہی وارث تخت و تاج ہو اور جو اس کو تخت و تاج سے محروم کرے وہ ایسا ہی ظالم اور غاصب قرار دیا جائے جیسے کسی باپ کے ترکہ سے اس کی اولاد کو محروم رکھنے والا۔

لیکن یہ تصورات ایرانیوں کی فطرت اور ان کی ذہنیت کے عین مطابق تھے۔ ایران اپنی ملکی تاریخ کی ابتدا سے شاہ پرست رہا تھا۔ کئی صدی سے ایک ہی خاندان وہاں بادشاہت کرتا چلا آرہا تھا۔ وہ خدا کی خدائی کی طرح حق کے لئے بادشاہت کو بھی ضروری سمجھتے تھے اور وہ وارث کا پیدائشی حق سمجھتے تھے کہ وہ مورث کے حقوق اور اقتدار کا مالک ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال اٹھا تھا کہ جو جائیدادیں وحی الٰہی کی تصریح کے موجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں وہ وارثوں کو تقسیم کی جائیں مگر جب یہ سمجھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وارث پوری امت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ کا ترکہ پوری اُمت کے لئے صدقہ (وقف) ہوگا۔ تو ترکہ اور ورثہ کا سوال تو ختم ہوگیا تھا البتہ یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اس وقف کے متولی ہوں۔ چنانچہ سیدنا عباسؓ اور سیدنا حضرت علیؓ کو ان جائیدادوں کا متولی بنا دیا گیا تھا۔ اس پارٹی نے اس مردہ سوال کو پھر زندہ کیا۔ اس پر یہ اضافہ اور کر دیا کہ وارث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لہٰذا جانشین رسول اللہ اور خلیفہ اول انہیں کو ہونا چاہیے تھا مستزاد یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی بنا دیا تھا اور یہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ظلم تھا کہ انہوں نے اصل وارثوں کو محروم کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا۔ لہٰذا سلسلہ خلافت کی جب بنیاد ہی غلط ہے تو موجود خلیفہ کی خلافت بھی غلط ہے اور اس کے مقرر کردہ حکام اور گورنر بھی غلط۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا ہے کہ ان کی مخالفت کی جائے۔ (طبری ص ۹۸ ج ۵)

عبداللہ بن سبا اور اس کی پارٹی کا مقصد صرف نظامِ خلافت کو برباد کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اس کا اصل نشانہ اسلام تھا۔ چنانچہ وراثت اور وصیت کے نظریہ کے ساتھ ایک نظریہ رجعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجاد کیا۔ کہتا تھا کہ تعجب ہے مسلمان اس کے تو قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس کو نہیں مانتے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ حالانکہ قرآن حکیم اس کی شہادت دے رہا ہے اس شہادت میں وہ آیت قرآن اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ کی من مانی تفسیر لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔

زہد و تقویٰ کے مظاہرہ کے ساتھ جب قرآن پاک کا حوالہ دے کر کوئی بات بیان کی جاتی تھی تو اس کا اثر لازمی تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (ایضاً صفحہ ۹۸ ج ۵)

تحریف دین کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ صحابہؓ کرام بالخصوص حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت سے دلوں کے گوشوں کو خالی کیا جائے۔ کیونکہ دین صرف نظریات کا نام نہیں ہے۔ دین کا پہلا کام اصلاح عمل ہے یہ بات کہ ہمارا عمل آں حضرت کے پیش فرمودہ دین کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ اس کا معیار حضرات صحابہؓ کا طرز عمل ہے چنانچہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تھا کہ امت کے تہتر فرقوں میں سے ہم کس فرقہ کو سمجھیں کہ حق پر ہے تو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ تھا۔ ما انا علیہ و اصحابی (ترمذی شریف صفحہ ۸۹ ج ۲) "جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب"۔ پھر بہت ہی تاکید کے ساتھ ہدایت فرمائی تھی کہ تمہارا فرض یہ ہے کہ میری سنت کو مضبوطی سے سنبھالو اور ان خلفاء کی سنت کو جو راشد (صالح) اور مہدی (ہدایت یافتہ) ہیں۔ اس کو دانتوں کی کوچلیوں سے مضبوط پکڑ لو۔ (صحاح)

بہرحال تحریف دین کا مقصد جب ہی کامیاب ہو سکتا تھا کہ مسلمان حضرات صحابہؓ کو ہدف بنائیں۔ حضرات شیخین سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وفات پا چکے تھے۔ خلیفہ ثالث موجود تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے ان کو نشانہ بنایا گیا۔ ان دشمنان دین کو احادیث وضع کرنے اور گھڑنے میں کیا خوف ہو سکتا تھا چنانچہ حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) کے متعلق بے شمار حدیثیں گھڑی گئیں اور ان کو اس طرح خلط ملط کیا گیا کہ بہت سی وہ چیزیں کافی چھان پھٹک کے بعد بھی اب تک صاف نہیں ہو سکیں۔ جو صحابہ کرام حضرات خلفائے راشد اور اہلبیت کے متعلق ہیں۔

ان نظریات کی تدوین و اشاعت کے ساتھ اقتدار قریش کا مسئلہ بھی ابھارا گیا عراق ان کا ہے جنہوں نے عراق کو فتح کیا۔ قریش کو یہ حق نہیں کہ وہ سواد عراق کو اپنا بستان کہیں۔

اس مسئلہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ خطرہ ہوا کہ اہل عراق یعنی قبائل بنی بکر و عبد القیس و بنی ازد و عبیرہ کے لوگ قریش کی ان جائیدادوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیں گے جو عراق کے مختلف علاقوں میں تھیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کو ہدایت کی کہ ان جائیدادوں کو فروخت کر دیں۔ یا تبادلہ کر لیں۔

مختصر یہ کہ عبد اللہ بن سبا اور اس کے مشیر کاروں نے مدینہ میں کچھ قیام کر کے حالات کا جائزہ لے کر نظام اسلام

کو درہم برہم کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ اس کا پہلا اشاعت گاہ بصرہ تھا۔ پھر کوفہ پھر مصر۔

حکومتِ مصر عیسائی طاقتوں سے مقابلہ میں مصروف تھی۔ عبداللہ بن سبا کی خفیہ کارروائیوں کی طرف توجہ نہیں دے سکی۔ وہاں کچھ ایسے بارسوخ اور متعارف لوگوں کی حمایت بھی اس کو میسر آگئی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرابت رکھنے کے باوجود کسی منصب کو حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے اور اس لیے کہ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذاتی پرخاش تھی۔ (تفصیل آگے آئے گی۔ انشاءاللہ)

لہٰذا اس تحریک نے وہاں اپنی جڑیں اتنی مضبوط کرلیں کہ آئندہ تخریبی کارروائیوں کے لیے مصر ہی مرکز بن گیا۔ یہیں سے عبداللہ بن سبا نے تحریری پروپیگنڈہ شروع کیا۔ (تفصیل آگے آئے گی۔ انشاءاللہ)

طریق کار سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف۔ جو شکائتیں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچائی گئیں۔ اس وقت تک عبداللہ بن سبا کا ظہور نہیں ہوا تھا، لیکن طریق کار کی یکسانیت شہادت دے رہی ہے کہ عبداللہ بن سبا کی پشت پر کچھ ایسے ہاتھ تھے جو پہلے سے مصروفِ کار تھے۔ خلیفہ کی ذات کو مجروح کرنے سے پہلے مقامی ذمہ دار (گورنر) کو مجروح کرنا اور اس کے خلاف شکائتوں کا طوفان اٹھانا۔ اس طریق کار کا حاصل تھا۔ کوفہ میں سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعد اس کا نشانہ حضرت ولید بن عقبہ بنے۔ پھر حضرت سعید بن العاص۔ بصرہ میں سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس کا نشانہ بنایا گیا اور اب بقول علامہ ابنِ جریر طبری ۳۵ھ میں یہ طے کیا گیا کہ ہر جگہ کے حاکم اعلیٰ کے متعلق شکائتیں لکھ کر خلیفہ کو بھی بھیجی جائیں اور دوسرے شہر کے لوگوں کو بھی، ایک شہر والے اپنے حاکم کی فرضی اور جھوٹی خرابی لکھ کر دوسرے شہر والوں کے پاس بھیجتے۔ جب یہ لوگ یہ خبر نامہ پڑھتے تو کہتے کہ خدا کا شکر ہے ہمارے یہاں تو یہ خرابیاں نہیں ہیں۔ ہمیں عافیت میسر ہے۔ افسوس یہ لوگ بہت پریشان ہیں۔ ان پر بہت زیادتی ہو رہی ہے۔

اس طرح کے خبرناموں سے (دارالخلافہ) مدینہ منورہ کی فضا میں بھی بے چینی پیدا کر دی اور ہر ایک شہر کو کارکنانِ حکومت کے مظالم کے شور سے پرآشوب کر دیا۔ یعنی پر کا کوا نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ پر کوئی تھا ہی نہیں بلکہ بے بنیاد شکایت تصنیف کی گئی۔ اس شہر میں اس تصنیف کا پول کھل جاتا۔ لہٰذا اس شکایت کا خبر نامہ دوسرے شہر میں بھیجا گیا۔ وہاں اس کو سنایا گیا اور عوام کے ذہن نشین کرایا گیا کہ حکام بہت ظلم کر رہے ہیں۔ (طبری ص ۹۹/۵)

اس طرح کے خطوط اہلِ مدینہ کے پاس بھی بھیجے جاتے تھے تاکہ اہلِ مدینہ عمال سے برگشتہ ہوں اور اگر خلیفہ توجہ نہ دیں

تو ان کو بھی پست ہمت، خویش نواز کہہ کر مجروح کیا جائے اور ان کے احترام کو ختم کیا جائے۔ دوسری طرف اہلِ مدینہ کی طرف سے خطوط بھیجے جاتے جن میں خلیفہ کی شکایت کی جاتی اور یہ کہ حالت بہت خراب ہے۔ بہت اصلاح کی ضرورت ہے۔

واقدی کی روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مدینہ طیبّہ سے ان صحابہ کے نام خطوط بھیجے گئے جو جہادی خدمات میں مصروف تھے کہ اقدموا ان کنتم تریدون الجہاد فعندنا الجہاد جہاد کرنا چاہتے ہو تو یہاں آؤ جہاد یہاں ہے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۹۶/۵)

دورِ حاضر کے ماہرین سیاست بھی شاید اس طرح کی پروپیگنڈے کی جرأت نہ کر سکیں کہ اصل مقام پر شکایت کا وجود نہیں اور دوسرے مقامات ان شکائتوں کی ہیجان انگیز افسانوں سے پُر آشوب۔ یہی وقت تھا جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فردِ جرم تیار کی گئی۔ ابنِ خلدون نے مندرجہ ذیل الزامات درج کئے ہیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر آئندہ درج کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور الزامات بھی تھے جو لگائے گئے تھے۔

(۱) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو شام سے نکال کر مدینہ پھر مدینہ سے نکال کر ربذہ پہنچا دیا۔ جہاں وہ تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔

(۲) جمعہ کے روز ایک اور اذان کا اضافہ کر دیا۔

(۳) منٰی اور عرفہ میں ظہر و عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ یعنی قصر کیا جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار چار رکعتیں پڑھیں۔

۲، ۳ علمی مسائل ہیں۔ اجتہاد و استنباط سے ان کا تعلق ہے۔ چنانچہ حضراتِ اہلِ علم نے علمی حیثیت ہی میں بحث کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی انداز سے جوابات دیئے۔ اس بحث کے دلائل سے جو فریقین نے پیش کئے۔ علماء نے بہت سے مسائل اخذ کئے۔ مگر عوام ان نکتوں سے کہاں واقف ہو سکتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھ سکتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ "نئی باتیں" ایجاد کیں۔ لہٰذا یہ قابلِ عظمت نہیں، بلکہ ان کو معزول کرنا وقت کا سب سے زیادہ ضروری اور سب سے اہم مطالبہ ہے۔

(۴) مروان کو افریقہ میں خمس (پانچواں حصہ) بلا مشورہ دے دیا۔

(۵) خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک کنوئیں میں کیوں گری۔ (ابنِ خلدون صفحہ ۱۴۶)

مدینہ منورہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا۔ اس کو "بیر اریس" کہا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کنوئیں کی من پر تشریف فرما تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک جو سرکاری دستاویز دلی پر لگائی جاتی تھی، آپ کے ہاتھ میں تھی وہ مہر اتفاق سے کنوئیں میں گر گئی۔ پھر کنوئیں کی مٹی تک نکلوا دی گئی مگر انگشتری مبارک دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ اتفاقی حادثہ بھی سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جرائم میں شمار کرایا گیا۔ (ابن خلدون ص ۱۳۹ و ص ۱۴۰ ج ۲)

شکائتوں کی تحقیق

بہر حال مذکورہ بالا طے کردہ طریق کار کے بموجب والیان صوبہ کے خلاف تصنیف کردہ شکائتوں کی گونج خلیفہ سوم کی سمع مبارک تک پہنچی، تو آپ نے ملک کے ہر حصہ میں مشاہدین روانہ فرمائے جو مقامی حالات، عوام کے رجحانات اور ان شکائتوں کے متعلق تحقیق کریں۔ طبری اور ابن اثیر نے ان میں سے چار کے نام لکھے ہیں۔

سیدنا محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شام، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر (الکامل لابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰ و طبری ص ۹۹ ج ۵)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب حضرات نے واپس آکر رپورٹ دی۔

"ما انکرنا شیئاً ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامهم وقالوا جمیعا الامر امر المسلمین الا ان امراءهم یقسطون بینهم ویقومون علیهم"۔ (طبری، ج ۵، ص ۹۹ و ابن اثیر ج ۲ ص ۷۸)

"ہم نے کوئی غیر معمولی بات دیکھی نہ مسلم عمائدین اور عام مسلمان کوئی غیر معمولی بات محسوس کرتے ہیں، جس طرح مسلمانوں کا کام ہونا چاہیے اسی طرح کام ہو رہا ہے۔ مگر ان کے امراء کچھ زیادتی کرتے ہیں اور نگرانی کڑی رکھتے ہیں۔"

نوٹ: قسط بینہم کے معنی تو یہ ہونے چاہئیں کہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ مگر لفظ "الا" کی مناسبت سے ہم نے "قسط بینہم" کے معنی وہ لیے ہیں جو قسط علیہم کے ہونے چاہئیں۔ کچھ حضرات نے اس کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ صرف یہ بات ہے کہ ان کے امراء انصاف کرتے ہیں۔ اور ان کا خیال رکھتے ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار ہو رہا تھا کہ والی مصر حضرت عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح نے اطلاع دی۔

"عبداللہ بن السوداء (عبداللہ بن سبا) خالد بن ملجم۔ سودان بن حمران اور کنانہ بن لبشر جو مصر میں ٹھہرے ہوئے ہیں انہوں نے حضرت عمار کو ملالیا ہے۔ حضرت عمار ان سے مل گئے ہیں اور ان کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔" (طبری ص۹۹ ج۵)

حافظ ابن جریر طبری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو ۳۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ یعنی جیسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج بیت اللہ شریف سے واپس ہوئے لوگوں کی شکائتیں پہنچیں۔ جن کی بناء پر آپ نے مشاہدین کو بھیجا اور رپورٹ حاصل کی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس وقت تک خویش پروری اور اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنے کی کوئی شکایت نہیں ہے۔

مراسلہ اور اجتماع جیسے ہی رپورٹ پہنچی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک گشتی مراسلہ جملہ حکام اور امراء کے نام بھیجا۔

اما بعد فانی اٰخذ العمال بموافاتی فی کل موسم وقد سلطت الامۃ منذ ولیت الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ فلا یرفع علیّ شیئ ولا علی احد من عمالی الا اعطیتہ ولیس لی ولعیالی حق قبل الرعیۃ الا متروک لہم وقد رفع الیّ اہل المدینۃ ان اقواما یشتمون واٰخرون یضربون فیا من ضرب سرّا وشتم سرّا من ادعی شیئا من ذالک فلیوان بالموسم فلیاخذ بحقہ حیث کان منی او من عمالی او تصدقوا فان اللہ یجزی المتصدقین۔
(طبری ج۵ ۹۹)

(ترجمہ) ہر سال حج کے موقع پر کار پردازان حکومت سے میری ملاقات ہوتی ہے تو میں ان سے مواخذہ کیا کرتا ہوں۔ میں جب سے خلیفہ بنایا گیا ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلط کرتا ہوں۔ (اور اس کو غالب رکھتا ہوں) پس مجھ پر یا میرے کسی عامل پر جو مطالبہ بھی لازم کیا جاتا ہے۔ میں اس کو ادا کر دیتا ہوں۔ یہ اس حالت میں کہ میرا اور میرے عیال کا عوام کی جانب جو بھی حق ہے وہ ان کے حق میں چھوٹا ہوا ہے۔ (معاف ہے)

اہل مدینہ نے مجھے یہ شکایت پہنچائی ہے کہ کچھ لوگ ہیں جن کو گالیاں دی جاتی ہیں اور کچھ ہیں جن کو خفیہ طور سے مارا پیٹا جاتا ہے۔ پس جس شخص کو بھی خفیہ طور پر پیٹا گیا ہو (جس کے گواہ نہ ہوں) یا پوشیدہ طور پر اس کو گالی دی گئی ہو، ہر ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ حج کے موقع پر آئے، مجھ سے ملاقات کرے اور اپنا حق لے

لے، وہ مجھ پر لازم ہو یا مرے کسی عامل پر، یا صدقہ کر کے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے۔

تین آدمی محمد، طلحہ اور عطیہ جو اس کے راوی ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ فلما قرئ بالامصار بکی الناس ودعوا العثمان وقالوا ان الامة لتمحض بشر۔ جب یہ گشتی مراسلہ شہروں میں پہنچا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے لوگوں کو رُلا دیا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ افسوس لوگ خالص (نری) شرارت پر اتر آئے ہیں۔ (طبری ص۹۹ ج۵)

سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے گشتی مراسلہ پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ امراء اجناد (صوبوں کے گورنروں) کو بھی طلب فرمایا۔

سبائیوں کا اجتماع اور منصوبہ

سبائیوں کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے صوبائی امراء کو طلب کیا ہے اور یہ امراء وہاں جائیں گے، تو مصر کے مرکز سے کوفہ اور بصرہ کی پارٹیوں اور اپنے تمام ہمنواؤں کو لکھا گیا۔ یہ امراء مدینہ جا رہے ہیں۔ ان کے دار الحکومت خالی ہوں گے۔ ایک دن مقرر کر کے سب جگہ بغاوت کر دو، پھر ان امراء کو اپنے مرکزوں تک نہ پہنچنے دو، لیکن اس منصوبہ پر صرف کوفہ میں کچھ عمل ہو سکا۔ جب کہ یہاں کے امیر حضرت سعید بن العاص مدینہ گئے ہوئے تھے، تو یزید بن قیس کوفہ کے عوام کا ایک انبوہ لے کر کوفہ سے روانہ ہو گیا ارادہ یہ تھا کہ مدینہ پہنچ کر خلیفہ سے مطالبہ کریں کہ وہ معزول ہو جائیں، لیکن یہاں کے افسر افواج قعقاع بن عمرو (کمانڈر انچیف) کو پتہ چل گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر یزید بن قیس اور اس کی عوامی فوج کا محاصرہ کر لیا۔ یزید بن قیس کو محسوس ہوا کہ عزل خلیفہ کا منصوبہ اس وقت کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ وہ خلیفہ کے پورے وفادار ہیں۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے یہاں کا گورنر سعید بن العاص یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ حضرت قعقاع نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر ان لوگوں نے مقام جرعہ پر جمع ہو کر حضرت سعید کا راستہ روک لیا۔ اور ان کو مدینہ واپس ہونے پر مجبور کیا۔ (طبری ص۱۰۱ و ص۱۰۳ ج۵)

بارگاہِ عثمانی میں امراءِ اجناد (گورنر دربارِ خلافت میں)

امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طلب پر گورنر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر مصر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح گورنر کوفہ حضرت سعید بن العاص گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر

مدینہ طیبہ پہنچے۔ آپ نے مصر کے سابق گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی مشورہ میں شریک کیا۔ آپ نے فرمایا۔

ویحکم ما ھذہ الشکایۃ وما ھذہ الاذاعۃ انی واللہ لخائف ان تکونوا مصدوقا علیکم وما یعصب ھذا الابی۔ (طبری ج ۵ ص ۹۹) یہ کیا شکایتیں پہنچ رہی ہیں۔ یہ کیا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے مجھے خدشہ ہے کہ یہ شکایتیں صحیح ہوں۔ اور تم پر ان کی ذمہ داری آتی ہو۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ لوگ مجھ پر نرغہ کرکے آئیں گے۔

والیانِ مملکت نے عرض کیا۔

کیا آپ نے مشاہدین کو نہیں بھیجا تھا۔ کیا ہم نے خود آپ تک لوگوں کے حالات نہیں پہنچائے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آپ کے مشاہد بن گئے اور کسی نے بھی ان کے سامنے کوئی بات نہیں کی۔ (کوئی شکایت نہیں کی) جو لوگ آپ سے شکائتیں کرتے ہیں۔ قسم بخدا وہ سچ نہیں بولتے اور نہ وہ کوئی بھلائی کا کام کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، ہمارے علم میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آپ کوئی ایک بات لیجیے۔ تحقیقات کیجیے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی واقعیت آپ کے سامنے آجائے۔ یہ جو کچھ ہے سراسر پروپیگنڈہ ہے۔ آپ کے لیے درست نہیں ہے کہ اس کی بنا پر آپ کسی کی گرفت کریں۔ اور نہ یہ درست ہے کہ آپ اس کو آخری بات سمجھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اب مجھے مشورہ دو۔ میں کیا کروں۔ حضرت سعید بن العاص نے عرض کیا "یہ بعل اور سازش ہے۔ باتیں راز میں طے کی جاتی ہیں۔ ان کو واقف لوگوں کے سامنے رکھا جاتا ہے، وہ دوسروں کو اس کی خبر دیتے ہیں پھر مجلسوں میں ان کے چرچے ہونے لگتے ہیں"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس کا کیا علاج؟

حضرت سعید بن العاص۔ سازش کرنے والوں کا پتہ لگائیے جو مجرم ثابت ہوں۔ ان کو موت کی سزا دیجئے۔

حضرت عبداللہ بن سعد والی مصر نے عرض کیا۔

"جب آپ لوگوں کو ان کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو ان کو ڈھیلا نہ چھوڑیئے۔ حق وفا جو ان پر لازم ہے۔ سختی سے اس کا مطالبہ کیجئے"۔

حضرت معاویہ۔ آپ نے حکومت میرے سپرد کی۔ آپ نے ایک ایسی قوم کا مجھے حاکم بنا رکھا ہے کہ اس کی طرف

آپ کو خیر ہی پہنچے گا۔ (کوئی شر نہیں پہنچے گا) وہ آپ کی خیر خواہ وفادار ہی رہے گی۔ میرے علاقہ کی بات تو یہی ہے۔ باقی یہ دونوں صاحبان اپنے علاقہ کے حالات سے زیادہ واقف ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ان علاقوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "حسن الادب" ان کی صحیح تربیت ہونی چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا۔ آپ اپنی رائے ظاہر فرمائیں۔

عمرو بن العاص: جناب والا! آپ ان کے حق میں بہت نرمی برتتے ہیں۔ مواخذہ میں تاخیر سے کام لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جو حیثیت دے رکھی تھی۔ آپ نے ان کو اس سے بڑھا دیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے دونوں پیشرو ساتھیوں کا طریقہ اختیار کیجئے۔ سختی کی جگہ سختی اور نرمی کی جگہ نرمی برتیئے جو شخص شرارت پھیلانے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ دوسروں کو شر ہی پہنچاتا ہے۔ اس کے لیے سختی مناسب ہے اور جو لوگوں کا خیر خواہ ہو۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے میں کوتاہی نہ کرے وہ نرمی کا مستحق ہے۔ آپ نے دونوں کے لیے نرمی کا بستر ہی بچھایا۔ (طبری ص ۹۴ ج ۵)

جوابات کے الفاظ اور مفہوم میں کمی بیشی بھی ہے۔ مثلاً یہ بھی روایت ہے کہ گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ کسی ملک پر فوج کشی کر کے ان کو جہاد میں مشغول کر دیجئے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والی مصر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ دولت کے بھوکے ہیں۔ ان کو عطاء اور بخشش سے نوازیئے۔ یہ سب آپ کے ہوجائیں گے۔ (طبری ص ۹۴ ج ۵)

بہرحال صوبائی حکومتوں کے ان ذمہ داروں نے اپنی اپنی رائے آزادی سے پیش فرمائی۔ مگر آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے نہیں ہوا۔ کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس کا وقت گزر چکا تھا۔ اب اگر ہو سکتا تھا تو یہ کہ فوجی طرز کی حکومت قائم کی جائے اور جس پر شبہ ہو اس کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اس غیر محتاط طرز حکومت کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ آپ نے اپنی قربانی منظور کی۔ مگر یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کے سلسلہ میں کسی کے خون کا کوئی قطرہ بھی زمین پر گر سکے۔

اس وقت ان حضرات کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان صوبائی امراء اور گورنروں سے زیادہ آپ کو حالات کا علم تھا اور ان حالات کے متعلق آپ کا مطالعہ بہت کافی گہرا تھا۔ ان امراء کے

بیانات میں بقدر مشترک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم پالیسی پر تنقید تھی۔ رشتہ داروں کے ساتھ نہیں بلکہ عام کارپردازان حکومت اور عام قومی رہنماؤں اور کارکنوں کے بارے میں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا کہ آپ حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا طریق عمل اختیار کیجئے۔ مگر ان تنقید کرنے والوں نے یہ نہیں خیال کیا کہ عوام کے حالات میں کس قدر تبدیلی ہو چکی ہے۔ جب بے قصور کو قصوروار قرار دے کر بغاوت کا منصوبہ بنایا جائے، تو اگر کوئی قصور ہو تو بغاوت کے لیے کسی منصوبہ کی ضرورت بھی نہ ہوگی یہ خلیفہ کی نہیں، بلکہ حالاتِ عوام کی تبدیلی تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دُرّہ کو بڑے سے بڑا شخص برداشت کر لیتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم بات کا بھی جواب سخت ہوتا تھا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر میں یہ شکایت فرمائی تھی۔ (طبری ج ۵ ص ۹۷)

سیدنا حضرت عثمانؓ کا جواب

امراء صوبجات کی تقریریں سننے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ مسنونہ پڑھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا۔

"آپ صاحبان نے جن خیالات کا اظہار کیا اور جو مشورے دیئے ان سب پر میں نے غور کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر ایک معاملہ کا دروازہ ہوتا ہے۔ اسی دروازہ سے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ معاملہ اور یہ حادثہ جس کا خطرہ ہے پیش آکر رہے گا۔ اس کا وہ دروازہ جس پر تالہ پڑا ہوا تھا، جس کی وجہ سے حدود اللہیہ کے علاوہ اور معاملات میں نرمی موافقت اور یکجہتی حاصل کر لی جاتی تھی۔ بہت جلد یہ دروازہ کھل جائے گا۔ اس کا تالہ ٹوٹ جائیگا۔ میرے خلاف کوئی صحیح حجت، کوئی معقول دلیل کسی کے پاس بھی نہیں ہے جو پیش کر سکے۔"

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اور خود اپنے آپ کے ساتھ خیر اور بھلائی میں کوتاہی نہیں کی بحقیقت یہ ہے کہ فتنہ کی چکی گردش میں آنے والی ہے۔ عثمان مستحق مبارک باد ہوگا۔ اگر وہ اس حالت میں مر جائے کہ اس کی چکی کو گردش میں لانے میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے اپنے تمام جان نثاروں اور فداکاروں کو سخت تاکید کر دی کہ آپ کی طرف سے کوئی مدافعت نہ کرے۔ یعنی خون ریزی کے آغاز میں آپ کا یا آپ کے کسی متوسل و منتسب کا کوئی حصہ نہ ہونا چاہیے۔"

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

"لوگوں کو اعتراض کرنے کا موقع مت دو۔ کوئی صحیح الزام تم پر نہ آنا چاہیے۔ لوگوں کے حقوق تسلیم کرو۔ اور ان کو

ادا کرو اور درگزر سے کام لیتے رہو۔ ہاں اللہ کے حقوق میں اگر لین دین شروع ہو جائے تو اس میں مداہنت نہ برتو (کمزوری نہ دکھاؤ)۔ (طبری صـ۹۹ ج ـ۵ صـ۱۰۱)

سبائیوں کا پہلا اقدام اور اس کا جواب

وہ منصوبہ کہ جب گورنر صاحبان مدینہ منورہ جائیں تو بغاوت کر کے ان کی واپسی کو ناممکن بنا دیا جائے۔ کوفہ کے علاوہ اور کسی جگہ کامیاب نہیں ہوا، تو اب خط و کتابت کے ذریعے یہ طے کیا گیا کہ تینوں مرکزوں کے کچھ نمائندے مدینہ منورہ پہنچیں۔ خود مدینہ والوں کے خیالات و رجحانات کا بھی اندازہ لگائیں اور امر بالمعروف کی قسم کے (اصلاحی مطالبات) رکھیں۔ مطالبات تسلیم نہیں ہوں گے، تو پروپیگنڈے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ تحریک کے خاص خاص ارکان مدینہ منورہ پہنچے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا، تو آپ نے دو آدمی مقرر کر دیئے کہ ان کے نظریات اور ان کے آئندہ پروگرام کا پتہ لگائیں۔ ان صاحبان نے ان میں گھل مل کر ان کے منصوبہ کا پتہ لگا لیا منصوبہ یہ تھا:۔

نريد ان نذكر له اشياء قد زرعناها في قلوب الناس ثم نرجع اليهم فنزعم لهم انا قررناه بها فلم يخرج منها ولم يتب ثم نخرج كانا حجاج حتى نقدم فنحيط به فنخلعه فان ابى قتلناه وكانت اياها

ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم خلیفہ سے ان باتوں کا تذکرہ کریں جن کو ہم نے لوگوں کے دلوں میں بویا ہے (جن کا پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کے ذہنوں میں جمایا ہے) پھر ہم واپس ہو کر عوام کے پاس پہنچیں اور ہم ان سے کہیں کہ ہم نے سب کچھ ان سے کہا سب کچھ ثابت کر دیا۔ نہ وہ جواب دے کر الزامات سے نکل سکے اور نہ آئندہ کے لیے) توبہ کی۔ اس کے بعد ہم اپنے اپنے مقامات سے حاجی بن کر نکلیں گے۔ یہاں تک کہ عثمانؓ کے یہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیں گے اور ان کو خلافت سے الگ کر دیں گے اور اگر چون وچرا کریں گے تو ان کو قتل کر دیں گے۔ (یہی ہو کر رہا)۔

(طبری صـ۱۰۲ ج ۵)

ان صاحبان نے دریافت کیا کہ کیا کچھ مدینے والے بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ جواب دیا گیا۔ تین آدمی۔ محمد بن بکر۔ محمد بن ابی حذیفہ۔ عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ)[1]

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس آکر ان صاحبان نے رپورٹ پیش کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے تو ہنسے۔ پھر آپ نے فرمایا اے اللہ ان لوگوں کو سلامت روی کی توفیق دے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہ افتراق پیدا کر دیں گے پھر فرمایا[2] حضرت عمار تو اس لئے مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے ان کو تادیب کی تھی۔ کیونکہ انہوں نے عباس بن عتبہ بن ابی لہب کو پیٹ دیا تھا۔

محمد بن ابی بکر اپنی حیثیت سے بلند تر عہدہ چاہتے تھے اور ایسے آزاد ہیں کہ اپنی کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے۔ (وہ عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے خار کھائے بیٹھے ہیں) محمد بن حذیفہ فتنے پیدا کرنے کے عادی ہیں۔

جلسہ عام میں حضرت عثمانؓ کی تقریر[3]

پھر آپ نے کوفہ اور بصرہ کے باشندوں کو جو مدینہ میں تھے بلوایا اور عام جلسہ کا اعلان کرا دیا۔ کوفی اور بصری صاحبان کو منبر کے

---

[1] مودودی صاحب ان مورخین کے بیان سے متاثر ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ چند کے سوا شہر میں کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو حضرت والا کی حمایت میں زبان کھولتا۔ (خلافت وملوکیت صہ ۳۴۳) لیکن غور کیا جائے تو ان دونوں بیانوں میں تضاد نہیں ہے۔ جیسا کہ مودودی صاحب نے سمجھا ہے اور اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی حامی نہیں تھا تو بلوائیوں سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیس آدمی کیسے چلے گئے ہمارے خیال میں تضاد اس لئے نہیں ہے کہ بلوائیوں کے حامی اور ان کی سازش میں شریک صرف یہ تین آدمی تھے۔ باقی جملہ اہل مدینہ بلوائیوں کے دباؤ اور ان کے پروپیگنڈے سے ایسے متاثر اور دم بخود تھے کہ کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ مودودی صاحب دوسرے موقع پر خود ہی فرما رہے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اچانک مدینہ پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اہم ناکوں پر قبضہ کر کے ایک حد تک اہل شہر کو بے بس کر دیا تھا۔ (خلافت وملوکیت صہ ۱۱۹)

[2] حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ نے ان لوگوں کی مخالفت کے اسباب کسی قدر وضاحت سے بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا محمد بن حذیفہ یتیم تھا حضرت عثمان رضؓ نے اس کی پرورش کی۔ جب بڑے ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عہدہ کی فرمائش کی۔ آپ نے فرمایا بیٹا! اگر تمہارے اطوار اچھے ہوتے (لو ادعی) پھر عہدہ طلب کرنے تو میں کوئی منصب دے دیتا، مگر خود تمہارے حالات اور اطوار ایسے نہیں ہیں کہ کوئی عہدہ تمہارے سپرد ہو۔ (لست هناك) اس نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں کہیں باہر جا کر کوئی کام دیکھوں، جس سے میرا گزران ہو سکے۔ فرمایا مناسب ہے۔ جہاں مناسب سمجھو چلے جاؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باہر جانے کی اجازت دی تو ان کو سامان بھی دیا۔ سواری کے لئے اونٹ دیا اور نفقہ رقم دی۔ پھر جب مصر پہنچ گئے تو ان میں شامل ہو گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کر رہے تھے اور حضرت عمار اس لئے ناراض تھے کہ ان کے اور عباس بن عتبہ کے درمیان بات چلی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کی تادیب کی۔ طبری صہ ۱۳۵ محمد بن ابی بکر کی ناراضگی کی وجہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کی ان کی ناراضگی کا سبب تھا غضب اور طمع۔ عجب (خود پسندی) یہ کہ اسلام میں حیثیت تو ان کی وہ تھی جو سب جانتے تھے اور لوگوں نے ان کو چڑھا دیا کہ آپ کی شان بہت بڑی ہے۔ حالانکہ نہ عمر نہ قابلیت، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ یعنی ۳۵ھ میں جب یہ شورش ہوئی ان کی عمر بیس سال کے قریب ہوگی۔ پھر ان میں ایک طرح کی اکڑ تھی (کانت داله) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مداہنت نہیں کی، بلکہ ان کی گرفت کی تو یہ ناراض ہو گئے۔ (طبری صہ ۱۳۶ ج ۵)

یہ خیال رہنا چاہیے کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم بن عبد اللہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ علماء کرام کے سرتاج ہیں۔ مدینہ کے ان سات فقہاء میں شمار ہوتے ہیں جو فقہ کی بنیاد مانے جاتے ہیں ——— محمد میاں

[3] ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ طبری صہ ۱۰۲ و صہ ۱۰۳ ج ۵۔

قریب بٹھایا اور عام مسلمان ان کے گرداگرد بیٹھے۔ پھر آپ نے ان سازشی لوگوں کی مدینہ منورہ میں آمد کا تذکرہ فرمایا پھر ان دونوں کو جنہوں نے پتہ لگا کر رپورٹ دی تھی سامنے کھڑا کیا اور تمام حالات لوگوں کے سامنے بیان فرمائے حاضرین نے ایک آواز ہو کر کہا۔ ان کو قتل کر دیجئے۔ ان کی گردنیں اڑا دیجئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب ایک امام موجود ہے تو اگر کوئی شخص خود اپنے سے یا کسی اور شخص سے۔ بیعت کی دعوت دیتا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس کو قتل کر دو۔ حضرت عمر فاروق رضی فرمایا کرتے تھے ایسے شخص کے واسطے میں عام مسلمانوں کے لئے ایک ہی بات جائز قرار دیتا ہوں کہ اس کو قتل کر دیں اور قتل کرنے والے مجھ کو بھی اپنا شریک کار سمجھیں۔ (اس ذمہ داری میں میں بھی برابر کا شریک ہوں)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کی تو اجازت نہیں دیتا بلکہ ہم عفو و درگزر سے کام لیں گے۔ ان کی معذرت قبول کریں گے۔ ان کو سمجھائیں گے اور اس کا موقع دیں گے کہ وہ معذرت کریں اور ہم سزا اسی کو دیں گے جو کوئی ایسا فعل کرے گا جو شرعاً قابلِ سزا ہے۔ (جس کی شریعت نے کوئی سزا (حد) مقرر کی ہے) یا اس کو جو کفر کا اظہار کرے۔

الزامات کا جواب

پھر آپ نے فرمایا یہ لوگ کچھ الزام لگاتے ہیں اور ان کے الزامات کے جوابات بھی ان کو معلوم ہیں۔ مگر پھر بھی وہ مجھے بار بار ٹوکتے ہیں اور ان الزاموں کو اچھالتے ہیں منشا یہ ہے کہ عام لوگ جو واقف نہیں ہیں ان کی نظر میں مجھے مجرم گردان دیں۔ ایک الزام یہ ہے کہ میں سفر میں نماز قصر نہیں پڑھتا۔ پوری نماز پڑھتا ہوں۔ بے شک میں نے منیٰ میں قصر نہیں کیا۔ پوری نماز پڑھی۔ اس لیے کہ مکہ میں میرے اہل وعیال ہیں۔ اس لئے میری حیثیت یہاں مسافر کی نہیں رہتی اور اس لئے بھی کہ بہت بڑی تعداد ان نومسلموں کی آگئی تھی جو احکام اسلام سے واقف نہیں تھے، وہ یہی سمجھ جاتے کہ ان نمازوں کی رکعتیں دو دو ہی ہیں۔ فرمائیے میں نے ٹھیک کیا

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے مدینہ کا ایک رقبہ چراگاہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ یہ صرف میں نے ہی نہیں کیا۔ مجھ سے پہلے بھی رقبے چراگاہوں کے لئے مخصوص کئے جاتے رہے ہیں۔ تاکہ جو اونٹ زکوٰۃ و صدقات میں آتے ہیں وہ وہاں چر سکیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوج کے گھوڑوں کے لئے ایک چراگاہ مخصوص کی تھی۔ اس پر بھی بہت اعتراض کیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا جواب دینا پڑا تھا) (بخاری شریف صفحہ ۴۲۳) پھر میں نے کسی شخص کی ملکوا

زمین چراگاہ میں شامل نہیں کی۔ میں نے اسی علاقہ کو مخصوص کیا جس پر مدینہ والے زبردستی قابض ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ کسی کو وہاں مویشی چرانے کی ممانعت نہیں ہے اور نہ کسی کو وہاں سے ہٹایا گیا ہے۔ یہ چراگاہ صدقات کے اونٹوں کے لئے مخصوص ہے اور یہ تخصیص اور حد بندی اس لئے کی جاتی ہے کہ لوگوں سے جھگڑا نہ ہو۔ بے شک کچھ وہ تھے جو روپیہ خرچ کر کے اپنا حق قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کو بلاشبہ اس کا موقع نہیں دیا گیا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے پاس میری سواری کی صرف دو اونٹنیاں ہیں۔ ان کے علاوہ نہ میرے پاس اونٹ ہے نہ بکری۔ آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ جب میں خلیفہ بنایا گیا تو مدینہ میں سب سے زیادہ اونٹ اور بکریاں میرے پاس تھیں۔ مگر آج میرے پاس نہ اونٹ ہے نہ بکری۔ صرف دو اونٹ ہیں جو سفر حج کے لئے ہیں۔ اپنے پاس رکھتا ہوں فرمایئے جو کچھ میں نے کہا صحیح ہے۔ آواز بلند ہوئی، بالکل ٹھیک ہے۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے قرآن پاک کے متفرق نسخوں کو ختم کر کے صرف ایک نسخہ باقی رکھا ہے، تو دیکھیے قرآن ایک ہی ہے۔ اس کی طرف سے نازل ہوا جو واحد ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اس میں اتباع کی ہے (بڑوں کے نقش قدم پر چلا ہوں) کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) نے قرآن کو جمع کیا۔ وہ صرف سینوں میں تھا۔ اس کو مرتب کر کے کاپیوں کی شکل میں رکھا۔ میں نے ان کاپیوں کی ایک کتاب بنا دی۔ فرمایئے۔ میں نے غلط کیا۔ حاضرین نے بالاتفاق کہا، غلط نہیں کیا۔ بلکہ بالکل صحیح کیا۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ حکم بن العاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکال کر طائف بھیج دیا تھا۔ میں نے اس کو واپس بلا لیا، یہ غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کو اجازت دی تھی، پس آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کو نکالنے والے ہیں۔ آپ ہی واپسی کی اجازت دینے والے فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیرہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردہ (طبری ص۱۰۲ و ص۱۰۳) فرمایئے واقعہ یہی ہے۔

حاضرین نے کہا۔ بالکل ٹھیک۔

کہتے ہیں میں نے نوجوانوں کو منصب دیئے ہیں۔ بے شک مگر میں نے انہیں نوجوانوں کو منصب دیئے ہیں۔ جو منصب کی تمام صلاحیتیں اپنے اندر رکھتے ہیں۔[1]

---

[1] چنانچہ محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابی بکر میں اہلیت نہیں تھی۔ ان کو منصب نہیں دیا۔ اسی لئے وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں شریک ہو گئے۔ (محمد میاں)

اور تمام شرطیں پوری کرتے ہیں، وہ لوگ موجود ہیں۔ آپ صاحبان خود تحقیق کر لیجئے اور مجھ سے پہلے ان سے بھی کم عمر نوجوانوں کو بڑے بڑے منصب دیئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) کو ایک فوج کا افسر اعلیٰ بنایا تھا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کے متعلق بھی چہ میگوئیاں ہوئی تھیں۔ فرمایئے میں سچ کہہ رہا ہوں۔

حاضرین نے ایک زبان ہو کر جواب دیا۔ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے ابن ابی سرح کو پورا مال غنیمت دے دیا۔ یہ غلط ہے میں نے خمس کا خمس یعنی مال غنیمت میں، بیت المال کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ میں نے اس پانچویں کا پانچواں بطور انعام دیا تھا، وہ ایک لاکھ ہوتا تھا اور جہاد کے موقع پر حوصلہ افزائی کے لئے ایسے انعامات حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم بھی دیتے رہے ہیں۔ مگر لشکر والوں نے کہا کہ ان کو یہ پسند نہیں ہے اور ان کو اس سے ناگواری ہے۔ میں نے اس کو ابن ابی سرح سے واپس لے کر تمام لشکر والوں پر تقسیم کر دیا۔ حالانکہ لشکر والوں کو یہ ناگواری نہ ہونی چاہیے تھی۔ آپ حضرات بتایئے واقعہ یہی ہے۔ سب نے جواب دیا بے شک واقعہ یہی ہے۔

اعتراض کرتے ہیں کہ میں اپنے اہل بیت سے محبت کرتا ہوں اور ان کو عطیے دیتا ہوں۔ بے شک مجھے اپنے اہل بیت سے محبت ہے۔ مگر یہ محبت[1] ان کے ساتھ کسی ظلم پر کبھی مائل نہیں ہوئی، بلکہ اس نے ان کے اوپر حقوق لادے ہیں۔ رہا عطیے دینا تو جو کچھ میں نے کسی کو دیا۔ اپنے پاس سے دیا۔ مسلمانوں کے مال کو میں نہ اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لئے۔ اور میں خاص اپنے مال سے بڑے بڑے عطیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں بھی دیتا رہا ہوں اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی۔ حالانکہ میں اس وقت اپنی عمر کے اس دور میں تھا جب انسان بخیل اور مال کا حریص ہوا کرتا ہے اور اب جب میں اس عمر کو پہنچ گیا ہوں جو میرے خاندان کے لوگوں کی ہوتی ہے اور میری زندگی بیت چکی ہے اور جو کچھ میرا، میرے اہل وعیال میں تھا اس کو رخصت کر چکا ہوں تو یہ بے دین یہ باتیں کہتے ہیں اور حقیقت ہے کہ میں نے کسی بھی شہر پر کسی محصول (ٹیکس) کا اضافہ نہیں کیا کہ اس طرح کی شکائتوں کا جواز ثابت ہو (بلکہ) واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے اضافہ کو میں نے مسترد اور نامنظور کیا ہے۔ میرے پاس صرف خمس آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی میرے لئے حلال نہیں ہے۔ مسلمان ہی ذمہ دار ہوتے ہیں کہ خمس کے رقومات کو اس کے مستحقوں کو ادا کریں اور جائز موقعوں پر صرف کریں اور اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بے موقعہ صرف نہ کریں۔ میں اس مال میں سے کچھ بھی اپنے لئے وصول نہیں کرتا۔ میرا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ میں صرف اپنے مال سے کھاتا ہوں۔

[1] الفاظ یہ ہیں۔ اما حبی فانہ لم یمل معھم علی جور بل احمل الحقوق علیھم۔ (طبری ص ۱۰۳ ج ۵) یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری محبت ان کے ساتھ کسی ظلم پر مائل نہیں ہوئی۔ ان کی غلط باتوں کی میں نے کبھی حمایت نہیں کی بلکہ میں نے ان پر حقوق کا بوجھ ڈالا ہے)

ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو زمینیں دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اراضی مفتوحہ میں حضرات مہاجرین اور انصار سب شریک تھے، پھر جن حضرات نے ان مفتوحہ علاقوں میں قیام فرمایا وہ وہاں کے ساکن ہو گئے، تو ان کی وہی حیثیت ہو گئی جو وہاں کے باشندوں کی ہے۔ ان کے وہی حقوق ہیں جو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کے حقوق ہیں اور جن حضرات نے وہاں قیام نہیں فرمایا۔ وہ اپنے وطن واپس آگئے، تو اس سے ان کا وہ حق تو ضائع نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے ان مفتوحہ جائیدادوں میں ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ میں نے ایسے حضرات کے حصوں کی تحقیق کرائی۔ پھر میں نے ان کے ان حصوں کو ان کی فرمائش پر ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جو بلاد عرب میں صاحب جائداد ہیں۔ فروخت کرنے کے بعد یہ حصے ان کے نام منتقل کر دیئے، وہ انکے قبضے میں ہیں، میرے قبضہ میں نہیں (اور ان کے قبضہ میں میری بخشش سے نہیں پہنچے، بلکہ انہوں نے قیمت ادا کی۔ تب ان کو ملے ہیں)

معترضہ | (۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنی تمام املاک اور جائیدادوں کو تقسیم کر دیا تھا اور صرف اپنے وارثوں پر نہیں بلکہ اپنے مورث اعلیٰ امیہ کی تمام اولاد پر۔ اس طرح کہ حضرت عثمان کے لڑکوں کو بھی اتنا ہی حصہ ملا تھا جو امیہ کے پوتوں پڑپوتوں کو ملا۔ دادا کی اولاد میں سے ہر ایک کے حصہ میں دس دس ہزار آئے تھے۔ اسی طرح دس دس ہزار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صُلبی لڑکوں کو ملے۔ خاندان بنو امیہ کی اور شاخوں بنی عاص، بنی عیص اور بنی حرب کے افراد کو بھی اسی نسبت سے حصے ملے تھے۔ (طبری ج۵ ص۱۰۳)

(۲) سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایام حج سے پہلے محصور ہو گئے تھے آپ نے اپنی طرف سے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو انتظامات حج کا امیر بنا کر بھیجا اور ایک خطبہ تحریر فرما کر آپ کو دیا۔ جس کو حضرت ابن عباس نے سیدنا امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے پڑھ کر سنایا۔ خطبہ میں زیادہ تر قرآن پاک کی آیتوں سے استفادہ کیا ہے۔ دو تہائی سے زیادہ حصہ میں وہ آیتیں جن میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق، اطاعتِ امیر، اعمال صالح، قیامِ نظم اور احساناتِ خداوندی کے شکر وغیرہ کی تلقین ہے، پھر موجودہ حالات پر نہایت لطیف اور مدبرانہ تبصرہ ہے۔ اعتراضات کے جوابات ہیں۔ نیز یہ کہ شکایتوں کی تحقیق کی گئی۔ جن امراء کو الگ کرنے کے لئے کہا گیا، ان کو معزول کر دیا گیا۔ آئندہ کے لئے بھی یہ کہہ دیا گیا کہ جن اصلاحات کی ضرورت ہوگی نافذ کی جائیں گی، مگر ان کو میری زندگی بھاری معلوم ہو رہی ہے، وہ قضائے الٰہی کو جلد سے جلد جاری کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال میری ہدایت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ طالبِ دنیا نہ بنو۔ آخرت کے ثواب کی کوشش کرو، کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے خون ریزی کا سلسلہ شروع ہو اور میں خدا کی قسم اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ حق پر قائم رہو۔ انصاف سے کام لو، میرے

ساتھ بھی حق و انصاف کا معاملہ کرو اور مجھ سے بھی اسی کا مطالبہ کرو۔ بے شک میں نے کچھ لوگوں کو سزائیں دی ہیں۔ مگر جن کو سزا دی وہ اسی حق کی خاطر۔ طبری الفاظ یہ ہیں۔ وانا انشا اللہ عزوجل ان یغفرلی ولکم ویولف بین قلوب ھذہ الامۃ علی الخیر ویکرہ الیھا الفسوق والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایھا المؤمنون والمسلمین (طبری ج ۵ صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۳)

تقریر کا اثر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر کا جو ترجمہ پیش کیا گیا ہے وہ تحت اللفظ ہے۔ مفہوم نہیں ادا کیا بلکہ لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اس تقریر کے بعد صورتِ حال کیا تھی، علامہ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

لانت حاشیۃ عثمان لاولئک الطوائف وابی المسلمون الا قتلھم وابی الا ترکھم۔

(طبری، ج ۵ ص ۱۰۳)

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رخ ان (گمراہ) جماعتوں کے لئے نرم ہی رہا۔ مسلمان صرف یہ بات مانتے تھے کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور حضرت عثمان نے درگزر اور چھوڑ دینے کے علاوہ کسی بات کو تسلیم نہیں کیا۔

غور فرمایئے اب مدینہ وہ نہیں رہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر کے دورِ مبارک میں تھا۔ اس پچیس سال کے عرصہ میں مدینہ کی آبادی تقریباً تین میل سلع پہاڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں آباد ہونے والے صرف حضراتِ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد نہیں بلکہ آباد ہونے والے وہی ہیں جو کوفہ اور بصرہ میں آباد ہو رہے تھے۔ حضراتِ مہاجرین و انصار کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں۔ باقی ہزاروں کی تعداد میں موالی (یعنی عجمی) اور ان قبائل کے لوگ ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ لیکن ان سب کا اصرار یہ ہے کہ ان نکتہ چین سازش کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں کہ آڑے آ رہے ہیں۔ ان کا دل ان کیلئے نرم ہے اور صرف درگزر کا اصول ہی اختیار کر رہے ہیں۔

نیا جال لائے پرانے شکاری

سبائیوں کا دوسرا اقدام

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر نے سازش کے تمام تار بکھیر دیئے۔ جو بیج لوگوں کے دلوں میں بوئے تھے ان کی جڑیں اکھڑ گئیں تو اب لامحالہ نئے نعروں کی ضرورت ہوئی یہ عجیب اتفاق تھا کہ والیانِ مملکت (گورنر صاحبان) کا جو اجتماع ہوا تھا اُس میں سب وہ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خاندانی رشتہ بھی رکھتے تھے۔ پھر حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اگرچہ کوفہ سے واپس کر دیا گیا تھا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا تقرر ہو چکا تھا۔ مگر حضرت معاویہ (والی شام)، حضرت عبداللہ بن عامر والی کوفہ اور حضرت عبداللہ بن سعد بن

ابی سرح، والی مصر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ اب یہی برسرِ اقتدار تھے تو ان کو پراپیگنڈے کے لیے اس سے بہتر مواد کیا مل سکتا تھا۔ اب تک پراپیگنڈہ یہ تھا کہ رشتہ داروں کو بے جا عطیات دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا مسکت جواب دیدیا تو اب پروپیگنڈہ یہ شروع کیا کہ تمام صوبوں میں اپنے رشتہ داروں کو بھر رکھا ہے اور سارا اختیار و اقتدار اپنے خاندان والوں ہی کے حوالے کردیا ہے۔ لہٰذا مملکت اسلامیہ کی مصلحت یہ ہے کہ ان رشتہ داروں کو ہٹایا جائے۔ ورنہ خود خلیفہ دست بردار ہوں۔" یہ باتیں بظاہر سنجیدہ تھیں اور اگرچہ اب تک کی تمام شرارتوں کی بنیاد یہ باتیں نہیں تھیں، مگر اب انہیں باتوں سے کام لیا گیا اور اس شدت سے پراپیگنڈا کیا گیا کہ اچھے اچھے ذہن بھی اس سے اس طرح متاثر ہوگئے کہ انہوں نے تاریخ کو بھی متاثر کردیا۔ اس وقت عشرہ مبشرہ اور بعنوانِ دیگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جن کو شوریٰ کے لیے نامزد کیا تھا ان میں سے تین بزرگ باقی تھے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وسیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔

سبائیوں کا خیال یہ تھا کہ بنی امیہ کے غیر معمولی اقتدار پھر مصلحت مملکت اور مصلحت امت کے مؤثر پروپیگنڈے کے ساتھ جب ان حضرات سے درخواست کی جائے گی تو ان میں سے کوئی ایک صاحب خلیفہ بننا ضرور منظور کرلیں گے۔ اس کے بعد حضرت عثمان اگر دست بردار ہوگئے تو آئندہ خلیفہ ہمارے زیر اثر ہوگا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دست بردار نہ ہوئے تو خانہ جنگی ہوگی۔ مقصد بہرحال حاصل ہوجائے گا، چنانچہ پہلے ان لوگوں نے ان بزرگوں کی خدمت میں خلافت کی پیش کش کی اور جب ان سب حضرات نے سختی سے تردید کردی تو پھر بغاوت کا راستہ تھا جو اختیار کیا اور اس طرح نظام اسلامی کو درہم برہم کرنے کا نصب العین حاصل کیا۔ طبری کے حوالے سے تفصیل ملاحظہ ہو۔

علامہ ابن جریر طبری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تقریر اور اس کے اثر کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

یہ لوگ چلے گئے اور یہ تہیہ کرکے اپنے اپنے شہروں کو واپس ہوئے کہ اب زمانہ حج کے قریب حج کے بہانہ سے آئیں گے اور اس وقت ان لوگوں سے غزوہ کریں گے، چنانچہ اپنے اپنے مقامات پر پہنچ کر سازشں کے تمام مرکزوں سے خط وکتابت کی اور یہ طے کرلیا کہ ماہ شوال میں سب مدینہ پہنچ جائیں، چنانچہ خلافت عثمانی کے بارہویں سال ماہ شوال میں یہ لوگ حج کے نام پر اپنے مقامات سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچے۔ روانہ ہونے والوں کی تعداد ہر جگہ سے چھ سو سے ایک ہزار تک بیان کی گئی ہے پوری تعداد اور ان کے رہنماؤں اور سرداروں کے ناموں کی تفصیل طبری وغیرہ میں دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو طبری ص۱۰۳ ج ۵

مصر کی پارٹی آئی تو عبداللہ بن سبا بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ سب پارٹیاں اس پر متفق تھیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ

خود دست بردار نہ ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ البتہ آئندہ خلیفہ کے متعلق آپس میں اختلاف تھا۔

اہل مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، اہل بصرہ حضرت طلحہ کو اور اہل کوفہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

اوّل ان لوگوں نے مدینہ سے تین تین منزل کے فاصلہ پر قیام کیا۔ وہاں سے تھوڑی تھوڑی تعداد میں مدینہ کے قریب پہنچے اور متفرق مقامات پر قیام پذیر ہو گئے۔

بصرہ والے مقام ذی خشب میں اہل کوفہ "اعوص" میں خیمہ زن ہوئے، جبکہ مصر والے مقام ذی مروہ میں مقیم تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد جو اہل مدینہ کا رنگ ہو گیا تھا اس سے یہ لوگ خائف تھے کہ وہ ہم لوگوں کو جیسے ہی دیکھیں گے قتل کر ڈالیں گے۔ یہ بھی سنا تھا کہ مدینہ میں فوج لگا دی گئی ہے۔ اس لیے طے کیا گیا کہ پہلے چند آدمی جا کر مدینہ والوں کا رنگ دیکھیں اگر یہ لوگ قتل کر دیئے گئے تو باقی لوگ مناسب منصوبہ بنا کر کام کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا دل مجرم تھا اس لیے خوفزدہ تھے۔ مدینہ منورہ میں نہ کوئی فوج تھی اور نہ مدینہ والے خود سرتھے کہ خلیفہ کے حکم کے بغیر کسی کو قتل کر دیں، چنانچہ جب ان نمائندوں نے مدینہ کی فضا ساکن دیکھی تو اب ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ کچھ لوگ ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ لوگ حضرت علی، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ ہم لوگ حج بیت اللہ کا ارادہ کیے ہوئے ہیں اور یہاں اس لیے آگئے ہیں کہ صوبائی حکمرانوں سے جو شکائتیں ہیں وہ خلیفہ کے سامنے پیش کریں اور ان سے درخواست کریں کہ وہ ان کو معزول کر دیں۔ ہم آپ سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ اجازت دیدیں کہ ہمارے ساتھی بھی مدینہ منورہ میں آجائیں (جو باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں اور موسمی اثرات سے متاثر ہوئے ہیں)

ازواج مطہرات اور دوسرے حضرات نے کیا جواب دیا۔ ابن جریر کی روایت کے بموجب جواب کے الفاظ یہ ہیں۔

فکلهم ابی ونهی و قال بیض مایفرخن ۔ طبری - ۱۰۴ - ج ۵

ان میں سے ہر ایک نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مدینہ میں داخل ہونے سے ان کو منع کیا اور کہا۔ انڈے ہیں جن کے بچے نہیں نکلے۔ (یعنی مبہم اور مشتبہ معاملہ ہے۔ نہیں معلوم ان کی تہ میں کیا ہے۔)

علامہ ابن جریر نے یہ روایت سند متصل کے ساتھ چار حضرات سے نقل کی ہے۔ محمد۔ طلحہ۔ ابو حارثہ اور ابو عثمان۔

انہیں چاروں حضرات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کے بعد ان سبائیوں کے وفود ان تینوں بزرگوں۔ حضرت علی، حضرت زبیر،

حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچے اور خلافت کی پیشکش کی، مگر ان سب حضرات نے ان کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ انکے صاحبزادگان نے بھی ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ

لقد علم المسلمون ان جیش ذی المروہ وذی خشب والاعوص ملعونون علی لسان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فارجعوا لا صحبکم اللہ۔ ص۱۰۴ ج ۵۔ طبری

مسلمان جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لشکروں پر لعنت بھیجی ہے جو ذی مروہ، ذی خشب اور الاعوص پر پڑاؤ ڈالیں گے۔

یہ جوابات سُن کر لوگ واپس ہو گئے اور ظاہر یہی کیا کہ وہ اس ارادے سے باز آگئے ہیں، اہلِ مدینہ مطمئن ہو گئے، مگر باز آنے کے بجائے اُن کا اقدام اس کے برعکس ہوا۔

فلما بلغ القوم عساکرھم کروا بھم فبغتوھم فلم یفجأ اھل المدینۃ الا والتکبیر فی نواحی المدینہ (طبری ص۱۰۵ ج ۵)

جب یہ لوگ اپنے لشکروں میں پہنچے تو لشکر والوں کو لے کر واپس ہوئے اور اچانک ان پر پہنچ گئے جنہوں نے ان کو واپس کیا تھا۔ (واپس جانے کے لیے کہا تھا) وفعتہً مدینہ والوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ کے چاروں طرف سے تکبیر کی آوازیں آ رہی تھیں۔

مدینہ پہنچکر باغیوں کے لشکر لشکر گاہ میں ٹھہر گئے (چھاؤنی کی عمارتوں پر قبضہ کر لیا) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کر لیا اور شہر میں اعلان کر دیا کہ اس کو امن جو ہم پر حملہ نہ کرے۔ (صفحہ ۱۰۵ ج ۵ طبری)

مدینہ کے حضرات جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کے پاس پہنچے کہ آپ لوگ واپس چلے گئے تھے پھر کیوں آئے؟ تو جواب یہ دیا کہ خلیفہ نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے، اُس نے حاکمِ مصر کو لکھ دیا کہ یہ لوگ جب وہاں پہنچیں تو ان کو قتل کر دو۔

کوفہ اور بصرہ والوں نے کہا کہ جب مصر والے واپس ہوئے تو ان کی مدد کے لیے ہم بھی پہنچ گئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب آپ اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو چلے تھے تو پھر اتنی تیزی کے ساتھ یہ رابطہ کیسے قائم ہو گیا کہ سب اکٹھے ہو گئے۔ یہ سب آپ لوگوں کا منصوبہ ہے جو آپ لوگ (روانگی سے پہلے ہی) مدینہ میں طے کر چکے تھے

واللہ امر ابرم بالمدینہ۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپ حضرات جو کچھ سمجھیں، ہم تو اس خلیفہ کو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ (طبری ص۱۰۵ ج ۵)

علامہ ابن جریر طبری کے اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اعتماد اسی روایت پر ہے جس کے راوی اول چار حضرات ہیں اس میں اختصار ضرور ہے، مگر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ قابلِ اعتماد ہے۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صوبائی مرکزوں کو اطلاع دی اور ان کو ہدایت کی کہ وہ امداد کے لیے فوجیں بھیجیں۔ جہاں جہاں اطلاع پہنچی وہاں اضطراب پیدا ہو گیا۔ حضرات صحابہ اور حضرات تابعین خود بھی مدینہ طیبہ پہنچنے کے لیے تیار ہو گئے اور انہوں نے اور مسلمانوں کو بھی آمادہ کیا (لیکن یہ حضرات ابھی مدینہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ بلوائیوں نے اپنا کام پورا کر لیا۔)

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ محاصرہ کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت ادا کرتے تھے جمعہ کے روز حسبِ معمول تشریف لائے۔ نماز جمعہ کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں کو سمجھایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر پر لعنت فرمائی ہے جو ان مقامات پر پڑاؤ ڈالے گا جہاں تمہارے لشکروں نے پڑاؤ کیا ہے۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی یہ حدیث سنائی۔ حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تائید کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا، لیکن فوراً ہی بصرہ کا وہ بدنام شخص حکیم بن جبلہ (جو پہلے ڈاکو تھا پھر سبائیوں کا لیڈر بن گیا تھا) کھڑا ہوا اور اُس نے زبردستی حضرت محمد بن مسلمہ کو بٹھا دیا۔

دوسری طرف حضرت زید بن ثابت تائید کے لیے کھڑے ہوئے تو ان کو بلوائیوں کے دوسرے سرغنہ محمد بن ابی قتیرہ نے زبردستی بٹھا دیا۔ اس پر دوسرے غازی صبر نہ کر سکے انہوں نے بلوائیوں پر پتھراؤ کر کے ان کو نکال دیا۔ پتھراؤ کا جواب بلوائیوں نے بھی پتھراؤ سے دیا۔ ان کے پتھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لگے۔ وہ بے ہوش ہو کر منبر سے گر پڑے اور بیہوشی کی حالت میں ان کو اٹھا کر مکان پر پہنچا دیا گیا۔ ص۱۰۶ ج ۵۔ طبری

قبیلہ غفار کا ایک شخص تھا جہجاہ۔ اُس نے اس افراتفری میں حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہ کا عصا چھین لیا اور گھٹنے پر رکھ کر توڑ دیا۔ یہ سرورِ کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عصاء مبارک تھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک بھی خطبہ کے وقت اس عصا پر رہا کرتے تھے۔ اس بے حرمتی کی سزا جہجاہ کو ملی۔ اس کے گھٹنے میں آکلہ (کینسر) ہو گیا۔ طبری ص۱۱۴ ج ۵۔ مگر جا۔ ماتم یہ توہین ہے جو اس بدنصیب نے کی۔

وظائف بند کرنے کا مطالبہ

علامہ طبری نے اس سلسلے میں ابی سعید (مولیٰ ابی اسید انصاری رضی اللہ عنہم) کی طویل روایت پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ مصر کا ایک وفد حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت موصوف مدینہ سے باہر اپنے ایک گاؤں میں قیام فرماتے۔ یہ وفد وہیں پہنچا۔ اہل وفد نے اوّلاً چراگاہ وغیرہ کے متعلق اپنے اعتراضات پیش کئے اور اعتراضات میں قرآن پاک کی آیتوں کا حوالہ بھی دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے جوابات دیدئے۔ پھر کچھ ایسے اعتراضات کئے جن کے متعلق خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تحقیق نہیں تھی۔ آپ نے قصہ ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر یہ سب کوتاہیاں بھی ہیں تو میں خدا سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر طرفین سے عہد و پیمان ہو گیا۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ ان تمام باتوں کے باوجود یہ نہیں معلوم ہوا کہ آپ لوگوں کا منشار کیا ہے۔ ان لوگوں نے کھل کر کہا کہ اس وقت ہر ایک باشندۂ مدینہ کا بیت المال سے وظیفہ مقرر ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ بند کیا جائے۔ صرف مجاہدین کے وظائف ہوں جو جہاد کر رہے ہوں یا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جو عمر رسیدہ (شیوخ) ہیں ان کو وظیفہ دیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو منظور فرمایا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے اہل مدینہ کے وظائف بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اس پر اہل مدینہ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بنو اُمیہ کی چال ہے۔

(اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تو لوگوں کو ناراضگی ہوئی، مگر وفد کا مقصد پورا ہو گیا) اہل وفد اس کارروائی سے مطمئن ہو کر واپس ہوئے۔ (فرجع الوفد المصریون راضین) ص۱۰۱ ج ۵

اس کے بعد علامہ طبری نے کئی صفحات میں واقدی وغیرہ کے حوالے سے دو روایتیں نقل کی ہیں جن میں بلوائیوں کے راہنماؤں۔ نیز حضرت علی، حضرت عثمان (رضی اللہ عنہما) اور مروان وغیرہ کی گفتگوؤں، تقریروں اور انکی کوششوں کا تذکرہ ہے مگر یہ سب روایتیں بے سروپا ہیں، صحیح روایتوں کے خلاف ہیں اور خود آپس میں بھی متضاد ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم قرار دینے کے لیے انہیں ضعیف موضوع اور متضاد روایتوں سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ہم جب ان الزامات کا جواب دیں گے تو ان روایتوں کی حقیقت بھی واضح کریں گے۔ (انشاء اللہ)

اس کے بعد وہ زہرہ گداز اور جانکاہ قصہ ہے کہ ان بلوائیوں نے کس طرح ہجوم کر کے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش کرایا۔ اس کا تذکرہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لہٰذا ہم اس کا ذکر کر کے حضرات ناظرین کو بھی روحانی کوفت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے۔

معترضہ کچھ صاحبان اس سے متاثر ہوتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بعد آئندہ خلافت کیلئے جو حضرات، بلوائیوں کے پیش نظر تھے وہ سب قریشی تھے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تحریک قریشیت کے

ت تھی، مگر یہ اُن صاحبان کی حد درجہ سادگی ہے۔ اس وقت سیاسی مصلحت ہی یہ تھی کہ کسی نمایاں قریشی کا نام لیا جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قریش کا تعاون حاصل ہو سکے۔ یعنی آئندہ خلافت کے لیے کسی قریشی کا نام لینا ازراہ ت واحترام نہیں تھا بلکہ بتقاضا مصلحت تھا۔

اب آپ فیصلہ فرمائیے

سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ انگیز شورش کی پوری تاریخ آپ کے سامنے پیش کر دی ہے جو کچھ پیش کیا گیا۔ اس کا حوالہ دیا گیا۔ کوئی ایک بات بھی حوالہ کے بغیر نہیں لکھی اور حوالہ انہی کتابوں کا دیا جن کو مودودی صاحب نے تاریخ اسلام کا مستند ترین ماخذ قرار دیا ہے۔ (ص ۲۹۹ خلافت وملوکیت) یعنی تاریخ ابن جریر۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر اور ابن خلدون، مزید برآں کہیں کہیں بخاری شریف اور ایک جگہ ترمذی شریف کا حوالہ دیا ہے۔

ہم نے کسی واقعہ کی توجیہ یا تاویل نہیں کی، ہر ایک واقعہ کو پوری سادگی سے نقل کر دیا ہے۔ جو باتیں لکھی ہیں وہ کم و بیش ان چاروں کتابوں میں ہیں، مگر ہم نے ابن جریر طبری کی تاریخ "تاریخ الامم والملوک" کو سامنے رکھا ہے۔ زیادہ تر اسی کے صفحات کا حوالہ دیا ہے۔ پھر عبارت کا صرف مفہوم نہیں بیان کر دیا بلکہ ترجمہ پیش کیا ہے اور بعض اہم عبارتوں کے الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں۔ سیدنا حضرت عثمان کی تقریر کا۔ نیز جو گفتگوئیں ہوئی ہیں ان کا ترجمہ ایسا کیا ہے کہ اس کو تحت اللفظ کہا جا سکتا ہے۔

اب ہم آپ سے خود دریافت کرتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

(الف) یہ تمام شورش جس کا سلسلہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے ...... شروع ہوا اس کی بنیاد قبائلی عصبیت تھی یا اقتدار کی کشمکش یا ایک منظم سازش تھی۔

(ب) یہ شورش قدرتی اور غیر اختیاری اضطراب تھا جو ظالم اور خائن کے مقابلہ میں عوام میں پیدا ہو جاتا ہے یا اس شورش کو حیل و فریب کر کے مصنوعی طور پر برپا کیا گیا تھا۔ یہ سازش سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات کے خلاف تھی یا قریش و حضرات صحابہ کے خلاف اور بالواسطہ نظام اسلامی کے خلاف۔ اس کا منشا اصلاح تھا یا تخریب۔

(ج) قبائلی عصبیت سے اس میں کام ضرور لیا گیا۔ مگر اس کی چنگاریاں کہاں سلگیں۔

(د) جو واقعات پوری احتیاط سے بیان کیے گئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کے مطالعہ کے بعد آپ خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ اقتدار کی جنگ نہیں تھی، کیونکہ اس کے حریف وہی حضرات ہو سکتے تھے جو ارکانِ شوریٰ تھے۔ یعنی جن کو حضرت

فاروق رضی اللہ عنہ نے اس قابل قرار دیا تھا کہ وہ بارِ خلافت سنبھال سکتے ہیں اور تمام صحابہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تشخیص کو صحیح سمجھا تھا۔ یعنی سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جن کو تمام خلافتِ راشدہ کا اہل سمجھتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ مختلف علاقوں کے لوگ ان کے حامی بھی ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزرا اہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آئندہ خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ کوفہ والے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور بصرہ والے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مگر ان حضرات کی طرف سے تحریک کی ابتدا یا تحریک کے وسط میں تو کوئی حرکت کیا ہوتی۔ آخری دور میں جب علاقوں کے نمائندے ان حضرات کے پاس پہنچے اور خلافت کی پیشکش کی تب بھی ان میں سے کسی میں کوئی لچک نہیں ہوئی بلکہ لچک اور میلان کے برخلاف ان حضرات نے پیش کش کرنے والوں کو ڈانٹا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی کا حوالہ دیتے ہوئے ان سب کو مستحق لعنت قرار دیا۔

(ہ) قبائلی عصبیت کی چنگاریاں خود بھڑکیں یا عبداللہ بن سبا کی پارٹی نے ان کو بھڑکایا، مگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ امراء اور عمال کے خلاف بھڑکی تھیں یا قریش کے خلاف۔ ابن خلدون کا فیصلہ یہ ہے کہ عربی قبائل جو جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئے تھے اور وہ اپنے آپ کو سفینۂ اسلام کا ناخدا سمجھنے لگے تھے عصبیت ان میں پیدا ہوئی۔ قریش کا اقتدار ان کو اکھرا۔ ان کے لیے حضرات صحابہ کا اقتدار بھی ناقابلِ برداشت ہو گیا۔

ان کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ اہل حجاز کی زمینیں عراق میں رہیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے فروخت کر دینے یا تبادلہ کر دینے کا اہتمام فرمایا۔

اہلِ مصر کو یہ بھی برداشت نہیں ہوا کہ باشندگانِ مدینہ کے وظیفے باقی رکھے جائیں۔ مسطورہ بالا تفصیلات میں یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ

(و) خط و کتابت اور داعیان (کارپردازان تحریک) کے ذریعہ جو پراپیگنڈا کیا گیا وہ ہر جگہ کے عامل اور والی کے خلاف تھا (اس کے علاوہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ)

(ز) یہ شکائتیں فتنہ پردازوں کی تصنیف کردہ تھیں، تعلیماتِ اسلام کے حامل اور ملت اسلامیہ کے حقیقی محافظ حضرات صحابہ اور مرکز اسلام یعنی مدینہ طیبہ کے باشندوں نے نہ یہ شکائتیں کیں نہ شکائتیں کرنے والوں کے ہمنوا بنے (پھر آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ)

(ح) ابتدائی اعتراضات اور تھے اور جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب کا جواب دیدیا اور اہل مدینہ یہاں تک مطمئن ہو گئے کہ حضرت خلیفہ رضی اللہ عنہ سے ان شورہ پشتوں کے قتل کا مطالبہ کرنے لگے تب اُن امرا کا نام لیا گیا جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ قرابت رکھتے تھے۔

(ط) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دینے کے بعد اس پروپیگنڈے کی اور زیادہ ضرورت ہوئی اور خوب ڈھول پیٹ پیٹ کر یہ پراپیگنڈا کیا گیا، کیونکہ ان ننگ انسانیت قاتلوں کے پاس صرف یہی ایک بہانہ تھا جس سے وہ اپنے اس وحشتناک اقدام کی کچھ جوابدہی کر سکتے تھے۔ پھر جب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ کی نوبت آگئی تو اس پروپیگنڈے میں فی الواقع جان پڑ گئی اور یہی جان ہے جو آج تک اس پروپیگنڈے کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ نیکاں برد

حامیانِ صحابہؓ و معاندین کا فرق و امتیاز

حامیانِ صحابہ کے سامنے تاریخ کے وہ کھلے ہوئے واقعات موجود ہیں جو بحمداللہ تعالیٰ کی توفیق سے گذشتہ صفحات میں نقل کیے ہیں، لیکن ان واقعات کی بنا پر تمام ذمہ داری (۱) عبداللہ بن سبا اور ان کے رفقا (۲) اور ان اہلِ عراق (باشندگان کوفہ و بصرہ) پر آتی ہے جو اقتدارِ قریش اور اقتدارِ صحابہ کے مخالف تھے جن کے باغی لشکر ذی مروہ اور ذی خشب و اعوص میں رخت انداز ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کے مستحق بنے۔

مگر جن لوگوں کے دلوں میں معاذ اللہ حضرات صحابہ کی طرف سے بغض و عناد ہے جو عبداللہ بن سبا کے حامی اور فتنہ انگیزوں کے جانشین ہیں ان کی تمام توانائیاں اور تمام صلاحیتیں اس میں صرف ہوتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم قرار دیں وہ گھوم پھر کر ایک ہی تکنک زبان پر لاتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خویش نواز تھے۔

یہ ایک کھلا ہوا فرق ہے اس کو سامنے رکھیے اور ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے بعد ہم سے مسئلہ نہ پوچھیے بلکہ قلم آپ خود اپنے ہاتھ میں لیں اور عبارت لکھنے والے کے متعلق منصفانہ فتویٰ صادر فرمائیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ (قوسین کے درمیان جو عبارتیں ہیں وہ ہماری ہیں)

حضرت عثمان کے خلاف جو شورش برپا ہوئی اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی سبب کے بغیر محض سبائیوں کی سازش کی وجہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی یا وہ محض اہلِ عراق کی شورش پسندی کا نتیجہ تھی تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے۔ (چہ خوب)

اگر لوگوں میں ناراضگی پیدا ہونے کے واقعی اسباب موجود نہ ہوتے اور ناراضگی فی الواقع موجود نہ ہوتی (درست ہے مگر واقعی اسباب مفتوحہ گروہوں کے منتقمانہ جذبات تھے اور ناراضگی اقتدار اسلام سے تھی) تو کوئی سازشی گروہ شورش برپا کرنے اور صحابیوں اور صحابی زادوں تک کو (یہ غلط ہے۔ صرف چار نام لیے جاتے ہیں۔ محمد بن حذیفہ۔ محمد بن ابی بکر۔ عمرو بن الحمق اور حضرت عمار بن یاسر) اس کے اندر شامل کر لینے میں، کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

ان لوگوں کو اپنی شرارت میں کامیابی صرف اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ اپنے اقربا کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے جو طرز عمل اختیار فرمایا تھا۔ اس پر عام لوگوں ہی میں نہیں، بلکہ اکابر صحابہ تک میں ناراضگی پائی جاتی تھی۔ (خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۲۸ و صفحہ ۳۲۹)

(غلط ہے۔ نہ عوام میں ناراضی تھی نہ خواص میں۔ جب یہ شورہ پشت مدینہ منورہ پر چھا گئے تب اقارب عثمان رضی اللہ عنہ کے اقتدار کا ہوا لوگوں کو دکھایا گیا۔ اس وقت کچھ صحابہ نے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے کچھ صورتیں تجویز کیں وہ رفع فتنہ کے لیے تھیں۔ اعتراضات کو صحیح تسلیم کر لینے کی بنا پر نہیں تھیں۔ تفصیل آئندہ آئے گی) (انشاء اللہ)

اقربا نوازی کے الزام کی حقیقت

مودودی صاحب کا الزام یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقربا نوازی کا اثر یہ ہوا کہ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ گئیں۔ (صفحہ ۱۰۱)

اس شورشس کی پوری تاریخ جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے۔ اس سے خود آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام سراسر غلط ہے افترا اور بہتان ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی فعل سے قبائلیت کی کوئی چنگاری نہیں اس چنگاری کو سلگانے والے اہل عراق تھے جن میں بقول علامہ ابن خلدون رگِ جاہلیت پھڑکی اور ممکن ہے عبداللہ بن سبا کی پارٹی ان کی طبیعتوں کا اندازہ لگا کر اس رگ کو پھڑکایا ہو۔

رہ گیا دوسرا اعتراض جس کے متعلق مودودی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

مگر بدقسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ اس معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کیساتھ محسوس کرنے لگے۔ ان کے نزدیک یہ صلہ رحمی کا تقاضا تھا، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ عمر خدا کی خاطر اپنے اقربا کو محروم رکھتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقربا کو دیتا ہوں۔ ایک موقع پر انہوں نے یہ فرمایا کہ ابوبکر بیت المال کے معاملہ میں

اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خود بھی خستہ حال رہیں اور اپنے اقربا۔ کو بھی ایسی حالت میں رکھیں، مگر میں اس پر صلہ رحمی پسند کرتا ہوں۔ (ص۹۹ و ص۱۰۰ خلافت و ملوکیت)

جو صفحات آپ کے سامنے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد آفتاب نیم روز کی طرح روشن اور واضح ہو جائیگا کہ یہ الزامات بھی سراسر افترا اور بہتان ہیں اور خلیفۂ ثالث کا دامن تقدس ان تمام دھبوں سے پاک ہے، مگر حقیقت پسندانہ فیصلہ کے لیے ہمیں پس منظر پر نظر ڈالنی پڑیگی۔ ہمیں اس سرحد پر پہنچنا ہوگا جہاں دورِ فاروقی ختم ہوتا ہے اور خلافتِ عثمانی کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب الفاروق الاعظم رضی اللہ عنہ کے جہاں اور کارنامے بے نظیر ہیں اُن کے دورِ خلافت کا آغاز بھی بے نظیر ہے۔

خلیفۂ اوّل سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایسی مملکت کا سربراہ اور خلیفہ بنایا تھا کہ اس کے اندرونی فتنے ختم ہو چکے تھے۔ مملکت کے ارباب حل وعقد ایک شیرازہ میں منسلک تھے۔ شقاق ونفاق کا نام ونشان نہ تھا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی کہ فاروقِ اعظم نے زمامِ خلافت سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ افواج اسلام کے سالارِ اعظم۔ بے نظیر فاتح اور کامیاب ترین سپہ سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ جن کی فتوحات ہر ایک مسلمان کے لیے باعثِ فخر تھیں مگر اس کے خلاف کوئی شورش برپا نہیں ہوئی۔ بیرون مملکت قیصر وکسریٰ کی تمنائیں کچھ بھی ہوں، مگر شورش کسی طرف نہیں تھی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر اور حسن سیاست نے مملکت کو اس قابل بنا دیا تھا کہ اس کی طرف سے اقدام ہو سکتا تھا، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی وصیت بھی کر دی تھی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اس وصیت کو جامۂ عمل پہنایا۔

اس کے برخلاف سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت خلافت ہوئی تو حالات مختلف تھے۔ پہلا فرق وہ تھا جس کی بنا پر خلیفۂ دوم نے نہ کسی ایک کو نامزد کیا اور نہ کسی ایک کے لیے سفارش فرمائی بلکہ معاملہ چھ حضرات کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیں۔

ایک فرق یہ بھی تھا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کو سازش کا نتیجہ سمجھا گیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منجھلے صاحبزادے عبید اللہ کا یہی احساس تھا جس کی بنا پر آپ نے ہرمزان (سابق والی تستر) کو قتل کر دیا تھا۔ سازش کا قانونی ثبوت فراہم نہیں ہوا۔ اس لیے اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں ہوا، لیکن جس چیز کی شہادت فراہم نہ ہو سکے یہ ضروری نہیں ہے کہ اصل میں وہ چیز موجود بھی نہ ہو جب کہ اس کے وہ قرائن موجود ہوں جس کا تذکرہ چند سطروں کے بعد ملاحظہ سے گزریگا۔

یہ حالات کا فرق اندرونِ ملک تھا اور بیرونِ ملک کا حال یہ تھا کہ گویا ایک آتش فشاں تھا جو سیدنا فاروق اعظم کی شہادت پر دفعتہً پھٹ پڑا۔

غور فرمائیے۔ ایران کا بہت بڑا علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ اس علاقے کے باشندوں کی گردنیں جھک گئی تھیں، مگر ان کے دل رام نہیں ہوئے تھے۔ یزدجرد (شاہ ایران) زندہ تھا اور اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ ظاہر ہے مفتوحہ علاقوں کے پرانے رؤسا اور سابق امراء جو باقی تھے ان کے دل یزدجرد کے ساتھ تھے۔ سیدنا عمر بن الخطاب کی شہادت میں اگر ان کی خفیہ سازش کو دخل نہیں تھا تو یہ تو ضرور تھا کہ اس کو ان سب نے فال نیک سمجھا اور جیسے ہی شہادت فاروق رضی اللہ عنہ کی خبر پھیلی ان سب نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک علم بغاوت بلند کر دیئے تمام معاہدے ختم کر دیئے اور اپنی اپنی جگہ اپنے استقلال کا اعلان کر دیا۔

یہ عراق اور ایران کا حال تھا۔ دوسری جانب شام اور مصر کے وہ علاقے تھے جو بازنطینی شاہنشاہیت کے فرماں رواؤں سے حاصل کیے تھے۔ ان کے متعلق ابن جریر طبری کے الفاظ ہیں۔

جاشت الروم حتی استمد من بالشام من جیوش
المسلمین من عثمان مدداً۔ (طبری ص۴۶ ج۵)

روم میں تلاطم برپا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے جو لشکر
شام میں تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کمک کی درخواست کی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو رپورٹ خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجی اس میں یہ تھا۔

ان الروم قد اجلبت علی بجموع عظیمۃ۔ طبری ص۴۶ ج ۵

روم نے بڑے بڑے لشکروں کو لا کر مجھ پر چڑھائی کر دی ہے۔

اس وقت جبکہ پوری مملکتِ اسلامیہ خطرے میں تھی غور فرمائیے کس نے اس کو سنبھالا۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ وہی لوگ ہتھیلی پر لیے ہوئے سامنے آئے جو بقول مودودی صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔

ولید بن عقبہ نے کوفہ کے محاذ سے اقدام کر کے آذربائیجان اور آرمینیہ وغیرہ کو دوبارہ فتح کیا (طبری ص۴۵ ج۵) ایک روایت کے بموجب شام کی امداد کے لیے بھی آٹھ ہزار مجاہدین کی فوج بھیجی۔ طبری ص۴۶ ج۵

یہ ۲۴ھ کا واقعہ ہے ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر نہیں ہوئے تھے ابھی گورنر کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ تھے (رضی اللہ عنہ) یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ اسی علاقہ میں اسی محاذ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک دوسرے عزیز کا کارنامہ ملاحظہ ہو۔ طبری کی روایت ہے۔

جب حضرت عثمان خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے عبداللہ بن عامر کو کابل بھیجا۔ یہ کابل پہنچے۔ اس علاقہ پر مکمل فتح حاصل کی۔

(طبری ص ۴۴ ج ۵)

شام و مصر کے واقعات علیحدہ بیان کیے جائیں گے۔ (انشاءاللہ) یہ عراق اور کوفہ کا تذکرہ ہے جہاں تقریباً ڈیڑھ سال بعد حضرت ولید بن عقبہ کو گورنر بنایا گیا۔ پھر تقریباً چار سال بعد بصرہ میں عبداللہ بن عامر کو گورنری کا منصب سونپا گیا۔ حضرات مورخین نے ان حضرات کا تعارف کراتے ہوئے ان کارشتہ بھی بیان کر دیا۔

مودودی صاحب جیسے نکتہ چین حضرات نے اس رشتہ ہی کو لے لیا۔ ان کے کارناموں کا مطالعہ نہیں کیا یا تجاہل عارفانہ کے طور پر قصداً نظر انداز کر دیا۔

عقبہ بن ابی معیط بیشک بدترین کافر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کمینہ ترین دشمن تھا۔ حضرت عثمان کی والدہ نے اس سے شادی بھی کر لی تھی، مگر یہ کیا بات تھی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر یہ پورا علاقہ باغی ہو گیا تو اسی عقبہ کے لڑکے ولید کو توفیق ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر ان باغیوں کے مقابلہ پر سینہ سپر ہوا اور اسی نے اس خارج شدہ صوبوں کو دوبارہ اسلامی مملکت میں داخل کیا۔ مودودی صاحب کا یہ فقرہ کتنا مغالطہ انگیز بلکہ توہین آمیز ہے کہ

> حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے انہوں نے کوفہ کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک عزیز سعید بن عاص کو دیدیا۔ (ص ۱۰۰ خلافت و ملوکیت)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ معزول ضرور ہوئے۔ مگر کیا اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس منصب پر اپنے کسی عزیز کو فائز کرنا چاہتے تھے۔ عزیز کو فائز کرنا ہوتا تو پہلے ہی کیوں نہ نامزد کر دیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کا تقرر ہی کیوں کیا تھا جو دورِ فاروقی میں اس منصب سے معزول ہو چکے تھے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہر ایک مورخ یہی لکھتا ہے اور یہی حقیقت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معزولی اس اختلاف کی بنا پر ہوئی جو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہو گیا تھا۔ ہم پہلے تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ اس اختلاف کی صورت میں لامحالہ

ایک کو معزول کرنا تھا جو خدمات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وابستہ تھیں وہ ایسی خوبی سے انجام پا رہی تھیں کہ ان کو معزول کر دینا گویا دین کے ایک ستون کو اکھاڑ دینا تھا۔ آپ کی خدمات کا ایک شعبہ وہ تھا جس کے طفیل میں فقہ خصوصاً فقہ حنفی مرتب اور مدوّن ہوا۔ ان کے مقابلہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو واپس بُلانے میں کوئی ایسا نقصان نہیں تھا۔ لہٰذا ان کو واپس بُلا لیا حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے اب تک فوجی خدمات متعلق تھیں۔ کوفہ کی چھاؤنی ان کا مرکز تھا اور یہیں سے وہ باغی اور سرکش علاقوں کو فتح کر کے اپنا غیر معمولی اثر قائم کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کوفہ کی گورنری کے لیے اس سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہو سکتا تھا جو اس علاقہ کا فاتح ہو۔ اس علاقہ کے فاتح اول حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ آباد کیا تو حضرت سعد ہی کو اس علاقہ کا والی بنایا۔ رضی اللہ عنہ۔ بغاوتوں کے بعد اس علاقہ کے فاتح ولید بن عقبہ تھے۔ اب اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تو سنت فاروقی پر عمل کیا۔ رضی اللہ عنہ۔ مگر مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ماں جایا ہونے کا لحاظ کیا۔ (معاذ اللہ)

یہ بات تو مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ

> اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیئے انہوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی صلاحیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں (خلافت و ملوکیت ص۱۰۸)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر ہوئے تو جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

> یہ سب سے زیادہ ہر دلعزیز گورنر تھے۔ اہلِ کوفہ ان کے گردیدہ تھے اور ان کی حالت یہ تھی کہ قیام گاہ پر پھاٹک تک نہیں لگوایا تھا۔ (طبری ص۵۹ ج۵)

اس کے بعد شورہ پشت شرارت پسندوں کی شرارت کا سلسلہ شروع ہوا ان پر شراب نوشی کا الزام ثابت کر کے ان کو معزول کرایا گیا، لیکن ان شریر شورہ پشتوں کے علاوہ عام باشندگان کوفہ کو ان کی علیحدگی کا اتنا صدمہ ہوا کہ ان لوگوں نے کئی روز تک ماتم کیا۔ (طبری ص۶۲ ج۵)

ہر ایک خدا ترس، صداقت پسند سے اپیل ہے کہ وہ انصاف فرمائیں کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے جس کا الزام اس خلیفہ مظلوم پر لگایا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو گھر سے بلا کر گورنر نہیں بنایا یا نہ چھوٹے عہدے سے دفعتہً بلند کر کے اس منصب پر فائز کیا۔

ولید بن عقبہ اپنی عظیم مجاہدانہ سرگرمیوں سے اس علاقہ کے فاتح بن چکے تھے۔ کیا اس مجاہد فاتح کو پیچھے دھکیل دینا انصاف تھا۔ جس کی شان یہ تھی کہ دَورِ صدیقی کے آغاز سے آج تک مختلف منصبوں پر فائز کئے گئے اور جس منصب پر فائز کئے گئے اس کے لیے بہترین اور موزوں ترین ثابت ہوئے پھر قابلِ توجہ یہ ہے کہ پانچ سال تک کوفہ والوں کی آنکھ کا تارہ بنے رہے۔ الزامات ثابت کرنے میں خواہ کوئی حرکت کی گئی ہو، مگر قانونی طور پر جیسے ہی الزام ثابت ہوا اسی اقربا پرور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ضابطہ کی سزا دلوائی پھر اسی کو معزول کر دیا۔

اقربا پروری کا تقاضا یہ تھا کہ کوفہ کی گورنری سے معزول کیا گیا تھا تو کسی انتظامی یا فوجی منصب پر ان کو مامور کر دیا جاتا مگر اس سلسلے میں کوئی نرمی اس اقربا پرور سے ظاہر نہیں ہوئی۔ دوسری طرف یہ ولید بن عقبہ کی خودداری تھی کہ علیحدگی کے بعد نظامِ حکومت میں رہنا پسند نہیں کیا بلکہ سیاست سے ہی کنارہ کش ہو کر خانہ نشین ہو گئے (الاستیعاب وغیرہ)

یہ عجیب بات ہے کہ مودودی صاحب کو تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد اور عبداللہ بن سبا کی پارٹی والوں کو تقریباً نو سال گزرنے کے بعد یاد آیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ اپنے ماں جائے کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں: "دوسرے قبیلے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے" یہ احساس کب پیدا ہوا؟ تاریخ شاہد ہے کہ خلافتِ عثمانی کے آخری دَور میں اس طرح کی شکایتیں پیدا کرائی گئیں۔ یعنی جب کہ ولید بن عقبہ کے تقرر کو تقریباً نو سال گزر چکے تھے اور تقریباً چار سال ہوئے تھے وہ معزول ہو کر خانہ نشین بھی ہو چکے تھے؟ کیا تاریخ کی کسی بھی کتاب سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت ولید کا تقرر ہوا تو لوگوں میں اس لیے تلخی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ماں جائے ہیں۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ غلط کام کو سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے نہ دین کا مطالبہ (ص ۱۱۶)

مگر مودودی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحیح کام کو سخن سازیوں سے غلط ثابت کرنا کس چیز کا تقاضا ہے۔

حضرت سعید بن العاص

اسی طرح کا معاملہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان کا اتنا تعلق ضرور تھا کہ وہ آپ کے ہم جد تھے مگر سعید بن العاصؓ کو پروان چڑھانے والے سیدنا عمر بن الخطاب تھے (رضی اللہ عنہم)

ان کا تازہ کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے معرکۂ طبرستان میں کامیابی حاصل کی تھی اور ان کے درجہ کا امتیاز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی فوج میں سیدنا حسن حسین۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن زبیر جیسے نوجوان صحابہ اور سیدنا حذیفہ بن یمان جیسے سن رسیدہ بھی شریک تھے (رضی اللہ عنہم)

ان کے تقرر پر نہ کوئی ناگواری ہوئی نہ کسی کو یہ احساس ہوا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ہیں بلکہ خاص ان لوگوں نے جو حضرت ولید بن عقبہ کے مخالف تھے، ان کا خیر مقدم کیا اور وہ پرتپاک استقبال کیا کہ روزانہ انکی محفل میں حاضر ہوتے تھے۔ ناراضی اس وقت ہوئی جب ازخود یا عبداللہ بن سبا کی پارٹی کے اکسانے سے قریشی اور غیر قریشی کا سوال پیدا ہوا جس کی انتہا اس وقت ہوئی کہ جب یہ مدینہ منورہ گئے تو واپسی پر ان کا راستہ روک لیا اور مدینہ واپس ہونے پر مجبور کیا۔ ان تمام کھلے ہوئے واقعات کی موجودگی میں اُن کے تقرر کو شورش کے اسباب میں وہی شمار کرسکتا ہے جس کا ضمیر انصاف اور حقیقت پسندی سے محروم ہو اور جس کا نصب العین یہ ہو کہ جس طرح بھی ہوسکے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دامن کو ملوث اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کو مجروح کرے۔

یہ عجیب بات یہاں بھی ہے کہ اگر بقول مودودی صاحب ان کے تقرر پر تلخی محسوس کی گئی تو اس وقت جب یہ منصب سے برطرف بھی کئے جاچکے ہیں۔ یعنی تقریباً پانچ سال پہلے کا فعل اس وقت تلخی پیدا کر رہا ہے۔ جب تلخی کا مواد بھی ختم ہوچکا ہے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ غلط کام کو سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل اور انصاف کا تقاضا ہے نہ دین کا مطالبہ (ص۱۱۶)

مگر آپ کا یہ ارشاد حضرات صحابہؓ کو مجرم ثابت کرنے کے لیے ہے اور جہاں انکی برأت ثابت ہوتی ہو وہاں آپ کے انصاف کا تقاضا اس کے برعکس ہے۔

اسی طرح کا دجل آمیز۔ پُرفریب جملہ یہ بھی ہے۔

> حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بصرے کی گورنری سے معزول کرکے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۰۱)

گویا عبداللہ بن عامر بیکار تھے۔ کہیں روزگار نہیں مل رہا تھا۔ یا ایک خالی آدمی تھے جو مکہ کی مجلسوں میں اپنا وقت تفریحات میں صرف کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی تھے لہٰذا آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابی

کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی کو ان کی جگہ اس عہدہ پر چپکا دیا۔ (معاذاللہ) یہ تو مودودی صاحب کا حُسنِ ظن ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس الزام کے دو پہلو ہیں (۱) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی (۲) حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کا تقرر۔ ہم دونوں کی وضاحت علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں۔

یہ قطعاً اور صریحاً غلط ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو بلاوجہ محض اپنی کسی ذاتی مصلحت کی بنا پر بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔

مودودی صاحب واقف ہوں یا نہ واقف ہوں مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ کی عظمت اور آپکی جلالتِ قدر سے واقف تھے اور ایسا نہیں کر سکتے تھے، لیکن اُن کو خود اہلِ بصرہ نے مجبور کیا اور اصرار کیا کہ جو کچھ بھی ہو، انہیں یہاں سے ہٹا دو۔

شکایت اور اصرار کرنے کا جو انداز اہلِ بصرہ نے اختیار کیا۔ ہماری ہمت نہیں ہے کہ ہم ان کو اپنے الفاظ میں بیان کریں ہم یہی کر سکتے ہیں کہ نقل کفر کے طور پر ابن جریر کی عبارت کا ترجمہ پیش کر دیں، مگر ترجمہ پیش کر دینے سے پہلے یہ یاد دلا دینا ضروری ہے کہ اسی بصرہ میں وہ گینگ تھا جس کا سربراہ حکیم بن جبلہ تھا جو چوری کیا کرتا تھا اہل ذمہ پر ڈاکے بھی ڈالا کرتا تھا۔ شورش کرنا اور فساد پھیلانا اس کا خاص مشغلہ تھا۔ عبداللہ بن سبا جب بصرہ پہونچا تو اس پارٹی نے اس کی آؤ بھگت کی تھی

طبری ص ۹/۵ تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

اس گینگ کے ہم جنس وہ تھے جن کو قریش کی طرح حضرات صحابہ کی قیادت بھی اکھرنے لگی تھی۔ اکابر صحابہ کی عظمت کو مجروح کرنا ان کا ابتدائی کام تھا۔ اسی قماش کے یہ لوگ ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں:

ہمیں ان کی جو باتیں معلوم ہیں وہ ہم آپ سے کہنا نہیں چاہتے۔ پس ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ان کو بدل دیجیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ ان کی جگہ کن کو پسند کرتے ہو تو غیلان بن خرشہ نے کہا: یہ غلام جس نے ہماری جائدادیں کھالیں (ہڑپ کرلیں) اور جاہلیت کے طریقے ہمارے اندر پھر سے رائج کر دیئے۔ ہر شخص اس غلام کا بدل ہو سکتا ہے (معاذاللہ) ہم اس اشعری کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جو اشعری لوگوں کے سامنے اپنے ملک کی عظمت بیان کرتا ہے اور بصرہ کی تحقیر کرتا ہے۔ کسی جھوٹے کو امیر بنا دو (وہ بھی اس کا عوض ہو سکتا ہے۔ جمیع الناس (عوام الناس) میں سے کوئی متوسط درجہ کا ہو نہ چھوٹا ہو نہ بڑا وہ بھی اسی کا عوض ہو سکتا ہے۔ (طبری ص ۵۵/۵)

اے قریش۔ کیا تم میں کوئی خسیس نہیں ہے کہ اس کو ہمارا امیر بنا کر ہم پر بلندی دیدو۔ کیا تم میں کوئی فقیر نہیں ہے کہ اس کو ہمارا حاکم بنا دو۔ یہ اشعری بوڑھا کب تک ہمارے ان شہروں کو کھاتا رہے گا۔ (ایضاً طبری ج۵ ص۵۷)

(معترضہ) یہ وہی ابوموسیٰ اشعری ہیں رضی اللہ عنہ جن کے قلبِ مبارک میں خود بخود اسلام کا جذبہ پیدا ہوا تھا اور اپنے ساتھ ان کو لیکر جو کم وبیش تیس تھے اپنے وطن سے جو دار الکفر تھا نکل کھڑے ہوئے سمندر طے کرنے کے لیے کشتی پر سوار ہوئے۔ بادِ مخالف نے کشتی کو افریقہ کے ساحل پر پہنچا دیا وہاں حبش میں پہنچ کر وہ سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وغیرہ یعنی ان مہاجرین میں شامل ہو گئے جو مکہ معظمہ سے ہجرت کیے ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے عرصہ کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ بارگاہِ رسالت کے حاضر باش رہے۔ قرآنِ پاک سے ان کو ایسا شغف تھا اور ایسے پیارے انداز سے پڑھا کرتے تھے کہ خود آقا دو جہان نے جن پر قرآن پاک نازل ہوا کرتا تھا اس کی تحسین فرمائی۔ ارشاد ہوا۔

اعطیت مزمارا من مزامیر آل داؤد (متفق علیہ مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

تمہیں حضرت داؤد علیہ السلام کی بانسری (خوش الحانی) عطا کر دی گئی ہے۔

اور اس خفیہ جانفشانی اور بلاکشی کی تو کسی کو خبر ہی نہیں ہے جس کو ایک مرتبہ آپ نے خود ہی بیان کر دیا۔ پھر بعد میں پچھتائے کہ میں نے کیوں بیان کیا۔ ہم تو اپنی جاں کاہ سرگذشت بیان کر دینے کے عادی نہیں ہیں۔ کچھ اہلِ علم میں بات یہ چل رہی تھی کہ غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہم چھ یا سات آدمی ایک غزوہ بن گئے۔ سیّد الانبیاء محبوب رب العالمین ؐ کی رفاقت بابرکت ہم پر سایہ فگن تھی۔ ہم سب کے پاس صرف ایک اونٹ تھا۔ اسی پر یہ چھ آدمی نمبروار سوار ہوتے تھے (اس سنگلاخ میں ہمیں زیادہ تر برہنہ پا چلنا پڑا تھا۔) نتیجہ یہ ہوا کہ پیروں میں زخم ہو گئے میرے ناخون بھی جھڑ گئے۔ ہم زخمی پیروں پر چیتھڑوں کی پٹیاں باندھا کرتے تھے۔ اسی لیے اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کہا جاتا ہے (چیتھڑوں کی پٹیوں والا غزوہ) (بخاری شریف ص۵۹۲)

اشعری۔ وہی اشعری حضرات ہیں جن کے متعلق سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تھا۔ هم منى وانا منهم (بخاری شریف ص۳۳۸) وہ میرے ہیں میں اُن کا ہوں) اور رات کو جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو میں ان کی قرأت کی آواز سے پہچان لیتا ہوں کہ کون کہاں ٹھیرا ہوا ہے۔ (بخاری شریف)

مودودی صاحب الزام لگاتے ہیں کہ خلیفہ سوم کی اقرباء نوازی سے قبائلیت کی چنگاریاں سلگیں مگر ان کی نظر بصرہ

پر نہیں جاتی۔ ابھی وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی کا تقرر نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے ہی وہاں اشعری اور غیر اشعری کا سوال کھڑا کر دیا گیا تھا اور گورنر کی تبدیلی اسی لیے چاہ رہے تھے کہ وہ یمن کا باشندہ اشعری ہے۔ لیکن اہل عراق کی شورش کا ذکر کیا جائے تو مودودی صاحب فرماتے ہیں یہ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے۔ (خلافت و ملوکیت صہ ۳۲۸)

مودودی صاحب کے معیار پر تاریخ کا صحیح مطالعہ یہ ہے کہ موضوع روایتوں کو سامنے رکھ کر الزامات تراشے جائیں اور ناکردہ گناہ خلیفہ شہید کو ملزم اور مجرم گردانا جائے۔

جرم کیا تھا

سیدنا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا جرم کیا تھا جس پر یہ برہمی پیدا ہوئی۔ طبری کی روایت کے پیش نظر جرم یہ تھا کہ آپ نے جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے یہ فرما دیا تھا کہ اگر سواری میسر نہ آئے تو پیدل ہی روانہ ہو جاؤ۔ خلافت عثمانی کے سال سوم کا یہ واقعہ ہے کہ اہل ایذج اور کرد [illegible] پھیل گئی اور کچھ قبیلے (معاذ اللہ) مرتد بھی ہو گئے۔)

سیدنا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تقریر کی۔ آپ نے جہاد کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ پیادہ سفر کرو تو اس میں اور بھی ثواب ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ یا کوئی بھی امن پسند تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ فقرہ سبب فتنہ بن جائیگا لیکن شورش پسند نکتہ چینوں نے اس پر اشتعال پھیلانا شروع کر دیا کہ:

"ابو موسیٰ اشعری جو پاپیادہ سفر کے فضائل بیان کرتے ہیں کیا وہ خود بھی پیادہ سفر کریں گے۔ اگر خود سوار ہو کر جائیں تو ان کی سواریاں چھین لو۔ قول کچھ ہو عمل کچھ۔ اُسے ہرگز برداشت نہ کرو۔"

دیوانہ را ہوئے بس ست۔ وہ پست ہمت بزدل جو جہاد سے جان بچانا چاہتے تھے ان کو بہانہ مل گیا۔ جس روز روانگی کا دن تھا ان کی بھیڑ قصر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پر پہنچ گئی۔ حضرت ابو موسیٰ اور اُن کے رفقاء کا سامان چالیس خچروں پر تھا۔ اس بھیڑ نے خچروں کو گھیر لیا۔ حضرت ابو موسیٰ کی سواری کی باگ پکڑ لی کہ ہمیں پاپیادہ سفر کی ترغیب دیتے ہو خود عمل نہیں کرتے۔ یہ تمام خچر ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم سوار ہو کر جائیں گے۔

بہر حال اس وقت ان فتنہ انگیزوں کو راستے سے ہٹایا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے اور یہ لوگ شکایت لے کر بارگاہ خلافت میں پہنچ گئے۔ (طبری صہ ۵۴ و صہ ۵۵ ج ۵)

یہ ہے وہ تماشہ جس کی انتہا اس پر ہوئی کہ خواہ کسی کو بھیج دو۔ کانے چور کو ہمارا امیر بنا دو۔ مگر ابو موسیٰ کو واپس

سے ہٹادو۔ (طبری ص۵۵ ج ۵)

حضرت عبداللہ بن عامر اور ان کا تقرر

یہ ہے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا قصہ۔ اب حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے تقرر کا قصہ ملاحظہ فرمائیے:

مودودی صاحب کو موضوع روایتوں کے یہ جملے یاد ہیں کہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

عمر خدا کی خاطر اپنے اقربا کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقربا کو دیتا ہوں۔

(خلافت و ملوکیت ص۱۰۱)

مگر ہمارے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ تقریر ہے جو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں فرمائی تھی، جس میں بصرہ اور کوفہ کے لوگ خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے اور ان کو منبر کے قریب بٹھایا گیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس تقریر کے ایک ایک جملہ پر حاضرین سے تصدیق لیتے رہے تھے۔ اور حاضرین تصدیق کرتے رہے تھے۔ یہ وہی تقریر ہے جس کو سننے کے بعد اہل مدینہ کا فیصلہ یہ ہوا تھا کہ اس سازش کرنے والے گروہ کو موت کی سزا دی جائے۔ اس تقریر میں آپ نے برسر عام فرمایا تھا۔

فاما حبی فانہ لم یمل معھم علی جور بل احمل الحقوق علیھم

مجھے اپنے خاندان والوں سے محبت ضرور ہے۔ مگر یہ محبت کسی ظلم پر کبھی ان کے ساتھ نہیں جھکی، بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے۔ (طبری ص۱۰۳ ج ۵)

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ کے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کی عمر تقریباً بیس سال ہے (ممکن ہے پوری طرح داڑھی بھی نہ آئی ہو) کہ آپ ان پر فتح کابل کا بوجھ لاد دیتے ہیں۔

تقریباً یہی عمر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس فوج کا قائد بنایا تھا جو شام پر حملہ کرنے کے لیے مامور تھی۔ حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کی بھی تقریباً یہی عمر تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کی ذمہ داری اُن کے سپرد کی۔ اسلام کا سب سے پہلا حج آپ ہی کے دورِ امارت میں ہوا۔

یہ عبداللہ بن عامر وہ ناز پرورده تھے کہ جب بچپن میں سید الثقلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیش ہوئے تو آپ نے لعاب مبارک اُن کے منہ میں ڈالا۔ یہ اس نونہال کی سعادت تھی کہ اس نے لعاب کو نگل لیا۔ اس سعادت مندی

کا اثر خاطرِ مبارک پر یہ ہُوا کہ آپ نے فرمایا:

ارجو ان یکون سقیا (الاستیعاب صد ۳۵۲ وکذا فی الاصابہ وغیرہ)

مجھے توقع ہے کہ یہ بچہ ہمیشہ سیراب رہے گا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ توقع پوری ہوئی۔ یہ خود بھی خوش حال و سرسبز رہے۔ بقولِ صاحبِ استیعاب

ن شجعاً کریماً حلیماً، میمون البقیبۃ) کثیر المناقب الاستیعاب صد ۳۸۲

اور جو جائداد آپ کی ملک میں آتی تھی۔ اس میں اگر چشمہ نہیں ہوتا تو چشمہ نکل آتا تھا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی اسی توقع کا ظہور تھا کہ آپ نے عرفات میں پانی کے سقائے بنوا دیئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا میرا یہ بچہ سید ہے۔ امید ہے اللہ تعالٰی اس کے ذریعہ دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری شریف صد ۳۷۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جو سیرابی اور شادابی کی دعا دی تھی غالباً اُس کی برکت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اس صلح کرانے میں واسطہ[1] بنے جس کے نتیجہ میں کئی سال کی مُسلسل پریشانی کے بعد اُمّت نے اطمینان اور سکون حاصل کیا اور گلشن اسلام پہ تازگی آئی۔

آپ نے بحکم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کابل کی طرف اقدام کیا۔ سارا علاقہ فتح کر لیا تو بطور اظہارِ شکر حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور جب نیشاپور پہنچے تو احرام باندھ لیا۔ اتنے لمبے سفر میں اتنے طویل عرصہ تک احرام باندھے رکھنا ان کے جذبۂ فداکاری و قربانی کے لیے باعثِ تسکین ضرور ہو گا۔ مگر نظرِ شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت عثمان

---

[1] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو یعنی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے عزیز عبدالرحمٰن بن سمرہ کو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور ہدایت کر دی کہ ان کے یہاں جا کر دھرنا دیدو (واطلبا الیہ) کہ ہم صلح کیے بغیر نہیں جائیں گے اور جو شرطیں آپ پیش کریں گے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اُن کو منظور کریں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا ذمہ دار کون ہوگا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم ہوں گے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان تمام شرائط کو منظور کریں۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرطیں پیش کیں ان کو منظور کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کو منظور کرایا۔ (بخاری شریف صد ۳۷۳)

رضی اللہ عنہ سے آمنا سامنا ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں زاد بھائی کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر کی۔

(الاستیعاب والاصابہ وغیرہا)

یہ بھی آپ کی شخصیت۔ باقی جن لوگوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تھی کہ (معاذ اللہ) یہ بوڑھا ہمارے کام کا نہیں ہے۔ انہیں لوگوں نے اس نوجوان کو سر پر بٹھایا جس کی عمر اب تقریباً ۲۵ سال تھی۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اگرچہ اُن کاملین میں سے تھے جن کو نہ کسی عہدے کے ملنے کی خوشی ہوتی ہے نہ علیحدگی کا غم۔ البتہ اس کا افسوس ہوسکتا ہے کہ آپ کو علیحدہ کرنے کے لیے نہایت بھونڈا طریقہ اختیار کیا گیا اور اس بناء پر جدید تقرر سے بھی ناگواری ہوسکتی تھی۔ لیکن آپ نے بھی اس تقرر پر مسرت ظاہر کی اور خود ہی اہل بصرہ کو نوجوان گورنر کی آمد کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

یأتیکم غلام خرّاج ولاج کریم الجدات والخالات والعمات یجمع لہ الجندان۔

(طبری صہ ۵۵۔ ج ۵)

تمہارے یہاں ایک نوجوان آرہا ہے، نہایت ہوشیار، نہایت چست نجیب الطرفین دونوں لشکر اس کے ماتحت ہوں گے۔

دیگر مورخین

مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ یہ تمام واقعات اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت بہم پہنچاتے ہیں کہ فتنہ کے آغاز کی اصل وجہ وہ بے اطمینانی ہی تھی جو اپنے اقربا کے معاملے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی وجہ سے عوام اور خواص میں پیدا ہوگئی تھی اور یہی بے اطمینانی اُن کے خلاف سازش کرنے والے فتنہ پرداز گروہ کے لیے مددگار بن گئی۔ یہ بات تنہا میں ہی نہیں کہہ رہا بلکہ اس سے پہلے بہت سے محققین بھی کہہ چکے ہیں۔ (خلافت و ملوکیت صہ ۲۲۳) اس کے بعد مودودی صاحب نے تین حضرات کے اقوال نقل کیے ہیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ ہم ان حضرات کی تقلید کیوں کریں جبکہ کھلے ہوئے واقعات ہمارے سامنے ہیں جن کو پہلے بیان کیا جاچکا ہے اور انہیں حضرات مورخین کے حوالہ سے بیان کیا جاچکا ہے جن پر یہ سب حضرات اعتماد کرتے ہیں۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

با این ہمہ ہم ہر ایک کا جواب آگے دیں گے (ان شاء اللہ)۔

شام اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فتوحاتِ شام میں بنو اُمیہ کا حصہ

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں مودودی صاحب کا قلم بڑی تیزی سے رواں ہوتا ہے۔ روانیٔ قلم کا جواب بھی اسی طرح کی روانی سے دیا جا سکتا ہے، مگر یہ خدمت دوسرے حضرات انجام دے چکے ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر صرف وہ اعتراضات اور الزامات ہیں جن کا تعلق سیدنا عثمانؓ سے ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امیر المومنین شہید سیدنا حضرت عثمان بن عفان ذی النورین پر مودودی صاحب کے تین اعتراض ہیں۔

۱۔ یہ طلقاء میں سے تھے

ارشاد ہے: "اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے اور طلقاء سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخری وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم انہیں معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے۔ (ص ۱۰۹)

فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹)

۲۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقہ کو وسیع کیا

فرماتے ہیں:۔
حضرت معاویہ سیدنا عمر فاروق کے زمانہ میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمان نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔ (ص ۱۰۸)

(۳) مسلسل طویل مدت تک ایک ہی صوبہ کی گورنری پر رکھا

حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبہ کی گورنری

پر مامور کئے رکھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان نے ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزیرہ سے ساحلِ بحر ابیض تک کا پورا علاقہ انکی ولایت میں جمع کرکے اپنے پورے زمانۂ خلافت بارہ سال میں ان کو اسی صوبہ پر برقرار رکھا۔ یہی وہ چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔ شام کا یہ صوبہ اس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ (ص ۱۱۵)

حضرت معاویہ اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ یہاں انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہوگیا۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۵)

جوابات

کوئی بات مودودی صاحب کے خلافِ منشا ہوتی ہے تو فرمادیتے ہیں یہ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۶) اور خود آپ کے مطالعہ کے حدود اربعہ وہ موضوع اور ضعیف روائتیں ہوتی ہیں جن سے آپ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر الزام ثابت کرسکیں۔ اسی کتاب میں تقریباً انہی صفحات میں وہ روائتیں ہوتی ہیں جو اس موضوع روایت کی تردید کریں، مگر آپ کی نظرِ تحقیق ان کے مطالعہ کا رخ ہی نہیں کرتی اور اگر مطالعہ میں آتی ہیں تو پھر ان کو نظر انداز کرنے کی وجہ تحقیق طلب ہے۔

ہر ایک صاحبِ بصیرت جانتا ہے کہ حال ماضی کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔ زمانۂ حال کے کسی واقعہ کے متعلق صحیح فیصلہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دورِ گذشتہ کے واقعات یعنی حالیہ واقعہ کا پس منظر سامنے نہ ہو۔

مان لیجیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلیق ہی ہیں اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے (البدایہ والنہایہ ص ۱۱۷ ج ۸)

اور مان لیجیے کہ یہ بات فطری طور پر کسی کو پسند نہیں ہوسکتی تھی کہ طلیق کو آگے بڑھا دیا جائے اور سابقین اولین کو پیچھے ہٹا دیا جائے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹)

تو یہ غلطی سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نہیں تھی وہ اس بارے میں صرف مقلد تھے۔ غلطی کے اصل مرتکب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے کہ آپ نے ایک طلیق کو والئ دمشق بنایا اور مودودی صاحب کے نظریہ کے بموجب حضرت فاروق اعظمؓ نے صرف یہی غلطی نہیں کی تھی بلکہ ایک غلطی اور بھی کی تھی کہ پہلے والئ دمشق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیان تھے۔ ان کی وفات ہوئی تو اسی خاندان بلکہ اسی گھر کے دوسرے ممبر کو یہاں کا والی بنا دیا۔ یعنی میراث جیسی شکل قائم کردی۔

اس سے بڑھ کر ایک غلطی اور بھی کی کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شان وشوکت سے آپ کا استقبال کیا۔ (تلقاہ فی موکب عظیم)

(البدایۃ والنہایہ ص ۱۲۴ - ج ۸)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شاہانہ شان وشوکت پسند نہیں آئی۔ آپ نے اعتراض کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا اس سے حضرت فاروق لاجواب ضرور ہو گئے، مگر انشراح صدر کے ساتھ مطمئن نہیں ہوئے۔ ان تمام باتوں کے مشاہدہ کے باوجود آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے منصب پر قائم رکھا۔ نہ تنبیہہ کی، اور نہ تبادلہ کیا۔

اور آپ لفظ طلیق "طلقا" کا تکلف ہی کیوں برتتے ہیں۔ صاف کہہ دیجیے کہ حضرت معاویہ اسی ہندہ کے بیٹے تھے جس نے جنگ احد کے موقع پر سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا تھا پھر شہداء کے ناک، کان کاٹ کر ان کا ہار بنایا تھا اور سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبایا تھا۔

اور حضرت معاویہ اسی ابوسفیان کے بیٹے ہیں جو اسلام کے مقابلہ میں کفر کا علمبردار اور سید الانبیاء والمرسلین کے مقابلہ میں قریش کا سردار اعظم رہا تھا اور اسی عتبہ کے نواسے اور ولید کے بھانجے تھے، جو غزوۂ بدر میں سب سے پہلے مبارز جنگ میں برد آزما ہوئے تھے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ انہیں "طلقاء" کے متعلق اسی حدیث بلکہ اسی جملہ انتم الطلقاء سے پہلے لفظ کو سخن پروری نہ مانا جائے اور لسان رسالت سے صادر شدہ کلمات کو حقیقت اور حکم شریعت سمجھا جائے تو قطعاً جائز نہیں ہو گا کہ بحث وتنقید کے وقت ان حضرات کی حیثیت گھٹانے کے لیے طلیق ہونے کا طعنہ دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا اذھبوا انتم الطلقاء "جاؤ تم سب آزاد ہو" (تم کو جنگ کے عام قاعدہ کے مطابق غلام نہیں بنایا جاتا) تو اس سے پہلے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ لا تثریب علیکم الیوم۔

"میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا آج کوئی ملامت نہیں"۔

یہی ہندہ جنہوں نے حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا بارگاہ رسالت میں عرض پرداز ہوئیں۔

"یارسول اللہ پشت زمین پر جتنے بھی اہل خباء (خاندان) تھے ان میں سے کسی کے بھی ذلیل ہونے کی مجھے ایسی تمنا اور

آرزو نہیں رہا کرتی تھی جیسی میری تمنا اور آرزو تھی کہ آپ کے اہل بیت ذلیل و خوار ہوں۔ پھر آج حالت یہ ہے کہ پشتِ زمین پر بسنے والوں میں سے کسی کے بھی باعزت ہونے کی مجھے ایسی تمنا اور آرزو نہیں ہے جیسی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت کی عزت ہو اور وہ باعظمت ہوں۔"

سیدالانبیاء، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید نہیں فرمائی بلکہ ارشاد یہ ہوا اور قسم کے ساتھ ارشاد ہوا۔
وایضاً والذی نفسی بیدہ (یہی حالت اپنی بھی ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے)

(بخاری شریف ص ۵۳۹)

غور فرمائیے یہی معاویہ، ابوسفیان اور ہندہ جو کل تک بدترین دشمن تھے، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ کی تمنا ہے کہ ان کی عزت ہو، دنیا ان کی تعظیم کرے۔

یہ مکالمہ مصنوعی نہیں تھا، دونوں نے جو کچھ فرمایا عمل نے اسکی مکمل ترین تصدیق کی۔ اسلام لانے سے چند ہفتے بعد حنین کا معرکہ پیش آیا، حضرت ابوسفیانؓ نے اس میں شرکت کی۔ پھر کچھ دنوں بعد غزوۂ طائف میں شرکت کی اور ایک آنکھ قربان کر دی۔ جنگِ یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ (الاستیعاب)

جنگِ یرموک میں حضرت ابوسفیان جملہ اہل و عیال کے ساتھ شریکِ جہاد تھے۔ پورے لشکر کے قائد حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے اور حضرت ابوسفیانؓ کے صاحبزادے یزید اور معاویہ الگ الگ لشکروں کی قیادت کر رہے تھے۔ اس جنگ میں عورتوں نے بھی بڑی ہمت سے حصہ لیا اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہندہؓ پیش پیش تھیں۔ مجاہدین کو جوش دلاتیں اور فرماتی تھیں، عضدوا الغلفان بسیوفکم

ہاں بہادرو! اپنی تلواروں سے ان غیر مختون نامردوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۱-۱۴۲)

دوسری طرف سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بارانِ شفقت موسلا دھار تھی (دایں طرفہ تماشہ ہیں)

مکہ پر حملہ ہو رہا تھا تو اسی ابوسفیان کو یہ شرف بخشا گیا کہ اعلان کیا گیا کہ جو ابوسفیان کی حویلی میں پہنچ جائے اس کو امان

(مسلم شریف۔ ص ۱۰۴۔ ج ۲۔ باب فتح مکہ)

غزوۂ حنین کے بعد اموالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو تمام خاندانوں میں سب سے زیادہ اسی خاندان کو نوازا اور اسی کو عزت بخشی۔

صفوان بن امیہ، قیس بن عدی، اقرع بن حابس جیسے سردارانِ قریش کو جن کی تعداد تقریباً دس ہے۔ سو سو اونٹ دیئے۔ پچیس تیس سردارانِ قبائل کو پچاس پچاس اونٹ دیئے، لیکن حضرت ابوسفیان اور ان کے صاحبزادوں (حضرت یزید اور حضرت معاویہ) کو تین سو اونٹ اور ان کے علاوہ بارہ سو اوقیے چاندی بخشی (جس کا وزن پندرہ سیر سے زیادہ ہوتا ہے)

(سیرت ابن ہشام وطبقات ابن سعد وغیرہما)

مودودی صاحب کی یہ بات غلط نہیں ہے کہ

"فطری طور پر یہ بات پسند نہیں آسکتی تھی کہ سابقین اوّلین جنہوں نے اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا پیچھے ہٹا دیئے جائیں۔

(خلافت وملوکیت۔ ص ۱۰۹)

مگر اس موقع پر یہ فطری ناپسندیدگی امتحان کا پرچہ بن گئی تھی جن کا ایمان کامل تھا وہ کامیاب ہوئے اور جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ راندۂ درگاہ ہو گئے۔

حضراتِ انصار کے کچھ نوجوانوں کی زبان پر آیا کہ انعامات ان کو دیئے جا رہے ہیں جن کے خون کے قطرے ہماری تلواروں سے اب تک ٹپک رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ انصار کو طلب فرما کر دریافت فرمایا۔ حضراتِ انصار نے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی سنجیدہ شخص نے یہ نہیں کہا کچھ ناسمجھ نوخیز ہیں جن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں نے کچھ غیر معمولی عطیات دیئے ہیں، مگر میرا مقصد یہ ہے کہ اسلام سے مانوس ہو جائیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو اس نعمتِ عظمیٰ کی طرف توجہ دلائی جو پوری نوع انسان میں حضراتِ انصار کے لیے مخصوص ہوئی تھی ارشاد ہوا:۔

"کیا تمہاری خوشی کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو لے کر اپنے گھروں کو واپس ہو، جبکہ لوگ اونٹوں اور بھیڑوں اور بکریوں کے گلّے لے جا رہے ہوں۔"

فوراً ان عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شیدایانِ ملّت کی آوازیں بلند ہوئیں۔

بلیٰ یا رسول اللہ قد رضینا — بیشک یا رسول اللہ ہماری خوشی یہی ہے۔ ہم اسی پر راضی ہیں ہم کو صرف رسول اللہ درکار ہیں۔

حضراتِ انصار کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہاں تک کہ داڑھیاں تر ہوگئیں۔

(بخاری شریف۔ ص ۵۴۴ و ۶۲۱ وغیرہ و فتح الباری)

یہ تھے پاکبازانِ با اخلاص، پختہ مغزانِ عشق جو سربلندیٔ اسلام کے لیے اپنے آپ کو فنا کر چکے تھے۔ یہاں سربلندیٔ اسلام اسی میں تھی کہ ان کو پیچھے رکھا جائے اور ان کو انعامات سے نوازا جائے جو اب تک نورِ ایمان سے محروم تھے جن کے دلوں میں اب تک عشقِ مولیٰ اور حبِ رسول کی چنگاریاں نہیں سلگی تھیں ان عطیات کو عشق و محبت کی چنگاریاں بنانا مقصود تھا۔

ان بزرگوں نے محبوبِ رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اقدام کو نہایت مُبارک اور مسعود سمجھا کہ اس سے بیگانے یگانہ اور ناآشنایانِ عشق آشنا بن جائیں گے۔

لیکن جن کے دِلوں میں نورِ ایمان کے بجائے نفاق کی ظلمت بھری ہوئی تھی جن کے پاس دعوے بہت کچھ تھے، مگر عمل کا نام و نشان نہیں تھا انہوں نے اس کڑوے انداز سے تنقید کی کہ زبانِ مبارک سے صادر ہوا کہ۔

"اللہ تعالےٰ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ انکو اس سے بھی زیادہ ایذا دی گئی اور وہ صبر کرتے رہے۔

(بخاری شریف ص ۶۲۱ و ۴۴۶ وغیرہما)

ایک موقع پر اسی طرح کی تنقید ذوالخویصرہ نے بھی کی تھی کہ یہ سر سر انصاف کے خلاف ہے۔ ان سے زیادہ ہم مستحق ہیں۔ یارسول اللہ خدا کا خوف کیجیے۔

اس کے گستاخانہ اعتراض پر سیّدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو جوش آگیا، عرض کیا یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ ارشاد ہوا اسکی اجازت نہیں۔ یہ نماز پڑھتا ہے اور مجھے اس کا حکم نہیں ہے کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر دیکھوں۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی، البتہ یہ فرمایا کہ اس کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے وہ ہوں گے جو اتنی نمازیں پڑھیں گے اور اس طرح تلاوت کیا کریں گے کہ تم ان کے مقابلہ میں اپنی نمازوں اور اپنی تلاوت کو ہیچ سمجھو گے۔ مگر ان کی تلاوت نوکِ زبان تک ہوگی۔ دِلوں کے سنگلاخ اسی طرح تاریک رہیں گے۔ جن میں نورِ ایمان کی کرن تک نہ ہوگی۔

(بخاری شریف ص ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۷۳ وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی پوری ہوئی اور یہ ذوالخویصرہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خوارج ...دت کرتے ہوئے مارا گیا۔ (بخاری شریف)

پھر یہ انعامات وقتی نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب یہ فرمادیا گیا تھا۔ " لا تثریب علیکم الیوم" آج کوئی ملامت نہیں، سب کچھ فراموش۔ تو اب آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان کے طبعی جوہروں اور فطری صلاحیتوں پر تھی۔ "ہر کسے را بہر کارے ساختند" کا رمز شناس آپ سے زیادہ کون ہو سکتا تھا۔ خود آپ کا ارشاد ہے۔ "الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ (صحاح) جس طرح سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں انسان بھی (مختلف صلاحیتوں کے) معدن اور کان ہوتے ہیں۔

چنانچہ انہیں طلقاء کو جو کل تک اسلام کے حق میں تخریب کار تھے اب نظامِ اسلامی کے مختلف شعبوں کا ذمہ دار اور حکومت اسلام کا کارپرداز بنادیا۔

بیت اللہ شریف اور حرم محترم کی ذمہ داریاں ان کو سپرد کیں جو خاندانی طور پر ذمہ دار ہوتے چلے آرہے تھے۔ پورے مکے کے نظم و نسق کا ذمہ دار حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ جو جوہر لعل رکھتے تھے اگرچہ ابھی عمر مبارک کے بیس دَور بھی پُورے نہیں کیے تھے۔ (زاد المعاد۔ ص ۳۲ ج ۱ والاستیعاب ص ۱۵۳)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کا امیر (الاستیعاب۔ ص ۷۱۰۔ زاد المعاد ص ۳۲۔ ج ۱) ان کے صاحبزادے (حضرت یزید بن ابی سفیان) کو "بنی فراس" کا عامل مقرر فرمادیا۔ (الاصابہ ص ۳۴۱۔ ج ۶) ابوجہل کے فرزند (سیدنا عکرمہ بن ابی جہل) کو قبیلہ ہوازن کا عامل (الاستیعاب۔ ص ۵۲۷) حضرت عثمان بن ابی العاص کو طائف کا (الاستیعاب ص ۴۹۶) حضرت ابان بن سعید بن العاص کو بحرین کا۔ (الاستیعاب۔ ص ۳۵) امیر مقرر فرمایا (وغیر ذالک) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بہرحال ایک طرف فطری طور پر پسند و ناپسند ہے جس کا سہارا مودودی صاحب لے رہے ہیں۔ دوسری طرف تمام غلط سہاروں اور بہانوں کو ختم کر دینے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اور طریقہ کار (پالیسی) ہے۔ سوال یہ ہے کہ خلیفۂ راشد پر کیا واجب تھا۔ فطری طور پر پسند و ناپسند کی منطق کی تقلید واجب تھی یا آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل خلیفہ راشد کا دستور العمل بن سکتا تھا۔

پاسِ قرابت

مان لیجیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رشتہ داروں کی رعایت کی، مگر کیا اسی جذبہ کی بنا پر جو ہمارے اندر ہوتا ہے جو بسا اوقات ہمیں جاہلانہ عصبیت پر آمادہ کیا کرتا ہے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شِیر

واقعہ یہ ہے۔ اگر ہم اپنے جذبات پر قیاس کریں اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نفس مبارک میں اپنے جذبات کو اچھلتا کودتا دیکھنا چاہیں تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جیسے ہی بحیثیت خلیفہ اختیارات حاصل ہوئے تھے ان سب رشتہ داروں کو گولی کا نشانہ بناتے یا حبس دوام کی سزا دیتے جن کو انہوں نے بقول مودودی صاحب غیر معمولی طور پر نوازا۔ یہ رشتہ دار وہی تو تھے کہ جیسے ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ان سب کے خون سفید پڑ گئے تھے۔ محبت کا نام و نشان ختم ہو گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچانا اور پریشان کرنا ان کے کفر اندوز دلوں کا جذبہ بن گیا تھا۔

مروان چچا کا بیٹا تھا، مگر عم محترم کا سلوک کیا رہا۔

حضرت عثمان ادھیڑ عمر کے ایک شریف انسان، گھر کے رئیس، شہر میں باعزت، علم و فضل میں مشہور۔ آپکے چچا حکم بن العاص کو جب معلوم ہوا کہ عثمان مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک اسلام سے باز نہیں آؤ گے تمہیں اسی طرح جکڑ بند رہنا ہو گا۔ (طبقات ابن سعد۔ ص ۳۸۔ جلد ۳)

یہ ایذا رسانی کی ابتدا تھی، انتہا یہ تھی کہ تمام ریاست، دولتمندی اور خوشحالی کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اطمینان نصیب نہیں ہوا، مکہ معظمہ کی زندگی دوبھر ہو گئی، چنانچہ سب سے پہلا کیمپ جس نے کفار کی مصیبتوں سے تنگ آ کر مکہ چھوڑا اور حبشہ میں جا کر پناہ لی اس میں سرفہرست سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے۔

کچھ عرصہ بعد توقع ہوئی کہ شاید رشتہ داروں کے دل کچھ نرم ہو گئے ہوں، آپ اور آپ کے رفقاء حبشہ سے واپس آئے، مگر اب ایذا رسانی کے کانٹے پہلے سے کہیں زیادہ تیز تھے اور خطرات کا جنگل پہلے سے زیادہ بھیانک ہو چکا تھا۔ مجبوراً آپ کو دوبارہ حبشہ واپس ہونا پڑا۔

ان ظالم رشتہ داروں کے ساتھ رعایت و مراعات نفس کشی تو ہو سکتی ہے خویش پروری نہیں ہو سکتی، مگر مودودی صاحب کو حقائق سے کیا واسطہ۔ انہیں تو الزام اور طعن کے لیے بہانہ کی تلاش رہتی ہے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است

سیاستِ نبوی

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ طلقاء جن کو فتح مکہ کے موقع پر معافی دی گئی ایک طاقت تھے۔ یہی طاقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ اسلام کا مقابلہ کرتی رہی۔ یہ ہو سکتا تھا کہ اس طاقت کا قلع قمع کر دینا نصب العین بنایا جاتا، لیکن اس طرح قوم کی ایک طاقت ختم ہو جاتی اور ظاہر ہے اس کے ختم کر

دینے میں اپنی طاقت بھی صرف کر دینی پڑتی۔ یعنی قومی نقطۂ نظر سے دوہرا نقصان برداشت کرنا پڑتا۔ ایک طاقت کا خاتمہ اور اپنی طاقت کا صرف بیجا۔ ممکن ہے کوئی کشور کشا، ملک گیر اس پالیسی کو اختیار کر لیتا، لیکن وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی پوری طاقت اس میں صرف کرتا تھا کہ دوزخ کی طرف دوڑنے والوں کی کمریں[1] پکڑ پکڑ کھینچے اور راہ جہنم سے ان کو الگ کرے۔ کب ممکن تھا کہ وہ ان طلقاء کو اپنے سے متنفر کر کے جہنم کے راستہ پر لگا دے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشفقانہ تدبر تھا کہ اس طاقت کو برباد کرنے کے بجائے اس کو کام پر لگایا اور خود مودودی صاحب اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ یہ لوگ جہاں بھی رہے انہوں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۸)

بنوامیہ کا تعلق شام سے

قریش کا تعلق شام سے بہت پرانا تھا۔ قصیٰ جس نے قریش کی منتشر طاقت کو مجتمع کر کے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالا تھا اور مکہ میں از سر نو قریش کو آباد کیا تھا اس کی پرورش اس کی ننھیال بنی قضاعہ میں ہوئی تھی۔ یہ قبیلہ شام کی طرف آباد تھا۔ پھر جب قصی نے بنو خزاعہ کا مقابلہ کیا تو کہتے ہیں کہ اسمیں شہنشاہِ روم کی مدد بھی شامل تھی۔ (معارف ابن قتیبہ)

قصیٰ کے پوتے عبد شمس کے متعلق تو ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں کان رجلا سفارا قلما یقیم بمکۃ۔ سفر کرنے کا بہت عادی تھا مکہ میں اس کا قیام بہت ہی کم ہوتا تھا، لیکن اس کے بیٹے حضرت ابو سفیان کے دادا امیہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ہاشم کے مقابلہ میں ہار گیا تو شام چلا گیا تھا اور دس سال وہاں رہا۔ (کامل لابن اثیر ج ۲)

مکہ میں جمہوری طرز کا جو ایک نظام قصی کے زمانے سے قائم تھا اس میں فوجی قیادت کا منصب عبد شمس اور اس کے بعد اس کے لڑکے امیہ کے سپرد تھا اس لیے ان کا تعلق مکہ معظمہ سے منقطع تو نہیں ہوا، مگر چونکہ امیہ دولت مند تاجر بھی تھا اس لیے دس سالہ قیام کے علاوہ بھی امیہ کا تعلق شام سے رہا۔

امیہ کے بعد اس کا بیٹا "حرب" مشغلۂ تجارت کے ساتھ اس منصب کا ذمہ دار رہا۔ منصبِ قیادت کو ہم وزارتِ جنگ سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ جنگ کے موقع پر ہی ان کو فرائضِ قیادت انجام دینے پڑتے تھے۔ قریش کی مشہور لڑائیاں جو ذات نکیف، جنگ عکاظ، فجار اول، فجار دوم کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ سب حرب بن امیہ کی قیادت میں لڑی گئیں۔

(تاریخ مکہ ازرقی ص ۱۱۵ ج ۱) (مطابع دار الثقافہ مکہ مکرمہ)

[1] انا اخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیھا۔ (بخاری شریف)

حرب کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان ان خاندانی خصوصیتوں میں اپنے باپ کا جانشین تھا۔ وہ تاجر بھی تھا اور قائدِ حرب بھی۔ ایک ہزار اونٹوں کا عظیم الشان تجارتی قافلہ لے کر شام گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قافلہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا یہ ابوسفیان کی ہوشیاری تھی کہ اس نے راستہ بدل کر قافلہ کو صحیح سالم مکہ پہنچا دیا اور قریش کو مشتعل کر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر کھڑا کر دیا۔ جس سے غزوۂ بدر کبریٰ پیش آیا۔

غزوہ بدر نتیجہ کے لحاظ سے قریش کے حق میں پیش خیمۂ فنا تھا، لیکن ابوسفیان نے جس ہوشیاری سے کام لیا اس نے ابوسفیان کو قریش مکہ کا مسلمہ لیڈر بنا دیا۔ چند سال تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتا رہا۔ غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں قریش کا قائد ابوسفیان ہی تھا، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جیسے ہی کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ابوسفیان پھر شام پہنچ گیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہنشاہ روم ہرقل کے نام اپنا دعوتی فرمان بھیجا اور حضرت دحیہ اس فرمان کو لیکر ایلیا پہنچے جہاں شہنشاہِ روم مقیم تھا تو ان ایام میں ابوسفیان ایلیا پہنچا ہوا تھا۔ (بخاری شریف۔ ص ۴ وغیرہ)

اہل مکہ خصوصاً اولادِ امیہ کے یہی تعلقات تھے جن کی بنا پر شام کی جنگی مہمات میں ان حضرات سے خاص طور پر کام لیا گیا۔ طبری کی روایت ہے کہ ۱۲ھ میں جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے شام کی مہم کے لیے فوجیں مہیا کیں۔ خاص خاص حضرات کو سپہ سالار بنا کر فوجوں کو روانہ کیا۔

سب سے پہلا شخص جس کو امیر الافواج بنا کر شام بھیجا۔ وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے خلفِ رشید یزید بن ابی سفیان تھے (رضی اللہ عنہ)

کان اول الامراء الذین خرجوا الی الشام وخرجوا فی سبعۃ الاف (طبری۔ ص ۲۸۔ ج ۴)

جو حضرات عشر وصدقات وصول کرنے پر مامور تھے (مقامی امراء) ان کو بھی جہاد کی دعوت دی۔ اس دعوت کو سب نے ہی قبول کیا اور اپنی اپنی جگہ نائب مقرر کر کے مجاہدین میں شریک ہو گئے۔ اسی لیے ان کی فوج کو جیش البدال کہا گیا۔

(طبری۔ ص ۲۹۔ ج ۴)

خاص خاص حضرات کو خاص طور پر دعوت دی۔ مثلاً حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ بھی بہتر ہے، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ایسی خدمت سپرد کر دوں جو دین اور دنیا کے لحاظ سے اس سے بہتر ہو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

میں اسلام کا ایک تیر ہوں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے تیر انداز بنایا ہے۔ آپ تیر جمع بھی کرتے ہیں اور پھینکتے بھی ہیں۔ جو نشانہ سب سے زیادہ سخت، سب سے زیادہ خطرناک اور عنداللہ سب سے افضل ہو، اس تیر کو (عمرو بن العاص کو) اسی نشانہ پر مار دیجیے۔

حضرت ولید بن عقبہ کو بھی جو قضاعہ کے محاصل وصول کرنے پر مامور تھے۔ (طبری۔ص ۲۹۔ ج ۴) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی مضمون کا خط تحریر فرمایا۔ ان کا جواب بھی یہی آیا کہ وہ جہاد میں قربان ہونے کو اور موجودہ خدمت کے مقابلہ میں محاذ پر جانے کو بہتر اور افضل سمجھتے ہیں۔ فاجابه بایثار الجهاد (طبری۔ص ۲۹۔ ج ۴)

جب جوابات آگئے تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر الافواج بنا کر فلسطین کی طرف روانہ کیا۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو امیر الافواج بنا کر اردن اور ایک بہت بڑے لشکر کا امیر حضرت یزید بن ابی سفیان کو بنایا اور حمص کی طرف ان کو روانہ کیا۔ اس لشکر میں حضرت سہیل بن عمرو جیسے مکہ کے ممتاز حضرات اور ان کے علاوہ وہ بہت سے مجاہدین تھے جنہوں نے دعوتِ جہاد پر لبیک کہا تھا (بقول علامہ طبری جمھور من انتدب له) جب اس لشکر عظیم کو رخصت کیا تو بہت دُور تک حضرت ابو بکر اس کے ساتھ پیدل تشریف لے گئے۔ (طبری۔ص ۳۰۔ ج ۴)

اس کے بعد اور مجاہدین کا لشکر تیار ہو گیا تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو ان کا امیر بنایا اور حکم دیا کہ حضرت یزید کی مدد کے لیے پہنچ جائیں (طبری۔ص ۳۰۔ ج ۴)

فتوحاتِ شام کی تاریخ بیان کرنی مقصود نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین وغیرہ کے اندرونی جھگڑوں سے فراغت پالی تو شام کی طرف توجہ فرمائی، جہاں غزوۂ موتہ (۸ھ) سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شرکتِ جہاد کے لیے اگرچہ آپ کی دعوت عام تھی، مگر بڑھ چڑھ کر حصہ انہی اہل مکہ نے لیا جو طلقاء تھے۔ گویا اس طرح ان بزرگوں نے اپنی سابق کوتاہیوں کی تلافی کی۔

اہلِ مکہ میں حضرت ابو سفیان اور ان کے متعلقین بھی تھے جو آخر تک قریش مکہ کے قائد اور سربراہ رہے تھے۔ ان کی اس قائدانہ حیثیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہ حضرت ابو سفیان اور آل سفیان کی خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔

طرفین کے اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ حضرت یزید بن ابی سفیان آگے آئے اور سب سے پہلے انہیں کو جند عظیم کا امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔

روانگی کی شان عجیب تھی۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ سوار تھے اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت یزید برداشت نہ کر سکے تو عرض کیا کہ یا خلیفۂ رسول آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ مجھے اپنے ساتھ پیدل چلنے کی اجازت دیجیے۔ فرمایا نہ تمہیں اترنے کی ضرورت نہ میں سوار ہوں گا۔ میں جو قدم رکھ رہا ہوں اس میں ثواب کی امید لگائے ہوئے ہوں۔ (مؤطا امام مالکؒ ص ۱۶۷۔ باب النہی عن قتال النساء)

چند ماہ تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں نے جنگ یرموک تک پہنچا دیا۔ جو تاریخ کی مشہور جنگ اور اس علاقہ کا سب سے بڑا فیصلہ کن معرکہ تھا۔ جس نے رومی شہنشاہیت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلیے شام کے علاقہ سے محروم کر دیا۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لیے فوج کی ترتیب اس طرح کی تھی کہ فوج کے جو پانچ حصے مشہور ہیں ۱۔ میمنہ ۲۔ میسرہ ۳۔ قلب ۴۔ عقب ۵۔ مقدمہ، ان میں سے ہر ایک حصہ کو کئی کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ ٹکڑیاں موجودہ اصطلاحات کے لحاظ سے شاید کمپنیاں کہلائیں۔ اس وقت انکو کردوس کہا گیا تھا۔ ان کی تعداد ۳۶ ہو گئی تھی، ہر کردوس میں کم و بیش ایک ہزار مجاہدین تھے، ہر ایک کردوس کا ایک افسر تھا اور کئی کئی کردوسوں پر ایک افسر اعلیٰ۔ حضرتِ خالد رضی اللہ عنہ قائدِ اعظم تھے۔ ان کردوسوں کے افسروں میں زیادہ تعداد انہی طلقاء کی تھی۔ مثلاً ابوجہل کے فرزند حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ۔ ابوجہل کے پوتے عمرو بن عکرمہ، امیہ بن خلف کے فرزند حضرت صفوان بن امیہ (رئیس مکہ) عتبہ بن ربیع کے ایک فرزند ہاشم بن عتبہ (رئیس مکہ) سہیل بن عمرو، خالد بن سعید، ہبار بن سفیان بن عبدالاسد المخزومی۔ ایک کردوس کے افسر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمٰن بھی تھے۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ (طبری ص ۳۳، ۳۴۔ ج ۴)

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس محاذ پر پہلے سے کام کر رہے تھے، مگر جنگ یرموک میں خود حضرت ابوسفیان بھی شریک ہوئے اور اپنے تمام ہی اہل بیت کو لے آئے۔

طبری کی روایت ہے کہ جنگِ یرموک میں عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوئیں اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ان میں حضرت ابوسفیان کی لڑکی جویریہ بھی شامل تھیں۔ جویریہ کے شوہر (حضرت ابوسفیان کے داماد) بھی اس جہاد میں شریک تھے۔ (طبری۔ ص ۳۶۔ ج ۴)

پہلے گذر چکا ہے کہ زوجۂ ابوسفیان حضرت ہندہ جو غزوۂ احد میں ترانے گا گا کر قریش کو جوش دلا رہی تھیں یہاں اس کے کفارہ کے طور پر مسلمانوں کو جوش دلا رہی تھیں کہ ان غیر مختون نامردوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

(فتوح البلدان ص ۱۴۱ و ۱۴۲)

خود حضرت ابوسفیان کردوسوں (فوجی کمپنیوں پر چکر لگا رہے تھے) اور جگہ جگہ تقریریں کر رہے تھے۔
اللہ۔ اللہ۔ تم محافظین عرب اور مددگارانِ اسلام ہو، وہ محافظین روم اور مددگاران شرک ہیں۔ قوموں کی تاریخوں میں جو بڑے بڑے معرکے پیش آئے ہیں۔ یہ معرکہ ایسا ہی بڑا معرکہ ہے۔ یہ فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اے اللہ اپنے بندوں پر اپنی نصرت نازل فرما۔ (طبری۔ ص ۳۴۔ ج ۴، فتوح البلدان۔ ص ۱۴۲)

آپ گشت کر رہے تھے کہ ایک تیر آپ کی آنکھ میں لگا اور اس طرح گڑ گیا کہ خود حضرت ابوسفیان نہیں نکال سکے۔ حضرت ابوحثمہ نے اسکو نکالا۔ (طبری۔ ص ۳۶۔ ج ۴)

معترضہ (۱) پہلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے حضرت عمر بن الخطاب نے ربیعہ، مضر، اور بنی اسد وغیرہ قبائل عرب کو دعوت دی تھی اور فرمایا تھا میں ملوکِ عرب سے ملوکِ عجم پر ضرب لگاؤنگا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی اس طرح کا جملہ ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن ان کا عمل ہمارے سامنے ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اہل شام پر اہل مکہ اور ان کے حلیفوں کے ذریعہ ضرب لگائی۔ اہلِ مکہ نے دادِ شجاعت دی۔ تین ہزار مجاہدین اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ان میں سے جن کے نام حضراتِ مؤرخین محفوظ رکھ سکے وہ کئی ہی ہیں۔ مثلاً عکرمہ خلف ابوجہل۔ عمرو بن عکرمہ (نبیرۂ ابوجہل) سلمہ بن ہشام (برادر ابوجہل) عمرو بن سعید۔ ابان بن سعید، خالد بن سعید، ہبار بن سفیان بن عبدالاسد المخزومی، ہشام بن العاصی۔ طفیل بن عمیر بن وہب، ہبار بن سفیان (یہ سب مکہ معظمہ کے ممتاز حضرات میں سے تھے)

(۲) ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اس وقت تک حضرت ابوسفیان قریش کے قائدِ اعظم تھے۔ یہی امیر الحرب ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما کر ابوسفیان کا مکان بھی پناہ گاہ ہے جو وہاں پہنچ جائے گا۔ مامون رہے گا۔ ابوسفیان کو پھر ایک طرح کی قائدانہ حیثیت عطا فرما دی۔
جنگ یرموک میں اگرچہ ابوسفیان امیر الحرب نہیں تھے، مگر جس ولولہ کے ساتھ خود ابوسفیان ان کی اہلیہ محترمہ لڑکوں

اور لڑکیوں نے اس جہاد میں شرکت کی۔ اس نے ابوسفیان اور ان کے ہر دو فرزند یزید اور معاویہ کی نمایاں حیثیت کو اور مستحکم کر دیا۔

(۳) مودودی صاحب یہ الزام امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سر تھوپتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھا کہ یہاں انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جما لیں۔

(خلافت و ملوکیت ص ۱۱۵)

مگر یہ مودودی صاحب کی کوتاہ بینی، تاریخ سے ناواقفیت اور سراسر لاعلمی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی جڑیں اس وقت جم چکی تھیں جب غزوۂ یرموک اور اس سے پہلے اور بعد کی لڑائیوں میں ان حضرات نے قوت ہمت اور حسنِ تدبر سے کام کیا تھا۔

(۴) اس محاذ پر جملہ افواجِ اسلام کے قائدِ اعظم حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تھے جن کی جنگی مہارت اور غیر معمولی کامیابیوں نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دشمن طاقتوں کو بھی حیرت زدہ اور خوف زدہ کر رکھا تھا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی محتاط طبیعت کو انکی کچھ باتیں ناگوار تھیں۔ تو جیسے ہی زمامِ خلافت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو باوجودیکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہیبت انگیز معرکوں میں مصروف تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پہلا کام یہی کیا کہ انکو قیادتِ عظمیٰ کے منصب جلیل سے معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو افسرِ اعلیٰ اور قائدِ اعظم بنا دیا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ جو قدیم الاسلام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو یمن کے ایک علاقہ کا والی بنا رکھا تھا۔ پھر جب علاقۂ شام میں معرکے شروع ہوئے تو انہوں نے قائدانہ حیثیت سے جہاد میں شرکت کی۔ ذی المروہ وغیرہ کی جنگ انہی کی قیادت میں لڑی گئی، لیکن ان کی بھی کچھ باتوں سے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اختلاف تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اصرار کر کے انکو عہدہ سے معزول کرایا۔ (طبری۔ ص ۲۸ و ۳۰۔ ج ۴)

لیکن سیدنا حضرت یزید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل اعتماد حاصل رہا۔

چنانچہ دمشق فتح ہوا۔ تو اس کے سب سے پہلے امیر حضرت یزید بن ابی سفیان بنائے گئے (طبری۔ ص ۵۶۔ ج ۴)

حضرت یزید تقریباً چھ سال تک امیر کی حیثیت سے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ ان کے اعلیٰ کردار اور حسن اخلاق کی بناء پر انکو "یزید الخیر" کہا جاتا تھا۔ طاعون پھیلا۔ اس میں حضرت یزیدؓ کی وفات ہو گئی تو سیدنا ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو گورنر بنا دیا۔ (الاستیعاب۔ ص ۲۶۱) یعنی بھائی کی جگہ بھائی کو جو ابوسفیان کے فرزند دوم تھے۔

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شام و فلسطین و اردن

شہادت فاروق اعظمؓ کے بعد جنگ کی پالیسی میں تبدیلی

مودودی صاحب جیسا شخص جو ایک جماعت کا امیر بھی ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا علم قیادت بلند ہو، ضروری ہے کہ وہ صاحب الرائے، صائب الفکر ہو اس کا ظرف بھی وسیع ہونا چاہیئے، اور کسی موضوع پر کچھ لکھے تو اس کا مطالعہ بھی وسیع ہونا چاہیئے ۔ مگر افسوس ہمارا تجربہ اس کے خلاف ہے ۔ مثال ملاحظہ ہو۔ تحریر فرماتے ہیں :

حضرت معاویہ اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے
انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں ۔ (صـ۱۱۵)

آپ نے یہ اعتراض مختلف پیرایوں میں بار بار دہرایا ہے ۔ مثلاً ص ۱۰۸، ۲۰۵ ۳ وغیرہ ، لیکن یہ اعتراض وہی کر سکتا ہے جو فہم و فراست ، انصاف و دیانت ، فکر و دانش سے کام نہ لے یا وہ واقعات سے ناواقف اور اس کا مطالعہ تاریخ کے چند صفحات تک محدود ہو یا بغض و عناد نے اسکی فہم و فراست اور انصاف پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا ہو۔

واقعات کو نظرِ انصاف سے ملاحظہ فرمایئے آپ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ صورت ہرگز نہیں ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس صوبہ کی حکومت سے الگ کر سکتے تھے اور الگ نہیں کیا۔ بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو الگ کرتے تو ملت کے حق میں بہت بڑی خیانت کرتے اور مملکت اسلامیہ کے مفادات کو خود اپنے ہاتھ سے فنا کے گھاٹ اتار دیتے ۔ اس معمہ کا حل ملاحظہ فرمایئے ۔

پہلے گزر چکا ہے کہ جیسے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملک سے باہر پہنچی تو شکست خوردہ قوموں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ مخالف طاقتیں مملکت اسلامیہ پر ٹوٹ پڑیں ۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقہ پر رومی فوجوں نے ایسی یورش کر دی کہ حضرت معاویہ جو دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے اس وقت مرکز سے امداد لینے پر مجبور ہوئے چنانچہ کم و بیش دس ہزار مجاہدین کی فوج ان کی امداد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے بھیجی گئی ۔

(تاریخ طبری ص ۲۴۶ ۔ج ۵) تفصیل پہلے گزر چکی ہے ۔

پالیسی میں تبدیلی شام اور فلسطین کا پورا علاقہ فتح ہو چکا اور تطہیر جزیرۃ العرب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی کی تعمیل ہو گئی تو سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قائدینِ افواج کو اقدام کی اجازت نہیں دی۔

شام کے امیر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ ان کو قبرص پر حملہ کی اجازت دی جائے حضرت معاویہ نے یہ بھی لکھا کہ یہ علاقہ شام کی سرحد سے اتنا قریب ہے کہ رات کو اس طرف کتے بھونکتے ہیں تو انکی آواز اس طرف سنائی دیتی ہے۔ مگر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اقدام کی اجازت نہیں دی۔ (طبری ص ۵۔ ج ۵)

ممکن ہے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہو کہ تسخیر مملکت کے بجائے دلوں کو مسخر کرنا زیادہ مفید اور دعوتِ اسلام کے مقصد کے عین مطابق ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی کا اثر یہ ہوا کہ شہنشاہ روم نے فوجی طاقت بڑھانے کے بجائے سیدنا فاروق اعظم سے دوستانہ تعلقات بڑھانے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ گویا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک باخدا رہنما ماننے لگا چنانچہ حضرت عمر فاروق کو لکھا۔

مجھے ایسی بات تحریر فرمایئے جو فہم و دانش کا مخزن ہو۔ گویا پورا علم اس میں سمویا ہوا ہو۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا۔

احب للناس ما تحب لنفسك واكره لهم ما تكره لنفسك۔

سب انسانوں کے لیے وہ چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو اور جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کیلیے بھی پسند نہ کرو۔

ایسے ہی سوالات اور بھی کیے۔ جن کے دانشمندانہ جوابات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیئے گئے۔ استفادہ اور افادہ سے بڑھ کر تحفوں اور ہدیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ایک اہلیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اُمِّ کلثوم تھیں۔ انہیں کچھ خیال آیا۔ انہوں نے شہنشاہِ روم کی بیوی کو کچھ چیزیں بطور ہدیہ بھیجیں۔

ملکۂ روم اس غیر متوقع نوازش سے اتنی خوش ہوئی کہ اس نے گویا ایک جشن منایا۔ عورتوں کو دعوت دیکر بلایا اور کہا

شاہ عرب کی بیگم نے جو اُن کے نبی کی نواسی بھی ہے۔ یہ ہدیہ بھیجا ہے۔ ان سے میری خط وکتابت بھی رہتی ہے۔ مجھے اس کا کیا جواب دینا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں بھی کچھ تحفے بھیج رہی ہوں۔

ملکۂ روم نے جو ہدیئے بھیجے اُن میں ایک بہت قیمتی ہار بھی تھا۔ یہ قیمتی ہدیئے ملکۂ اسلام کے پاس پہنچے تو شہنشاہِ اسلام سیّدنا فاروق اعظم کی شان دوسری تھی۔ آپ نے فوراً ایک عام اجتماع کیا۔ پہلے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

جو کام مشورے کے بغیر کیا جائے اُس میں "خیر" نہیں ہوتا۔ اُمّ کلثوم نے کچھ تحفے ہرقل کی بیوی کو بھیجے تھے اس نے یہ قیمتی چیزیں ہدیہ میں بھیجی ہیں۔ آپ حضرات مشورہ دیں کہ ان کا کیا کرنا چاہیئے۔

حاضرین نے جواب دیا کہ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہدیہ کے جواب میں ہدیہ بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا جس نے ہدیہ بھیجا تھا اس کو یہ چیزیں ملنی چاہیئں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ لیکن قاصد تو سرکاری تھا۔ جس سواری پر سفر کیا وہ سرکاری تھی اور اس کا اثر تمام ملکوں پر پڑا ہے کہ آپ سب اس کو بڑی بات سمجھ رہے ہیں۔ پھر یہ انفرادی اور شخصی بات کیسے رہی۔ اس میں تو سب مسلمانوں کا حصّہ ہے، چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان ہدایا کو فروخت کرا کر قیمت بیت المال میں داخل کرادی، البتہ حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا جو خرچ ہوا تھا وہ ان کو دلوا دیا۔ (طبری ص ۷۲ - ج ۵)

شہنشاہِ روم اور اسکی بیوی کا یہ تعلق سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ خانہ سے تھا جس میں کہیں جنگ وجدل اور حرب وقتال کی بو نہیں آتی۔

ممکن تھا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا مشفقانہ انداز بارآور ہوتا اور اسی راہ سے دعوتِ اسلام کا عظیم ترین مقصد کامیابی کی منزل تک پہنچ جاتا۔

لیکن شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خبر خدا جانے کیسی بجلی تھی جس نے سفید فام رومیوں کے دلوں کی سیاہی کو ایک دم نمایاں کردیا۔ جیسے ہی یہ خبر پھیلی یہی رومی دوست دشمن بن گئے اور اُن کے لشکروں نے شام کو اسطرح گھیر لیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مرکز سے امداد طلب کرتے ہوئے لکھنا پڑا۔

ان الروم قد اجلبت علی المسلمین بجموع عظیمة[۱] (طبری ص ۴۶ - ج ۵)

---

[۱] روم نے مسلمانوں پر بڑے بڑے لشکروں سے چڑھائی کر دی ہے۔

اب معاملہ صرف دفاع کا نہیں رہا، بلکہ سوال پالیسی کا ہوگیا۔ یعنی یہ سوال پیدا ہوگیا کہ دشمن کی موجودہ پوزیشن کو ختم کرنے کے بعد ہماری جدوجہد صرف سرحدوں کی حفاظت کے انتظام تک محدود رہنی چاہیئے یا ایسا اقدام کرنا چاہیئے کہ دشمنوں کی ہمتیں پست ہوجائیں اور وہ آئندہ اس طرح یورش نہ کرسکیں۔ نیز یہ کہ ہماری مملکت کی آخری حدود یہی رہنی چاہیئیں، جواب ہیں یا ان حدود کی حفاظت کے لیے ہمیں کچھ آگے بڑھ کر دفاعی لائن قائم کرنی چاہیئے۔

جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اصرار تھا کہ قبرص پر حملہ کی اجازت دی جائے، مگر حضرت فاروق اعظم نے اجازت نہیں دی۔ اب پھر موقع آیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ قبرص پر حملہ صرف ایک چھوٹے سے جزیرے پر حملہ نہیں تھا جو اتنا قریب ہے کہ وہاں سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ بلکہ قبرص پر حملہ کرنے کے معنی یہ تھے کہ۔

۱۔ رومیوں کی رگِ حمیت پر ضرب لگائی جارہی ہے۔

۲۔ اب تک رومیوں کو اپنے ملک یعنی جزیرۃ العرب سے نکالا تھا اب انکی ایسی نوآبادی پر حملہ کیا جارہا ہے جس سے کوئی جغرافیائی، نسلی یا مذہبی تعلق عربوں کا نہیں ہے۔

۳۔ عرب بری (خشکی کی) جنگ کے عادی تھے اس میں انہوں نے غیر معمولی فتوحات حاصل کیں اب ان کو بحری جنگ کے لیے ابھارا جارہا ہے جس کا ان کو پہلے سے تجربہ نہیں ہے۔

۴۔ عربوں کی بحری طاقت صفر ہے۔ ایسی حالت میں ان کو ایسی شاہنشاہیت کے مقابلہ پر لایا جارہا ہے۔ جس کی بحری طاقت بے پناہ ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ احساس ۳ و ۴ کا تھا وہ اس کو درست نہیں سمجھتے تھے کہ مہارت اور طاقت کے بغیر بحری جنگ کا سلسلہ شروع کیا جائے ایسی حالت میں کہ ناکامی یقینی ہو اقدام جائز نہیں، چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہی تحریر فرمایا کہ میرے نزدیک ایک مسلمان کی جان روم کی پوری مملکت سے زیادہ محبوب ہے۔

تا اللہ لمسلم احب الی مما حوت الروم (طبری ص ۵۲، ج ۵)

اس کے علاوہ ایران کے معرکوں سے بھی ابھی پوری طرح فراغت نہیں ہوئی تھی یزدجرد شاہ ایران زندہ تھا اور کسی

ریشہ دوانی جاری تھی اور فاروق اعظم کی فراست وبصیرت ان جراثیم کو بھی دیکھ رہی تھی جو ایران میں موجود تھے جو آگے چل کر خطرۂ عظیم بننے والے تھے، ایسی صورت میں بہت مشکل تھا کہ عربوں کو بحری محاذ پر کھڑا کر دیا جاتے۔

اب اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبرص پر حملہ کی اجازت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ایسی جنگ کا ذمہ وار بنایا جارہا ہے جس کا عرض وطول بہت وسیع ہو سکتا ہے جو ساحل افریقہ سے آگے بڑھ کر یورپ تک پہنچ سکتا ہے۔ جس کے لیے بحری طاقت بھی فراہم کرنی ہوگی۔ جہازوں کی تیاری کے لیے بہت بڑا سرمایہ، سرمایہ کیساتھ بیشمار کاریگر انجینئر اور بحری جنگ کے ایسے ماہر بھی فراہم کرنے ہونگے جو عربوں کو بحری جنگ کی مشق کرائیں۔

مودودی صاحب کے دماغ پر تو صرف ایک بات مسلط ہے کہ حضرت معاویہ، حضرت عثمان کے ہم جد تھے۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ ان کو دمشق کی گورنری سے یک قلم برخاست کر دیتے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بات عقل سلیم سے بہت بعید ہے۔

یہ درست ہے کہ ایران کے محاذ پر بہت ہی خطرناک صورت درپیش تھی۔ جب سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت سعد بن ابی الوقاص رضی اللہ عنہ کو امارت کوفہ سے معزول کیا تھا اور بہت ہی نازک صورت شام کے محاذ پر درپیش تھی جب سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو ان کے منصب سے معزول کیا تھا۔ اس محاذ کی سب سے بڑی جنگ، جنگِ یرموک کا میدان گرم تھا یا اسکی ہما ہمی تھی۔ جب سیدنا خالد بن الولید کے پاس منصب سے معزولی کا فرمانِ فاروقی پہنچا تھا، مگر سیدنا سعد بن ابی الوقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق اہلِ کوفہ نے شکایتی میمورنڈم پیش کیا تھا جو اگرچہ سراسر بے بنیاد تھا، مگر بہرحال پیش کیا گیا تھا ہمارے سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے متعلق اگرچہ عوام کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی بلکہ عوام میں ان کی غیر معمولی شہرت ومقبولیت تھی، مگر خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اُن سے بہت سخت شکایت تھی، لیکن سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ کمال بہت ہی زیادہ قابلِ قدر اور حیرت انگیز ہے کہ ان کے متعلق نہ اس وقت تک کوئی شکایت بارگاہ خلافت تک پہنچائی جاسکی نہ ان کے آئندہ دورِ حکومت میں کوئی شکایت عوام کی طرف سے پیش ہوئی نہ جلیل القدر خلیفہ دوم اور خلیفہ سوم کو ان سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ ایسی صورت میں ان کو معزول کیا جاتا تو وہ دماغ کی بات نہ ہوتی بلکہ بے دماغی کی کھلی دلیل اور دین وملت کے حق میں بہت بڑی خیانت ہوتی۔

پالیسی بدلنے کی ضرورت اس بات کی معقولیت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ رومیوں کی غداری نے جب مملکتِ اسلامیہ کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا تھا تو مملکت اسلامیہ کے ذمہ داروں کو پائیدار تحفظ کی صورتیں سوچنی تھیں اور ان کو عمل میں لانا تھا۔

بحری جنگ کا آغاز سیّدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مدبر اس اقدام کی اجازت طلب کر رہا تھا تو لامحالہ اقدام کے لوازم سے واقف ہوگا۔ یعنی سامانِ جنگ اور سرمایہ وغیرہ ضروریات اقدام کا بھی اس کو اندازہ ہوگا اور پیش آنے والے خطرات کا بھی اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اس کا کچھ انتظام بھی کر لیا ہوگا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی اجازت ملی۔ بڑے ولولہ اور جذبے سے انہوں نے اقدام شروع کر دیا پھر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس طرح ان کی حمایت فرمائی اس نے ان کے ولولہ میں اور اضافہ کر دیا۔

سیّدنا ابوذر غفاری، حضرت مقداد، حضرت ابو درداؓ، حضرت شداد بن اوس جیسے اکابر صحابہ اس فوج میں شریک تھے اُن کے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور انکی اہلیہ محترمہ "ام حرام" بھی تھیں۔ (طبری ص ۵۱، ج ۵) ان کیساتھ وہ پروانہ بشارت بھی تھا جس کو سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز عطا فرمایا تھا۔ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حجرہ کو راحت کدہ بنایا تھا۔

محترمہ ام حرام بنت ملحان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی تھیں آپ ان کے یہاں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک روز کھانا ان کے یہاں تناول فرمایا پھر کچھ آرام فرمایا۔ بیدار ہوئے تو لب مبارک پر تبسم تھا۔ حضرت ام حرام نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ آپ کو ہمیشہ خنداں و شاداں رکھے اس وقت تبسم کیسا۔ فرمایا میرے سامنے میری امّت کے وہ غازی فی سبیل اللہ پیش کیے گئے جو اس سمندر کے سینے پر سوار ہو کر سفر کریں گے۔ اس شان سے جیسے تخت نشین بادشاہ ہوں۔

محترمہ ام حرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ دعا فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ ان میں مجھے بھی شامل فرمادے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی پھر آپ مشغول استراحت ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی تو لب مُبارک اسی طرح تبسّم فرما تھے حضرت ام حرام نے سبب دریافت کیا تو پھر وہی جواب دیا گیا کہ میرے سامنے میری امت کے ایسے غازی پیش کیے گئے جو سینۂ سمندر پر سوار ہو کر شاہانہ انداز سے سفر کریں گے۔

جب تک ہر محاذ پر مکمل کامیابی حاصل نہیں ہو گئی تو ہر ایک صاحب انصاف کو یقین کرنا پڑا کہ دربارِ رسالت کا یہ فیض یافتہ فولادی انسان نہیں، بلکہ عزم و استقلال کا پہاڑ ہے۔ اس کے لیے شہید کا خطاب جو لسانِ رسالت سے صادر ہوا بالکل صحیح ہے اور وہ یقیناً اُن میں ہے جن کے صبر و استقامت اور عزم و استقلال کے پرتو سے اُحد جیسا لرزتا ہوا پہاڑ بھی سکون اختیار کر لیتا ہے۔

علاقہ میں توسیع

آپ شام کا نقشہ سامنے رکھیے: دمشق کا کوئی بھی کنارہ سمندر سے ملا ہوا نہیں ہے۔ سامنے کوہ لبنان ہے۔ پھر ساحلِ سمندر صوبہ لبنان ہے۔ اس کے ایک جانب فلسطین۔ دوسری جانب شمال کی طرف حمص اور جانب جنوب میں اردن۔ دمشق کا نہ کوئی بندرگاہ ہے نہ کوئی بندرگاہ ہو سکتا ہے۔ لبنان یا فلسطین جب تک راستہ نہ دیں اہل دمشق سمندر تک نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا معاویہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں صرف دمشق کے والی اور امیر تھے اور اگرچہ طبری کی تحقیق یہ ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب ہی نے علاقہ اُردن اُنکی ولایت میں داخل کر دیا تھا، مگر فرض کر لیجیے یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے علاقہ اُردن ان کے سپرد کیا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب اس محاذ کا ذمہ دار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا تو کیا خلیفہ کا فرض نہیں تھا کہ انکی قوت میں اضافہ کرے۔

دورِ خلافتِ راشدہ کے مالی اور فوجی نظام کی تفصیل تو بہت طویل ہے، لیکن اس مختصر بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علاقوں کے والی (گورنر یا کمشنر) اگرچہ صلح و جنگ کی پالیسی طے کرنے میں مرکز کے محتاج اور اسی کے تابع ہوتے تھے، مگر اپنے علاقے کے تحفظ اور دفاع کی ذمہ داری زیادہ تر ان گورنروں پر ہی ہوتی تھی کسی شدید ضرورت کے وقت ہی مرکز سے امداد دی جاتی تھی ورنہ اپنے میزانیہ (بجٹ) کے ذمہ دار وہ خود ہوتے تھے۔ شریعت کی مقرر کردہ حدود کی پابندی لازمی ہوتی تھی۔ حدودِ شریعت سے باہر نہ کچھ وصول کیا جا سکتا تھا نہ خرچ، لیکن خرچ کے لیے جائز آمدنی کا اضافہ حکومت صوبہ کے ذمہ ہوتا تھا۔ اب غور فرمایئے اس محاذ پر جیسے جیسے جنگ کے دامن پھیلتے رہے۔ کیا اس کے مصارف کا تحمل وہ کر سکتا جس کی آمدنی کے ذرائع حدود دمشق تک محدود ہوں اقدام کی اجازت دینا اور ذرائع آمدنی میں توسیع نہ کرنا، سراسر ظلم تھا نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بلکہ مفادِ ملت کے حق میں عظمتِ اسلام کے حق میں۔

یہ معاملہ اردن اور حمص کا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اضافہ اسی لیے کیا گیا کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ عظیم کے بڑھتے ہوئے مصارف پورے کر سکیں۔ باقی رہ گئے لبنان اور فلسطین وہ اگر الگ رکھے جاتے اور ولایتِ معاویہ

حضرت ام حرام نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمادے، فرمایا تم پہلے غازیوں میں ہوگی۔ (بخاری شریف ص ۳۹۱، ۴۰۳، ۴۰۴ مسلم و ترمذی وغیرہ)

ارشادِ گرامی آئینہ مشیتِ خداوندی تھا۔ حرف بحرف صادق ہوا، یہ محترمہ جب اس غزوہ سے واپس ہو رہی تھیں اپنی سواری سے سر کے بل گریں اور شہید ہوگئیں۔ اس غزوہ کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تیاری کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ سفر شاہانہ شان سے ہوا تھا اور جب یہ غازی خواب یا مشاہدہ روحانی میں اسی شان کے ساتھ فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے گئے تو اس شان و شوکت نے منظوری بھی حاصل کرلی۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شام میں جب حضرت معاویہ کی شاہانہ شان دیکھی تھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسکی جو مصلحت بیان کی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تھی نہ تردید، مگر رویاء صادق اور پیغمبرانہ خواب میں جب سینہ سمندر پر سوار غازیوں کی شاہانہ شان نے شرف پسندیدگی حاصل کیا تو مستحق مبارکباد ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہ اُن کی مصلحت نے بھی شرف منظوری حاصل کرلیا جس طرح مستحق مبارکباد ہیں اس بحری سفر کے تمام مجاہد کہ لسان رسالت نے ان کو غازی فی سبیل اللہ" فرمایا۔ زہے قسمت۔

اس اقدام کے نتیجہ میں جو غیر معمولی فتوحات ہوئیں جس نے مملکت اسلامیہ کی حدود کو یورپ اور افریقہ تک پہنچا دیا۔ ان کا بیان کرنا موضوع سے خارج ہے۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ کی شہادت نے ایسا انقلاب برپا کیا کہ دوست ممالک دشمن بن گئے۔ جس حوصلہ اور بلند آہنگی سے حملہ آور طاقتوں کا دفاع کیا گیا وہ بھی قابلِ قدر ہے لیکن اس سے بھی زیادہ قابلِ قدر یہ ہے کہ دفاع کے بعد اقدام کی ہمت کی گئی۔ حالات نامساعد تھے۔ اس طرف شہنشاہِ روم کی فوجیں تھیں تو دوسری طرف ایران کا وسیع علاقہ تھا جہاں جگہ جگہ بغاوت ہو رہی تھی اور اس نوعمر مملکت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جارہی تھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا حوصلہ بھی قابلِ قدر ہے کہ آپ شہنشاہِ روم کی طاقت سے ٹکرانے کے لیے آگے بڑھے، مگر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور قابلِ صد ستائش خلیفہ سوم کا حوصلہ تھا جو اپنی عمر کے ستر سال پورے کر چکا تھا اور یقین کیا جاتا تھا کہ دولت کے سایہ میں یہ ناز پروردہ تن سیمیں، فولادی انسان نہیں بن سکتا، لیکن جب اس نے بیک وقت ایران، مصر اور شام کے تینوں محاذوں پر اقدام کی پالیسی اختیار کی اور اس وقت تک اس کو نباہتا رہا

رضی اللہ عنہ میں ان کو داخل نہ کیا جاتا تو اس کی مثال ایسی ہوتی کہ بحری جنگ کا ذمہ دار گورنر سندھ کو بنا دیا جاتے اور کراچی اس کے حوالے نہ کیا جاتے اس کا حکمران کوئی اور ہو۔

پھر جب اس بڑھتی ہوئی جنگ کا تقاضا یہ ہو کہ مملکتِ اسلامیہ کے ساحلی علاقوں کو محفوظ کیا جائے اور اس تحفظ کے لیے بحری بیڑہ بھی رکھنا ضروری ہو تو جب تک لبنان اور فلسطین اس کے زیرِ نگیں نہ ہوں تو کیا حاکم دمشق کے لیے ممکن تھا کہ بحری بیڑہ تیار کر لیتا اور مملکت اسلامیہ کے ساحلی علاقوں کو محفوظ کر دیتا۔

یہ کھلی ہوئی باتیں اور واضح حقیقتیں ہیں۔ ان میں نہ سخن سازی ہے نہ تصنع اور تکلف، لیکن تعجب ہے مودودی صاحب ان کھلی ہوئی باتوں کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں اور کیوں الزام لگا رہے ہیں کہ حضرت عثمان نے انکی گورنری میں دمشق۔ حمص۔ فلسطین۔ اردن اور لبنان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۸)

بیشک جمع کر دیا، مگر رشتہ دار کی رعایت کے لیے یا اُس فرض کو انجام دینے کے لیے جو آپ پر بحیثیت خلیفہ واجب اور لازم تھا؟

صورتِ توسیع

ان علاقوں کے امراء کو اگر معزول کر دیا جاتا یا بدل دیا جاتا تو مصالح جنگ کے لحاظ سے وہ بھی غلط نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے معزول کسی کو نہیں کیا بلکہ حمص و قنسرین کے والی حضرت عمیر بن سعد اپنی طویل علالت کے باعث استعفے پر مجبور ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ کوئی والی مقرر نہیں کیا۔ بلکہ اس ضلع کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صوبہ میں داخل کر دیا۔ (طبری ص ۶۹۔ ج ۵) والئ فلسطین حضرت عبدالرحمٰن بن علقمہ کنعانی تھے۔ [۱]

لطیفہ

مودودی صاحب اس انداز سے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ جیسے فلسطین، لبنان، اردن اور حمص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاقہ میں شامل کر کے مملکتِ اسلامیہ کا بڑا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ ان سب کی حیثیت کمشنری سے زیادہ نہ تھی۔ اگر مبالغہ سے کام لیا جائے تب کہا جا سکتا ہے کہ حمص کا علاقہ کمشنری کے برابر تھا اور نہ علاقہ حمص و قنسرین ایک کلکٹری کی برابر تھا۔ فلسطین و لبنان اور اردن کے

---

[۱] ان کی وفات ہو گئی تو اس علاقہ کو بھی حضرت معاویہؓ کے صوبہ میں داخل کر دیا۔ اسی طرح اردن کی شمولیت بھی حاکم اردن کی وفات کے بعد ہوئی۔ (طبری ص ۶۹۔ ج ۵)

حدود ایک ایک کمشنری سے زیادہ نہیں ۔ ان سب کو ملانے کے بعد بھی پورا علاقہ شام مملکت اسلامیہ کا آٹھواں یا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ عراق، نجد، حجاز، مصر، ایران وغیرہ کے علاقے جو پورے شام کی برابر یا اس سے بھی زیادہ تھے مملکت اسلامیہ کے صوبے تھے۔

یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے اور حضرات صحابہ کے باہمی نزاعات کے بارے میں نہ لب کشائی درست ہے نہ خامہ فرسائی ۔ اس لیے ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔

تبادلہ کیوں نہیں کیا

مودودی صاحب بغض صحابہ کے مرض میں مبتلا اور شیعی پروپیگنڈے سے متأثر ہیں یہی وجہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں آپ "دیوانہ را ہوئے بس است" کی مثال بن جاتے ہیں ۔ بظاہر یہ اعتراض شیعوں کا ہے۔ جس کو آپ نے اپنا لیا ہے کہ :۔

حضرت معاویہ کو مسلسل ۱۶ - ۱۷ سال تک ایک ہی صوبے کا گورنر رہنے دینا شرعاً ناجائز نہ تھا، مگر سیاسی تدبّر کے لحاظ سے نامناسب ضرور تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خواہ مخواہ کسی قصور کے بغیر ان کو معزول کر دیا جاتا۔ صرف یہ بات کافی تھی کہ ہر چند سال کے بعد ان کا تبادلہ ایک صوبے سے دوسرے صوبے کی گورنری پر کیا جاتا رہتا۔ اس صورت میں وہ کسی ایک صوبے میں بھی اتنے طاقتور نہیں ہو سکتے تھے کہ کسی وقت مرکز کے مقابلہ پر تلوار لے کر کھڑا ہونا ان کے لیے ممکن ہوتا (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۵ - ۳۲۶)۔

اس بات کو آپ نظر انداز کر دیجیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت صرف بارہ سال ہے اور آپ پر الزام وہ لگایا جا رہا ہے جس کی عمر ۱۶ - ۱۷ سال ہے۔ مودودی صاحب کی اس انصاف پسندی سے صرف نظر کرتے ہوئے ان حالات پر نظر ڈالیے جو سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی شہادت کے بعد اس محاذ پر پیش آئے جن کو تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے ۔ ان واقعی حالات کو سامنے رکھا جائے تو گویا مودودی صاحب کا منشاء ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سیاسی تدبّر یہ ہوتا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد۔

(الف) جب رومی فوجیں یورش کرتے ہوئے شام میں گھس آئی تھیں اور حضرت معاویہ اپنی پوری طاقت نیز مرکز سے مدد حاصل کر کے ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔

(ب) یا جب دشمن فوجوں کو دھکیلنے کے بعد قبرص پر حملہ کر رہے تھے کہ مملکتِ اسلامیہ اس کے خطرہ سے آئندہ محفوظ رہے۔

(ج) یا جب دفاعی طاقت کو مضبوط کرنے کے لیے بحری بیڑا ترتیب دے رہے تھے۔

(د) یا جب فتح قبرص کے بعد اس علاقہ کی مخالف طاقتوں کو زیر کرتے ہوتے ہیبتِ اسلام کا سکہ انکے دلوں پر بٹھا رہے تھے۔

(ہ) یا جب اس محاذ کے سب سے بڑے معرکہ میں جو "غزوۃ الصواری" کے نام سے مشہور ہے جس میں شہنشاہِ روم قسطنطین اپنی پوری فوجی طاقت مسلمانوں کے استیصال کے لیے میدان میں لے آیا تھا۔ (طبری ص ۶۸، ۶۹، ج ۵)

سیدنا حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما غیرت اسلام اور حمیت و شجاعت کے وہ جوہر دکھا رہے تھے جنہوں نے مخالف پرچموں کو سرنگوں اور پرچم اسلام کو ہمیشہ کے لیے سربلند کیا۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سیاسی تدبر یہ ہوتا کہ خاص ان حالات میں حضرت معاویہ کو معزول نہ کرتے تو کم از کم ان کا تبادلہ کر دیتے۔ آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ مودودی صاحب کا یہ ارشاد کہاں تک صحیح ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ان غزوات سے فراغت کے بعد موقع تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تبادلہ کر دیتے لیکن اسوقت اس زمانہ کا آغاز ہو چکا تھا جب حضرت عثمان کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کا تبادلہ کر کے اس کے تلخ نتائج کا تجربہ کر رہے تھے۔ ان تبادلوں کا نتیجہ یہ تھا کہ جب بلوائیوں کے خلفشار سے کچھ پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صوبجات کے امراء کا اجتماع کیا تو نہ گورنر بصرہ کوئی اطمینان بخش بات کہہ سکے نہ گورنر کوفہ۔ البتہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قد ولیتنی ولیت قوما لا یاتیک عنهم الا الخیر۔ (طبری ص ۹۹۔ ج ۵)

آپ نے مجھے حکومت کا ایک منصب عطا فرمایا ہے۔ آپ نے ایک ایسی قوم کا حاکم بنایا ہے کہ اس سے آپ کو بھلائی ہی پہنچے گی۔

اس موقع پر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ آپ کے ساتھ شام تشریف لے چلیں تو ان شرارتوں سے محفوظ رہیں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے آقا رسول اللہ ﷺ کے شہر اور اپنے

دارالہجرت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت معاویہ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں یہاں ایک فوج مقرر کر دوں، فرمایا اس سے اہل مدینہ کو پریشانی ہوگی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے متعلق بہت خطرہ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب تھا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

بہرحال یہ درست ہے کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مضبوط امیر اور گورنر تھے اور یہ بھی درست ہے کہ ان کی جڑیں جمی ہوئی تھیں، مگر یہ مضبوطی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خویش نوازی کی رہین منت نہیں تھی، بلکہ جڑیں تو اس وقت جمی تھیں جب فتوحاتِ شام کے سلسلہ میں اُن کے پُورے گھرانے (باپ بھائی، والدہ، بہن، بہنوئی) نے غیر معمولی قربانیاں پیش کی تھیں، کیونکہ حضرت ابوسفیان کا خیال تھا کہ ہم نے اسلام لانے میں دیر کی ہے۔ اس لیے ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اب ہم سابقین اولین کے ہم دوش جب ہی ہو سکتے ہیں کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے غیر معمولی قربانیاں پیش کریں۔ (البدایۃ والنہایۃ۔ ص ۱۱۸۔ ج ۸)

پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل نہیں بلکہ محض اللہ کا لطف و کرم تھا کہ اُس نے اس خاندان کو غیر معمولی قربانیاں پیش کرنے اور عظیم الشان خدمات انجام دینے کا موقع بھی عنایت فرمایا۔ مثلاً حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد رومیوں نے یورش کی اور اس محاذ کے حالات نے اقدام کا تقاضا کیا تو جس بلند آہنگی اور اولوالعزمی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس تقاضے کو پورا کیا۔ اس میں حضرت عثمان کے کسی فعل کو دخل نہیں تھا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ اس نے حضرت معاویہ کو یہ توفیق بخشی۔ یہ توفیق ایک کرامت تھی جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہوئی۔ یعنی صرف پانچ چھ سال کے عرصہ میں فتوحاتِ اسلام کا دائرہ آپ کی زیرِ قیادت کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ ایک مضبوط بحری بیڑہ تیار ہو گیا۔ یورپ کی تمام جبروتی طاقتیں جو اسلام کے خلاف تھیں۔ وہ مرعوب اور ہیبت زدہ ہو گئیں اور مسلمانوں کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے کہ بڑے سے بڑا طاقتور صاحبِ اقتدار بھی انکی نظر میں ہیچ تھا۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خود حضرت معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما میں مقابلہ شروع ہو گیا تو شکست خوردہ قیصرِ روم نے اس خانہ جنگی کو اپنے لیے فالِ نیک سمجھا۔ اُس نے "جنودِ عظیمہ" بڑی بڑی فوجیں جمع کیں اور اچانک حملہ کرنے کے لیے مملکتِ اسلامیہ کی سرحد کے قریب پہنچ گیا۔ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جیسے ہی معلوم ہوا قیصر کو ایک تہدید آمیز خط لکھا۔ مضمونِ خط سے زیادہ خط کا انداز ملاحظہ فرمایئے۔ مملکت اسلامیہ کا ایک

گورنر شہنشاہِ روم کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے اور کس طرح خطاب کر رہا ہے۔
اولعین۔ واپس لوٹ جا۔ اگر تو اپنے ملک کی طرف واپس نہ لوٹا تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرے مقابلہ پر میں اور میرے ابن عم (حضرت علی رضی اللہ عنہ) صلح کرلیں گے۔ پھر میں تجھ کو تیرے اپنے شہروں سے بھی نکال دونگا اور زمین کی تمام وسعت کو تجھ پر تنگ کر دونگا۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے مکتوبِ گرامی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

واللہ لئن لم تنتہ ولم ترجع الی بلادك ما لعین لاصطلحن انا وابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك ولاضیقن علیك الارض بما رحبت۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۱۹۔ ج ۸)

مرکز کے قابو میں نہ رہے

اب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مرکز کے قابو میں نہ رہے۔ (ص ۱۱۵ خلافت و ملوکیت)
تلوارے کر اٹھ کھڑا ہونا ان کے لیے ممکن ہو گیا۔ (ص ۳۲۶۔ خلافت و ملوکیت)

تو حقیقت یہ ہے کہ مقابلہ امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہیں تھا۔ یہ تو اُن میں سے تھے جن کے متعلق کلام الٰہی نے بشارت دی ہے۔

ان المتقین فی جنات وّعیون ادخلوھا بسلام اٰمنین ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍّ اخوانًا علٰی سررٍ متقابلین لا یمسھم فیھا نصبٌ وماھم منھا بمخرجین۔

(سورہ ۱۵۔ حجر آیت ۴۵۔ ۴۶)

(متقی حضرات باغات میں ہوں گے جن میں چشمے بہہ رہے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ ان میں داخل ہو جاؤ۔ ہر طرح کا امن و اطمینان اُن کو میسر ہوگا اور ان کے دلوں میں کچھ رنجش تھی وہ ہم نے نکال دی۔ وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (جلوہ افروز) ہوں گے وہاں نہ کسی طرح کا صدمہ اُن کو چھو سکے گا۔ اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔)

مقابلہ تھا اہلِ شام کا اور عراق کے اُن شورہ پشتوں کا جن کا نصب العین تخریب تھا۔ جنہوں نے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو شہید کر دیا۔ پھر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

دست مبارک پر بیعت کر کے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مار آستین بن گئے۔
پھر ان سے ہی تعلق رکھنے والا بڑا عنصر خارجی ہو گیا جو اپنے سوا ہر ایک مسلمان کو واجب القتل کافر سمجھتا تھا جو اگرچہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تباہ ہوا، مگر ظاہر ہے امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی بہت بڑی طاقت کو بے محل صرف کرایا۔ (اختصار یہ ہے تفصیلات کتابوں کے سیکڑوں صفحات میں ملاحظہ فرمایئے)

نئے لوگوں کی شرکت اور ان کی پیش روی

سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصرار پر خلیفۂ سوم امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری جنگ کی اجازت دی لیکن بظاہر خلیفۂ دوم فاروق اعظم کی پالیسی کا احترام کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ ہدایت بھی کر دی کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو منتخب یا نامزد نہ کریں۔ نہ قرعہ اندازی سے محاذ پر جانے والوں کو طے کریں، بلکہ ان کو پورا اختیار دے دیں جو اپنی خوشی سے غزوہ کرنے اور محاذ پر جانے کو طے کرے اس کے لیے سامان فراہم کریں اور اسکو مدد دیں۔
(طبری ص ۵۷ - ج ۵)

اس ہدایت کے نتائج دور رس ہوئے۔ بہت سے وہ آگے آ گئے جن کا پہلے وجود بھی نہیں تھا۔

مصر۔ حضرت عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہما

مودودی صاحب نے حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ایسے اختصار سے کام لیا جو مغالطہ انگیز ہی نہیں بلکہ توہین آمیز بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ ص ۱۰۷

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اُن کے (حضرت فاروق رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں مصر کے ایک فوجی افسر تھے اور بعد میں صعید مصر کے عامل بنا دیئے گئے تھے۔ ص ۳۲۴

پھر فرماتے ہیں۔

دراصل ان کے اس طرز عمل کی بنیاد وہی تھی جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ اس کو صلہ رحمی کا تقاضا سمجھتے تھے۔ ص ۳۲۱

لیکن اسے اجتہادی غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے، کیونکہ صلہ رحمی کا تعلق ان کی ذات سے تھا نہ کہ ان کے منصب خلافت سے۔ ص۳۲۱

یہ ہے مودودی صاحب کی طباعی اور نکتہ آفرینی۔ خود ہی سوال اور اعتراض تصنیف فرما رہے ہیں اور خود ہی اس کا جواب دیگر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی (بخیال خود) حمایت فرما رہے ہیں، لیکن حمایت فرماتے ہوئے بھی آدھی بات پیش فرما رہے ہیں۔ آدھی بات جو مودودی صاحب کی منشا کے خلاف ہے اس کو حذف فرما رہے ہیں۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوری تقریر جو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں فرمائی تھی جس میں اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا وہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اس میں آپ نے اپنے رشتہ داروں کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا تھا۔

مجھے اُن سے محبت ضرور ہے، مگر کسی غلط بات میں میری محبت کبھی ان کی طرف مائل نہیں ہوتی۔

بل احمل الحقوق علیھم (طبری ص۱۰۳۔ ج ۵) بلکہ میں اُن کے اُوپر حقوق لادتا ہوں (اُن پر فرائض عاید کرتا ہوں)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی تصدیق ان کے [illegible] زِ عمل سے ہوتی ہے۔ مثلاً جس سال خلیفہ ہوئے اسی سال اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو جن کی عمر تقریباً بیس سال تھی کابل کی مہم پر بھیجا۔ انہوں نے اس پورے علاقہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد ان کو بصرہ کا حاکم بنایا۔ ولید بن عقبہ (ماں شریک بھائی) فتوحاتِ شام میں حضرت خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے شریکِ کار رہے پھر آذربیجان وغیرہ کی بغاوت کو فرو کر کے ان علاقوں کو گویا دوبارہ فتح کیا۔ اس کے بعد ان کو کوفہ کا حاکم بنایا۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ پہلے طبرستان کی مہم میں بہادری اور تدبر کے جوہر کامیابی کے ساتھ دکھا چکے تھے۔ اس کے بعد ان کو اہلِ کوفہ کے مشورہ سے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا حاکم بنایا۔ ان تمام واقعات کی تفصیل طبری وغیرہ کے حوالہ سے پہلے گذر چکی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح کا بھی ہے۔

لے محمد بن ابی بکر کا واقعہ بھی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ وہ بھی آپ کا رشتہ دار تھا۔ وہ بھی کوئی منصب چاہتا تھا، مگر اس کے اطوار ناپسندیدہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ وہ اسی وجہ سے آپ کا دشمن ہو گیا۔ بلوہ میں پیش پیش رہا۔ ان میں وہ بھی تھا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں گھس کر شہید کیا۔ محمد ماہ،

مودودی صاحب کی طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فوج کے کوئی حوالدار یا کپتان تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رشتہ داری کی بنا۔ پر ان کو بڑھایا۔ حتیٰ کہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنری سے ہٹا کر عبداللہ بن سعد کو ان کی جگہ مصر کا گورنر بنا دیا۔

لیکن ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم اس کو کوتاہ علمی قرار دیں جس کے ساتھ زعم ہمہ دانی بلا ہوا ہے۔

وہی علامہ ابن جریر طبری جن کو مودودی صاحب مستند ترین مورخ مانتے ہیں اگر مودودی صاحب انہیں کا بیان دیکھ لیتے تو ایسا افترا تصنیف نہ کرتے۔

علامہ طبری فرماتے ہیں[1]

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اس وقت حضرت عمرو بن العاص مصر کے حاکم تھے اُن کو اپنے منصب پر بحال رکھا اور عبداللہ بن سعد کو جن کا تعلق مصر کی فوج سے تھا ان کو فوج کا امیر بنایا۔ ان کو ایک ، فوج دی اور ان کو افریقہ روانہ کر دیا جہاں انہوں نے غیر معمولی فتوحات حاصل کیں۔ بہت کافی مال غنیمت حاصل کیا۔ جب واپس آئے تو افواجِ مصر کے افسر اعلیٰ یہ تھے اور تحصیل محاصل (خراج) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (گورنر صوبہ) کے سپرد تھا۔

(تاریخ طبری ص ۴۹، ۵۰ ج ۵)

بہرحال طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ دار عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو یونہی گورنر مصر نہیں بنا دیا بلکہ پہلے ان کو افریقہ بھیجا۔ وہاں فتوحات حاصل کرنے کے بعد

---

[1] علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سعید بن ابی سرح فتح مصر میں حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ تھے اور ان کی فوج کے صاحب میمنہ تھے۔ تمام معرکوں میں ان کے شریک رہے۔ وکان صاحب میمنۃ عمرو ابن العاص فی افتتاحہ مصر وفی حروبہ ھناک (الاستیعاب) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کان صاحب المیمنۃ فی الحروب مع عمرو بن العاص فی فتح مصر ولہ مواقف محمودۃ فی الفتوح (الاصابہ)
ان دونوں حضرات کو مودودی صاحب بھی تاریخ اسلام کا بہترین مورخ مانتے ہیں۔

بھی دفعتہً گورنر مصر نہیں بنا دیا۔ بلکہ پہلے ان کو فوج کا افسر اعلیٰ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بدستور گورنر رکھا تحصیل حاصل کے ذمہ دار حضرت عمرو بن العاص تھے۔ پھر ایک موڑ ایسا آیا کہ ان دونوں میں بحث شروع ہوگئی۔ تب ایسا ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا اور حضرت عبداللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا۔

تبدیلی کی وجہ

تبدیلی کی وجہ بہت عجیب ہے، مگر اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے انصاف کی نعمت بخشی ہو۔ اس کا دل تنقیص صحابہ کے مرض سے پاک ہو اور عشر و خراج وغیرہ کے مسائل سے اس کو واقفیت ہو۔ چند باتیں آپ ذہن نشین فرمالیں گے تو خود آپ کا فیصلہ ہوگا کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ نہایت صحیح تھا۔ اگر کچھ خرابی یا غلطی تھی تو صرف یہ کہ عبداللہ بن سعد کی اولوالعزمی اقدام کی پالیسی کے عین مطابق تھی جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اختیار کیے ہوتے تھے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ایک باحوصلہ افسر تھا وہ جس طرح افریقہ کے ایک حصہ میں فتح حاصل کر چکا تھا وہ فتوحات کے سلسلہ کو اولوالعزمی اور حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھانا چاہتا تھا۔

خلیفۂ سوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ پچھتر سالہ بوڑھے تھے، مگر فتوحاتِ اسلامیہ کو بڑھانے اور بحر و بر پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانے کے شوق میں وہ پُرجوش نوجوان تھے۔

۱۔ اس میں شک نہیں کہ سیدنا حضرت عمرو بن العاص رضؓ فاتح مصر تھے، لیکن فتح افریقہ کے لیے سیدنا حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن سعد کو مامور فرمایا تھا۔ یہ اس کی تعمیل کر چکے تھے اور اب مصر تشریف لے آئے تھے جو افریقہ کا مرکز تھا اور خود مودودی صاحب کو اعتراف ہے کہ افریقہ کے تمام مفتوحہ علاقے مصر کے گورنر کے ماتحت تھے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۳)

حضرت عبداللہ بن سعد کو "جند" پر مقرر کیا گیا۔ (طبری ص ۴۹، ج ۵)

تو آپ کا فرض صرف یہ نہیں تھا کہ جو فوجیں مصر کی چھاؤنی میں ہوں ان کی نگرانی کرتے رہیں بلکہ آپ کا فرض یہ تھا کہ مصر کے علاوہ افریقہ کے فوجی اور جنگی تقاضوں کا بھی آپ لحاظ رکھیں اور جو ضرورتیں پیش آئیں انکو پورا کریں۔ اب بحیثیت قائد افواج یا "جرنیل" فوجی ضرورتیں آپ کے سامنے تھیں، لیکن ان کی تکمیل کے لیے آپ حضرت

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی منظوری کے محتاج تھے، کیونکہ مالیات کا تعلق گورنر ہونے کی حیثیت سے حضرت عمرو ابن العاص سے ہی تھا۔

(۲) افریقہ کا جو حصہ بھی آپ نے فتح کیا تھا اگرچہ افریقہ سے واپسی کے وقت اس کا حاکم اور امیر آپ نے عبداللہ ابن نافع بن عبدقیس کو بنادیا تھا۔ (طبری ص ۵۰، ج ۵)

مگر معاملہ اس پر ختم نہیں ہوگیا تھا بلکہ یہ فتح ایک شعلہ تھا جو افریقہ کے جنگل میں بھڑکایا گیا تھا۔ قدرتی طور پر اس کی لپیٹیں سب طرف پھیلنے والی تھیں اور تقاضا تدبّر یہ تھا کہ ان کے مقابلہ کا پُورا انتظام پہلے سے کرلیا جائے۔

(۳) افریقہ کا جو علاقہ فتح کیا تھا اس کے لیے بحری جنگ کی ضرورت نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ علاقہ قیصر روم کے زیر اقتدار تھا اور اس کو فتح کرنے کے معنے یہ تھے کہ بازنطینی شہنشاہیت کے مقابلہ کے لیے ایک اور محاذِ جنگ قائم کردیا گیا تھا اس بنا پر یہ بات یقینی تھی کہ قیصر کا بحری بیڑہ حرکت میں آئے اور بحری جنگ کا سلسلہ شروع ہو جس کے مقابلہ کے لیے لازمی اور ضروری تھا کہ مسلمانوں کا بھی بحری بیڑہ ہو اور اس کے تمام مصارف فوری طور پر برداشت کیے جائیں۔

(۴) جو باتیں گذشتہ تین نمبروں میں بیان کی گئیں۔ ان سے مصر کے گورنر سیّدنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی انکار نہیں تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ مصارف جنگ مرکز سے طلب کیے جائیں یا خود مصر میں بھی یہ گنجائش ہے کہ پورے مصارف ورنہ ان کا بڑا حصہ یہاں سے وصول کیا جائے۔

یہ تھا نقطۂ اختلاف سیّدنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا۔ عبداللہ بن سعد کی رائے یہ تھی کہ یہ مصارف جائز طور پر بسہولت مصر سے وصول ہو سکتے ہیں اور حکومتِ اسلامیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وصول کرے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس کے مخالف تھے۔

(۵) اس گنجائش اور عدم گنجائش کا مدار اس پر تھا کہ فتح کے وقت جو معاہدات ہوئے ان کی رُو سے حکومت کو کچھ ردّ و بدل اور اراضی کے جدید بند و بست کا حق ہے یا حکومت پابند ہے وہ کچھ رد و بدل نہیں کرسکتی۔

(۶) سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صرف ساڑھے تین ہزار مجاہدین کی فوج سے مصر پر حملہ کردیا تھا اور کچھ علاقہ فتح بھی کرلیا تھا، لیکن خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اتنی فوج کو ناکافی سمجھا۔ آپ نے فوراً ہی دس یا بارہ ہزار فوج دیکر سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مصر بھیجدیا۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۰ و ۲۲۱) ان دونوں بزرگوں کے مجاہدانہ اقدامات کامیاب ہوئے اور مصر فتح ہوگیا۔

(۷) مفتوحہ علاقوں سے عشر، خراج، جزیہ وغیرہ لینے کے بارے میں جو اسلامی روایات اور ضابطے ہیں ان کے لحاظ سے فتح کی نوعیت سب جگہ یکساں نہیں رہی۔ بلکہ مختلف علاقوں میں مختلف نوعیتیں رہیں۔

(۸) اسلامی روایات اور فقہی تشریحات کے مطابق مفتوحہ اراضی کے متعلق ایک طریقہ یہ ہے کہ یہ اراضی مجاہدین کو تقسیم کردی جائیں، وہ ان کے مالک قرار دیئے جائیں۔ ان اراضی پر خراج نہیں ہوگا بلکہ ان کی پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) اس سے لیا جائے گا اور اگر آبپاشی کا انتظام صاحب زمین کو خود کرنا پڑے تو اس سے نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا، بشرطیکہ کاشت کی جائے اور اگر یہ مالک کاشت ہی نہ کرے تو کچھ بھی لازم نہیں ہوتا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مفتوحہ اراضی مجاہدین پر تقسیم نہ کی جائے۔ اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اراضی بیت المال (حکومت) کی ملک قرار دی جائیں وہ وقتاً فوقتاً ان کا بندوبست کرتی رہے اور حسب حال کاشت کاروں سے خراج کا معاملہ کرتی رہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اراضی سابق مالکوں یا کاشتکاروں کی ملک قرار دی جائیں اور ان سے ان کا خراج وصول کیا جائے جو حکومت اور کاشت کاروں کے درمیان باہم طے ہوجائے۔ پھر یہ لازم نہیں کہ یہ خراج دوامی ہو بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محدود مدت کے لیے ایک خراج طے ہوجائے پھر حکومت کو حق رہے کہ وہ اس میں قابل برداشت جائز ردوبدل کرسکے۔

(۹) فتح مصر کے بعد سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص سے فرمائش کی کہ مفتوحہ اراضی مجاہدین پر تقسیم کردی جائیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پالیسی یہ تھی کہ مفتوحہ اراضی تقسیم نہ کی جائیں، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجاہدین تو بڑے بڑے زمیندار بن جائیں گے۔ لیکن بعد کی آنے والی نسلیں محروم رہ جائیں گی۔ لہٰذا آپ اراضی مفتوحہ کو بیت المال کی ملک قرار دے کر مجاہدین کے وظائف مقرر فرما دیتے تھے۔ اس کی ہدایت آپ نے اراضی مصر کے متعلق بھی فرمائی۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۱ و ۲۲۵) لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ اراضی مصر کو عشری نہیں قرار دیا گیا۔

(۱۰) جب کہ اراضی مصر عشری نہیں یعنی مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئیں تو اضافہ آمدنی کی متعدد صورتیں ممکن تھیں۔ جو اراضی ملک حکومت تھیں۔ حکومت ایسی صورتیں اختیار کرسکتی تھی کہ انکی آمدنی میں اضافہ ہوجائے اور ادا کرنے والوں پر بار نہ ہو۔ بہت سے علاقے وہ تھے کہ وہاں کے باشندوں سے کوئی معاہدہ ہی نہیں ہوا تھا۔ مثلاً قبطیوں کے متعلق

ایک مرتبہ خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

ان سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ میں ان کو قتل بھی کر سکتا ہوں۔ ان پر جزیہ بھی
مقرر کر سکتا ہوں اور ان کو غلام بنا کر فروخت بھی کر سکتا ہوں۔ البتہ "انطابلس" والوں
سے معاہدہ ہوا ہے اس کا پورا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۴)

بعض علاقوں کے باشندوں سے کچھ غلہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ بعض سے کپڑوں وغیرہ کے متعلق معاہدہ ہوا کہ اتنے جُبّے اونی یا سوتی۔ اتنے عمامے۔ خُف (چمڑے کے موزے) وغیرہ دیئے جائیں گے۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۲)

اسکندریہ کے نواب (مقوقس) سے معاہدہ ہوا تھا کہ جو ٹیکس وہ ہرقل (قیصر روم) کو ادا کرتا ہے، اتنا ہی مسلمانوں کو ادا کرے گا۔ اس طرح مقوقس نے مسلمانوں سے تو صلح کر لی مگر ہرقل اس سے مشتعل ہو گیا اور اس نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کو شکست ہوئی جو ان کا اثر مقوقس پر تھا وہ ختم ہو گیا (طبری وغیرہ) لہٰذا وہ ٹیکس بھی ختم ہو گیا جو مقوقس ہرقل کو دیا کرتا تھا۔ اب مسلمانوں کا حق تھا کہ اس ٹیکس کو وہ خود وصول کریں۔

بہر حال ان دونوں بزرگوں (حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عبداللہ بن سعد) کی رائیں مختلف تھیں ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دوسرے کی شکایت کی۔ ایک نے شکایت کی میری جنگی ضرورتوں میں کسر کی جا رہی ہے۔ دوسرے نے شکایت لکھی کہ میرے مالی نظام میں رخنہ اندازی کی جا رہی ہے۔

(طبری ص ۵۱۔ ج ۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سعد اقدام کی پالیسی میں متحد تھے۔ اب اس رائے میں بھی ان کا اتحاد ہو گیا کہ آمدنی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص سے استعفاء طلب کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن سعد نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنایا تو پہلے ہی سال آمدنی دوگنی ہو گئی۔

حضرت عمرو بن العاص کے دورِ حکومت میں آمدنی بیس لاکھ تھی۔ اس سال حضرت عبداللہ بن سعد کے دورِ حکومت میں پہلے ہی سال چالیس لاکھ آمدنی ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا۔ آپ کے بعد مصر کی اونٹنیاں دودھ زیادہ دینے لگیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ مگر ان کے بچوں کو آپ لوگوں نے سکھا دیا۔ (فتوح البلدان۔ ص ۲۲۳ و طبری ص ۵۱ ج ۵)

دوسری وجہ علامہ ابن عبدالبر نے حضرت عمرو بن العاص کی معزولی کی وجہ دوسری بیان کی ہے کہ اہل اسکندریہ کی ایک حرکت کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی قرار دیا، چنانچہ ان پر حملہ کر کے بالغ مردوں کو قتل کرادیا۔ عورتوں، بچوں کو گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد ان کو غلام کی حیثیت سے تقسیم بھی کر سکتے تھے اور فروخت بھی کر سکتے تھے۔ اس کا مرافعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے اس حرکت کو نقض عہد نہیں قرار دیا۔ آپ نے عورتوں اور بچوں کو رہا کرادیا اور حضرت عمرو بن العاص کو گورنری سے معزول کردیا۔

(الاستیعاب (ذکر عبداللہ بن سعد ص ۳۹۴)

علامہ ابن عبدالبر کے بیان کو بھی سامنے رکھا جائے تو واقعات کی ترتیب یہ ہے کہ اضافہ مالیہ کے سلسلہ میں تصادم رہا تھا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے یہ غلطی بھی ہوگئی جس کی بناء پر بلا تاخیر معزول کر دیا گیا۔

یہ ہے واقعات کی صحیح نوعیت جو کتب تاریخ سے ثابت ہے۔ جن میں فتوح البلدان اور تاریخ طبری کا حوالہ ہم نے دیا۔ ان کے علاوہ اور کتابوں میں بھی یہ واقعات موجود ہیں۔ مگر مطالعہ کتب کی کاوش وہی برداشت کرے گا جو معاملہ کی تہ تک پہنچنا چاہے۔ اور جس کا مقصد صرف اعتراض اور الزام لگانا ہو اس کو اس کاوش کی کیا ضرورت ہے۔

"دیوانہ را ہوئے بس است"

نظامِ حکومت میں ایسی تبدیلی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ حکومت کی صلاحیت اور اس کے ترقی پذیر ہونے کی علامت ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبست

پاس قرابت نفل۔ یعنی حوصلہ افزائی کے لیے مجاہدین سے کسی انعام کا وعدہ کر لینا کوئی نئی بات نہیں تھی بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے۔ اسی اصول اور رائج شدہ قاعدہ کے بموجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو فتح افریقہ کے لیے روانہ فرمایا تو اُن سے خمس الخمس کا وعدہ فرمالیا تھا، یعنی مرکزی بیت المال کو جو خمس وصول ہوگا اس کا پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن سعد کو دیدیا جائے گا۔ یہ خمس الخمس یعنی پورے مالِ غنیمت کا ۱/۲۵ ایک لاکھ ہوتا تھا جو فتح ہونے پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیدیا گیا، مگر پھر ایک وفد حضرت خلیفہ سوم کی بارگاہ

میں حاضر ہوا کہ اس کا اثر اچھا نہیں پڑا۔ دوسرے فوجیوں کو شکایت پیدا ہوئی۔
یہ موقع تھا کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قرابت کا خیال رکھتے اور مبلغ ایک لاکھ کی رقم جو اُن کے
یز عبداللہ بن سعد کو بالکل جائز طریقے پر دی گئی تھی جس میں عدم جواز کا معمولی شائبہ بھی نہیں تھا، واپس نہ لیتے، مگر
سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا اور تمام رقم واپس کر دینے کا حکم صادر فرمادیا۔

فردۃ علیھم ولیس ذلك لھم ، (طبری ص ۱۰۳)

میں نے اس کو واپس کرادیا حالانکہ اعتراض کرنے والوں کو اعتراض کا حق نہیں تھا۔

ہولناک بحری جنگ اور ابن سبا کے ایجنٹوں کی شرارت

جیسا کہ یقین تھا کہ قیصر روم افریقہ میں مسلمانوں کی فتوحات کو برداشت نہیں کرے گا اور مفتوحہ علاقوں کو واپس
لینے کی جان توڑ کوشش کرے گا۔ واقعہ یہی ہوا ۳۱ھ میں قسطنطین بن ہرقل نے اتنی بڑی فوج سے حملہ کیا کہ بقول
علامہ ابن جریر۔

لم یجتمع للروم مثلہ قط منذ کان الاسلام (طبری ص ۶۹ - ج ۵)

جب سے مسلمانوں کے اقدام کا سلسلہ شروع ہوا تھا رومیوں کی اتنی بڑی فوج مقابلہ پر نہیں آئی تھی۔

قسطنطین نے برّی جنگ کے ساتھ بحری جنگ کی بھی تیاری اتنے بڑے پیمانہ پر کی کہ پانچسو جنگی جہازوں کا بیڑا
مسلمانوں کے مقابلہ پر لے آیا۔

حضرت عبداللہ بن ابی سرح کی دوراندیشی اس موقع پر کام آئی۔ ایسی ہولناک صورت حال کے مقابلہ کے لیے
انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے لڑ جھگڑ کر مصر کی آمدنی بڑھائی تھی اور فوجی طاقت خصوصاً بحری قوت
فراہم کی تھی۔

بہر حال مقابلہ بہت سخت تھا اور اس لیے بھی سخت تھا کہ مسلمانوں کو باضابطہ بحری جنگ کا تجربہ اب تک
نہیں ہوا تھا۔ اُن کے لیے سمندری لڑائی کی ہر چیز نئی تھی۔ اتفاق سے پہلے روز مسلمانوں کو "باد مخالف" کی مخالفت
بھی جھیلنی پڑی۔ مسلمانوں نے رومیوں کو دعوت دی کہ دونوں فوجیں جہازوں سے اتر کر زمین پر مقابلہ کریں، لیکن

رومی بحری جنگ کو ہی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے یہ مشورہ مسترد کر دیا۔ اب بنامِ خدا مسلمانوں نے ہمت کی جہازوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر میدانِ جنگ بنایا گیا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ سمندر کا پانی خون ہی خون ہو گیا۔ سمندر کی لہریں خون کے لوتھڑوں کو ساحل تک پہنچا رہی تھیں۔ مسلمان بھی بہت زیادہ شہید ہوئے اور حریف کی تو تقریباً تمام ہی فوج ختم ہو گئی۔

قسطنطین فرار پر مجبور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو استقلال و استقامت کی توفیق بخشی اور شاندار کامیابی عطا فرمائی۔ جس کے بعد سمندری لڑائیوں کے لئے بھی مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔

یہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ مگر بدقسمتی یہ تھی کہ عبداللہ بن سبا کا فتنہ شروع ہو چکا تھا اور اس کے ایجنٹوں نے فتنہ انگیزی شروع کر دی تھی، چنانچہ یہاں بھی اس کے دو ایجنٹ موجود تھے۔ محمد بن حذیفہ اور محمد بن ابی بکر یہ لوگوں کو بھڑکاتے رہتے کہ

> یہ جہاد، جہاد نہیں ہے۔ یہ شخص عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس قابل نہیں ہے کہ اس کی قیادت میں جہاد کیا جاتے۔ یہ وہ ہے جو ایک دفعہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مغالطہ دیکر انکو معاف کرا دیا۔
> جہاد یہاں نہیں ہے جہاد کا اصل مقام مدینہ ہے جہاں عثمان بن عفان خلافت پر قابض ہے۔ نہ اس کی خلافت صحیح، نہ اُس کے نائبوں کی قیادت صحیح ہے اس کے ساتھ جہاد کرنا صحیح ہے اس کا خون مباح اور جس نے اس کو امیر البحر بنا رکھا ہے اس کا خون مباح اور اس کے خلاف جہاد کرنا لازم ہے۔

(طبری ص ۱۰، ج ۵، ابن اثیر ص ۵۸، ج ۳ وابن خلدون وغیرہ)

واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت غلط ہوتی۔ آپ خلیفہ راشد نہ ہوتے اور حضرت عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح خلیفہ راشد کے صحیح نائب نہ ہوتے تو خلیفہ اور نائب خلیفہ کا خون مباح کرنے والوں کا خون مباح ہو جاتا اور اس مباح پر عمل بھی کر لیا جاتا یعنی ان دونوں کی تواضع شمشیر آبدار سے کر لی گئی ہوتی، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے نائبین کا تحمل بھی کرامت کا درجہ رکھتا تھا۔

ان دونوں غدار باغیوں کو صرف یہ ہدایت کی گئی کہ وہ فوج سے الگ رہیں اور دوسرے جہاز پر سوار ہوں۔

مودودی صاحب کے اعتراض کا ماخذ

غور فرمائیے۔ ان غدار باغیوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو مودودی صاحب نے کس طرح ترجمان بنا لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

> اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تو مسلمان ہوکر مرتد ہو چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ یہ ان میں سے ایک تھے۔ حضرت عثمان انہیں لے کر اچانک حضور کے سامنے پہنچ گئے اور آپ نے محض اُن کے پاسِ خاطر سے ان کو معاف فرما دیا تھا۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹)

مودودی صاحب نے ان باغیوں کے الفاظ رٹ لینے کا اجرِ عظیم حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے ایک اجتہاد کا بھی مظاہرہ فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کی پاس خاطر سے حلال کو حرام قرار دیدیا کرتے تھے اور حرام کو حلال۔ (معاذ اللہ)

عجیب و غریب ذہنیت

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس ذہنیت کے لیے کیا لفظ استعمال کریں جو حضرات صحابہ کی کمزوریوں کو تو تلاش کرتی ہے اور اس کے بیان کرنے میں قلم کا پورا زور صرف کر دیتی ہے، لیکن جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ گویا اس کو نظر ہی نہیں آتیں گویا قوتِ بینائی سلب ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سعد کو جو انعام عطا فرمایا تھا وہ بعد میں واپس ہو گیا۔ مودودی صاحب نے اس کو خوب اچھالا، لیکن مودودی صاحب کا قلم ٹوٹ گیا۔ روشنائی خشک ہو گئی جب یہ لکھنے کا وقت آیا کہ حضرت عبداللہؓ نے فتوحات کے ساتھ ایک مضبوط بحریہ بھی تیار کیا اور وہ عرب جن کی بحری طاقت صفر تھی ان کو بحری جنگ کا ماہر بنایا ان کی بحری طاقت کو اس زمانہ کے لحاظ سے عروج کے آخری نقطہ پر پہنچا دیا اور افریقہ کے میدانوں ہی کا نہیں بلکہ افریقہ سے ملنے والے سمندروں کا بادشاہ بھی بنا دیا۔ صدیاں گذر گئیں اور ان کی اس بادشاہت میں زوال نہ آیا۔

اس سے زیادہ مودودی صاحب کی یہ بے انصافی مستحق صد ملامت ہے کہ عبداللہ بن سعد کا یہ عیب تو بیان کیا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے، لیکن انہیں کے تذکرہ کے آخر میں جو ان کی وفات کا قابلِ رشک تذکرہ ہے۔ اس کو بیان

کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ــــــــــــ استیعاب اور اصابہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر عسقلان تشریف لے گئے۔ پھر نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی نہ حضرت معاویہ کے شریک ہوتے اور دعا مانگی کہ حالتِ نماز میں میری وفات ہو، چنانچہ نماز صبح کے بعد ایک طرف سلام پھیر چکے تھے دوسری طرف سلام پھیرنے والے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

مروان بن الحکم اور الحکم بن العاص
حیثیتیں اور رعایتیں

مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

۱۔ مروان بن الحکم کی پوزیشن دیکھیے۔ اس کا باپ حکم بن ابی العاص، جو حضرت عثمان کا چچا تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ آکر رہ گیا تھا، مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ابن عبد البر نے استیعاب میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح یہ سن گن لے کر وہ انہیں افشاء کر دیتا تھا اور دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ خود حضورؐ نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔ بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کی بناء پر حضورؐ نے مدینہ سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا تھا۔ مروان اس وقت ۷ - ۸ برس کا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ طائف میں رہا۔ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں اس کو واپس بلا لیا اور ایک روایت کے مطابق آپ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کی تھی اور حضورؐ نے مجھ سے وعدہ فرما لیا تھا کہ اسے واپسی کی اجازت دیدیں گے۔ اس طرح یہ دونوں باپ بیٹے طائف سے مدینہ آگئے۔

اگر مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری کے

منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمان کے اعتماد پر تو یہ مان سکتے تھے کہ حضورؐ نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرما لیا تھا۔ اس لیے اسے واپس بلا لینا قابلِ اعتراض نہیں ہے، لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے سخت مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہ کو چھوڑ کر اسے خلیفہ کا سکریٹری بنا دیا جاتے۔ خصوصاً جبکہ اس کا معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا (خلافت و ملوکیت ص۱۱۱)

کسی تاویل سے بھی اس بات کو صحیح نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ ریاست کا سربراہ اپنے ہی خاندان کے ایک فرد کو حکومت کا چیف سکریٹری بنا دے۔ (ص ۲۲۲)

تبصرہ جب آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی جائے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے لیے کیا لفظ استعمال کریں۔ سکریٹری اور چیف سکریٹری کا لفظ استعمال فرمایا گیا تاکہ ذہن ایک ہیبت ناک عہدہ کی طرف متوجہ ہو۔ پھر مروان کو اس عہدہ کی کرسی پر بٹھا کر خلیفۂ سوم پر ایک الزام چسپاں کر دیا گیا (معاذ اللہ) حالانکہ پہلا فرض یہ ہے کہ مودودی صاحب ثابت کریں کہ خلافتِ راشدہ کے نظام میں سکریٹری یا چیف سکریٹری کا کوئی عہدہ ہوتا تھا، پھر یہ ثابت کریں کہ اس کے اختیارات اتنے وسیع ہوتے تھے کہ اتنی بڑی حکومت کو متاثر کر سکیں جو افغانستان اور ترکستان سے لے کر شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۳) تب یہ اعتراض باوزن ہو سکتا تھا کہ اتنے بڑے عہدے پر اپنے ہی خاندان کے ایک فرد کو مسلط کر دیا اور اگر مروان کی حیثیت صرف ایک خادم کی ثابت ہو تو ظاہر ہے یہ الفاظ افتراء سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

مروان کے متعلق ابن سعد نے تحریر کیا ہے۔ "کان کاتبالہ" مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کاتب تھا۔ یہی لفظ دوسرے مورخین نے استعمال کیا ہے۔ مودودی صاحب تو ماشاء اللہ گریجویٹ ہیں۔

آپ جیسا قابل تو درکنار، معمولی قابلیت کا خواندہ انسان بھی جانتا ہے کہ "کاتب" کا ترجمہ محرر یا منشی ہوتا ہے، یہ مودودی صاحب کی افتراء آمیز جدت ہے کہ کاتب کی تصویر سکریٹری یا چیف سکریٹری کے لفظ سے کھینچ رہے ہیں۔ بیشک خلفاءِ عباسیہ اور غالباً خلفاء بنی امیہ کے آخری دور میں کاتب نے ایک حیثیت حاصل کر لی تھی، مگر وہ اختیارات کے لحاظ سے نہیں تھی، بلکہ قابلیت کے لحاظ سے تھی۔

ہمارے زمانے میں اسٹینو گرافر کا کام یہ ہوتا ہے کہ صاحب جو کچھ بولیں وہ شارٹ ہینڈ سے نقش کر لیں۔ پھر اس کو صاف کر کے صاحب کے سامنے پیش کر دیں۔ وہ کوئی خط، حکم یا فیصلہ بن جاتا ہے۔ اس کو ادبیت سے کوئی

تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمارے زمانہ میں عموماً سرکاری تحریریں ادبیت سے ناآشنا ہوتی ہیں، لیکن خلفاء اور سلاطین اسلام کے دور میں کاتب کا کام صرف قلمبند کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا فرض یہ ہوتا تھا کہ اپنے افسر یا آقا کے منشاء اور مفہوم کو نہایت موزوں اور مرصع الفاظ کا جامہ پہنائے۔ جس میں ظاہری یعنی ادبی خوبیوں کے ساتھ معنوی خوبیاں بھی ہوں اور وہ کلام الملوک ملوک الکلام کا آئینہ دار ہو۔ اسی لحاظ سے اس پیشہ نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی کاتب ایک ایسا قابل وفاضل ہوتا تھا جو نظم وادیبانہ نثر کی قابلیت کے ساتھ ماحول کے حالات اور نفسیات سے بھی واقف ہو۔ وہ مکتوب الیہ کے مذاق اور اس کے نفسیات کا بھی احساس رکھتا ہو۔ حال کی طرح کچھ ماضی کا علم بھی اس کے پاس ہو۔ یعنی تاریخ سے واقف ہو۔ دیگر ممالک سے خط وکتابت ہو تو وہاں کے حالات اور ان کے نفسیات سے بھی واقفیت ضروری ہوتی تھی۔ ابوالفضل کے لکھے ہوئے خطوط تو فارسی انشاء کے سرتاج مانے جاتے ہیں۔ ان کو پڑھایا بھی جاتا ہے۔ خلفاء عباسیہ اور بنی امیہ کے زمانہ کے کاتبوں کے بھی بہت سے خطوط عربی انشاء کی جان ہیں۔ "العقد الفرید"۔ المستطرف" کشکول بہاؤ الدین وغیرہ میں بہت سے خطوط ادبی شاہکاروں کی حیثیت سے نقل کیے گئے ہیں۔ انہیں کاتبوں کی سہولت کے لیے ابن قتیبہ نے ایسی معلومات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جن کی ضرورت اس زمانہ کے کاتبوں کو ہوا کرتی تھی۔ "مکاتیب ابن قتیبہ" اسی مجموعہ کا نام ہے۔

بہرحال یہ جو کچھ بھی تھا قابلیت کے لحاظ سے تھا۔ اختیارات کے لحاظ سے وہ صرف منشی یا اسٹینو گرافر ہوتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تو اس پیشہ کی ابتداء تھی۔ اس وقت اتنی اعلیٰ اور جامع قابلیت کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم مروان کے متعلق حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ کان من سادات قریش وفضلاءھا (قریش کے عمائدین اور فضلاء میں سے تھا) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر انہیں مروان کے متعلق فرمایا۔ القاری لکتاب اللہ - الفقیہ فی دین اللہ الشدید فی حدود اللہ (البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۸ ج ۸)

حلقہ محدثین سے بھی ان کا تعلق تھا، چنانچہ متعدد احادیث کی سندوں میں ان کا نام آتا ہے۔

اس علم وفضل کے ساتھ اس کا احساس خود حضرت مروان کو بھی تھا کہ وہ سیاسی جھگڑوں میں پڑ گئے۔

حضرت امام مالک کی روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب حضرت مروان مدینہ طیبہ کے گورنر تھے تو کہا کرتے تھے (قرأت کتاب اللہ منذ اربعین سنۃ ثم اصبحت فی ما انا فیہ یعنی اھراق الدماء وھذا الشان (البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۸ ج ۸)

چالیس سال سے قاری کتاب اللہ ہوں۔ پھر ان حالات میں گھر گیا جن میں گھرا ہوا ہوں، یعنی خونریزی اور یہ تمام باتیں۔
بہر حال یہ سب باتیں علمی قابلیت کے لحاظ سے تھیں۔ اختیارات کے لحاظ سے نہ سکریٹری اور نہ چیف سکریٹری کا کوئی عہدہ تھا، نہ اس کے اختیارات تھے، نہ اس کا کوئی اثر پڑ سکتا تھا، البتہ حاضر باش تھے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بے تکلف خادم تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی معتمد بیوی نائلہ سے نوک جھونک رہتی تھی۔

اب اگر چچازاد بھائی، منہ چڑھا خادم بھی ہو اور ابن عساکر وغیرہ کی تحقیق کے بموجب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فرامین اور فیصلے لکھ دیتا ہو (کان کاتب الحکم بین یدیہ۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۵۹ ج ۸) تو اس پر کسی کو مشتعل ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور اس کو اسباب شورش میں کس طرح شمار کرایا جا سکتا ہے مودودی صاحب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ غلط کام کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (ص ۱۱۶)
بیشک یہ دین کا مطالبہ نہیں ہے کہ صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے اور اس کو سخن سازی سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر کیا یہ دین کا مطالبہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام ثابت کرنے کے لیے سخن سازی کی جائے اور جس غلطی سے ان کا دامن پاک ہے، وہ خواہ مخواہ ان کے سر تھوپی جائے۔ خلافت راشدہ کے دور میں نظام حکومت پر حاوی سکریٹری اور چیف سکریٹری کا عہدہ گھڑنا اور کاتب کے معنی سکریٹری یا چیف سکریٹری کرنا کیا سخن سازی نہیں ہے اور سخن سازی بھی اس لئے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجرم اور ملزم ثابت ہوں۔ (معاذ اللہ)

حکم بن ابی العاص اسی طرح حضرت مروان کے والد حکم بن ابی العاص کے معاملہ میں بھی مودودی صاحب نے سخن سازی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔

مدینہ منورہ سے نکالے جانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارنے کے متعلق روایتوں کا ترجمہ تو کر دیا جو موضوع اور ضعیف ہیں اور بعض کے راوی شیعہ اور رافضی ہیں (الاصابہ۔ ص ۲۹۔ ج ۲) لیکن ابن سعد (جن کو بقول مودودی صاحب تمام محدثین نے ثقہ اور قابل اعتماد قرار دیا ہے) ان کی تحقیق کو چھوڑ دیا۔

ابن سعد فرماتے ہیں۔

الحکم بن ابی العاص بن امیۃ اسلم یوم الفتح ولم یزل بہا حتی کانت خلافۃ عثمان

ابن عفان فاذن له ان تدخل المدینة فمات بها فی خلافة عثمان (طبقات ابن سعد ص ۳۳۱ ج ۵)

حکم بن ابی العاص بن امیہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور مکہ ہی میں [1] رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کی خلافت کا دور آیا، آپ نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی پھر مدینہ ہی میں ان کی وفات ہوئی۔

مورخ ابن سعد کی تائید علامہ ابن تیمیہ بھی کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

کان لمروان سبع سنین او اقل فما کان له ذنب له یطرد علیه ثم لم نعرف ان اباه هاجر الی المدینة حتی یطرد منها فان الطلقاء لیس فیهم من هاجر فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا هجرة بعد الفتح ولما قدم صفوان بن امیة مهاجرا امره النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالرجوع الی مکة و قصة طرد الحکم لیس له اسناد تعرف به صحتها۔ (میزان الاعتدال بین الرفض والاعتزال فی فضائل عثمان ذی النورین ص ۴۹۵ بحوالہ تجدید سبائیت ص ۲۹)

ترجمہ: مروان کی عمر سات سال یا اس سے بھی کم تھی۔ لامحالہ ان کا کوئی ایسا گناہ ہو نہیں سکتا تھا کہ ان کو نکالا جائے۔ پھر یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ان کے باپ (حکم بن ابی العاص) ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے کہ وہاں سے انکو نکالا جاتا، کیونکہ طلقاء میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے ہجرت کی ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی مکہ فتح کیا، اعلان فرمایا تھا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور جب حضرت صفوان بن امیہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ نے ان کو بھی مکہ واپس چلے جانے کا حکم دیدیا اور الحکم بن ابی العاص کے نکال دینے کا قصہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ اسکی کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی صحت معلوم ہو۔ (میزان الاعتدال ص ۴۹۵) اور خود صاحب واقعہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ اعتراض پیش کیا گیا تو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں جس میں مدینہ طیبہ کے علاوہ کوفہ اور بصرہ کے بہت سے عمائدین موجود تھے فرمایا۔

قالوا انی رددت الحکم وقد سیره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الحکم مکی سیره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکة الی الطائف ثم رده رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیره و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رده۔ اکذالک۔ قالوا۔ اللّٰهم نعم۔ (طبری ص ۱۰۲ ج ۵ ـ و ص ۱۰۳) اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کیا ہے کہ میں نے حکم کو واپس لوٹا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکال دیا

---

[1] یعنی نہ طائف گئے نہ مدینہ آئے۔

تھا، بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مکہ سے طائف روانہ کردیا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کو واپس بھی کرلیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کو روانہ کیا تھا آپ ہی نے اس کو واپسی کی اجازت دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا (بولو) واقعہ یہی ہے؟ سب نے کہا، بیشک خدا شاہد ہے واقعہ یہی ہے۔

اب سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب یا جن کی وہ تقلید کرتے ہیں وہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ آپ نے مدینہ طیبہ کے مجمع عام میں یہ ارشاد فرمایا۔ پھر مجمع سے اس کی تصدیق چاہی اور پورے مجمع نے "اللّٰھم" کہہ کر اس کی تصدیق کی۔

روایت کرنے والے حافظ ابن جریر طبری ہیں، جن کو مودودی صاحب مستند ترین مؤرخ مانتے ہیں۔ ہمارے خیال میں حقیقت وہی ہے جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔ ان کی کسی غلطی کی بناء پر آپ نے مکہ سے خارج کرکے طائف میں قیام کا حکم فرمایا۔ پھر از خود یا حضرت حکم کی معافی کی درخواست پر آپ نے مکہ معظمہ واپس آجانے کی اجازت دے دی۔[1] اس کے بعد ان کی درخواست تھی کہ مدینہ میں آکر قیام کریں۔ آپ نے اس کی اجازت نہیں دی، کیونکہ ہجرت کا سلسلہ اب بند ہوگیا تھا اور آپ اعلان فرما چکے تھے کہ لاھجرۃ بعد الفتح۔

پھر انہوں نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی مدینہ آکر قیام کرنے کی اجازت چاہی، ان حضرات نے بھی اجازت نہیں دی۔ اجازت نہ دینے کا سبب معتوبیت نہیں ہے۔ وہ تو اس وقت ختم ہوگیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ میں واپس آکر قیام کرنے کی اجازت دی۔ اب تو سوال یہ تھا کہ جب سلسلۂ ہجرت منقطع ہوچکا ہے تو مکہ کے کسی باشندے کو مدینہ آکر قیام کرنے کی اجازت دی جائے یا نہیں۔ اس اجازت میں پہلے سختی برتی گئی۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان بن امیہ کو مکہ واپس کردیا۔ یہی سختی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور تک رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اب اس ممانعت کی ضرورت نہیں سمجھی، آپ نے اجازت دیدی۔ اس قسم کے احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں پھر حضرات شیخین کے دور میں بدلتے رہے۔

افتراء پردازوں نے اس واقعہ پر حاشیہ آرائی کی اور مودودی صاحب نے انہیں حاشیوں کو اس طرح لے لیا گویا یہی واقعات ہیں۔

---

[1] بظاہر یہ مدت اتنی مختصر تھی کہ حضرت حکم سے جن کا قریبی تعلق نہیں تھا ان کو اس جانے آنے کی خبر بھی نہیں ہوئی چنانچہ ابن سعد کے مروی عنہ حضرات نے اس کا بھی ذکر نہیں کیا۔

تعجب ہوتا ہے۔ مودودی صاحب خود فرماتے ہیں۔ لیپ پوت سے بات بنتی نہیں بگڑ جاتی ہے (ص۳۰۱)
اور یہاں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم گردانتے کے لیے خود لیپ پوت کر رہے ہیں۔

(مولانا اسحٰق صاحب سندیلوی نے اپنی تصنیف "تجدید سبائیت" میں اس قضیہ کے تمام پہلو بڑی وضاحت سے بیان فرمائے ہیں، دلچسپی رکھنے والے حضرات ملاحظہ فرمالیں)

ہم پہلے مودودی صاحب کی ایک نکتہ آفرینی کی طرف توجہ دلا کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ مودودی صاحب کی باریک بینی ملاحظہ فرمائیے، آپ فرماتے ہیں۔

خصوصاً جب کہ اس کا معتوب باپ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ (ص۱۱۱)

ہمارے لیے تو مودودی صاحب کا یہ انداز تحریر بھی لرزہ خیز ہے۔ مروان اور حکم جیسے بھی ہوں ان کو یہ سعادت حاصل تھی کہ سیدالانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت حاصل ہوئی تھی۔ متاع ایمان بھی ان کے پاس تھا۔ شرف شافہت بھی حاصل ہوا تھا۔ دنیا بھر کے اربوں اور کھربوں انسانوں میں صرف ڈیڑھ یا دو لاکھ انسان ہیں جن کو متاع ایمان کے ساتھ سعادتِ زیارت اور شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا انکی یہ سعادت باعثِ رشک اور موجب صد احترام ہے۔ یہ مودودی صاحب ہی کی جسارت ہے کہ ان کے متعلق وُہ انداز اختیار کر رہے ہیں جیسے کسی بازاری شخص کے ساتھ، جو مجرم اور ملزم بھی ہو۔

بہر حال حکومت پر اثر انداز ہونے کا جو نکتہ ان کے دماغ نے اختراع کیا وہ قابل توجہ ہے۔ حضرت حکم کی وفات ۳۲ھ میں ہو چکی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش ۳۴ھ میں شروع ہوئی یعنی حضرت حکم کی وفات سے دو سال بعد۔ گویا وہ وفات سے دو سال بعد بھی اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر ڈالتے رہے۔

عطیہ اور رعایت حکم بن ابی العاص کے معاملہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں قابلِ اعتراض بنانے کے لیے جس طرح لیپ پوت کی، اس سے بھی زیادہ قابلِ نفرت وہ لیپ پوت ہے جو عطیہ اور رعایت کا الزام ثابت کرنے میں مودودی صاحب نے خود اپنے دست مبارک سے کی ہے۔

کتنی رقم تھی جو مروان کو دی گئی جو بقول مودودی صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش کا سبب اور ہدف اعتراض بنی۔ (ص۱۰۶) کس مد سے دی گئی؟ کس بہانہ سے دی گئی؟ کب دی گئی؟

یہ سوالات ہیں

روایتیں ملاحظہ فرمائیے، جو مودودی صاحب نے پیش فرمائی ہیں اور جن کی کتر ذیل سے قبا اعتراض تیار کیا ہے۔

(ا) یہ رقم مروان کو پندرہ ہزار کی مقدار میں دی گئی۔ (خلافت وملوکیت ۳۲۸)

(ب) مروان کے لیے مصر کا خمس لکھ دیا (ص۳۲۶)

سوال یہ تھا کہ جب مروان اس حملہ میں شریک ہی نہیں تھے جو مصر پر کیا گیا تھا تو اس کا خمس مروان کو کیسے مل سکتا تھا۔ تو مودودی صاحب اس کی تاویل یہ فرما رہے ہیں (یعنی افریقہ کے اموال غنیمت کا خمس، جو مصر کے صوبہ کی طرف سے آیا تھا۔ (ص۳۲۶)

(ج) تو کیا جنگِ افریقہ میں مروان شریک تھے؟ شریک نہیں تھے تو خمس کیسا؟ جواب کے لیے آپ نے ابن خلدون کا دامن پکڑا کہ۔

"ابن خلدون نے یہ لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ مروان نے یہ خمس پانچ لاکھ کی رقم میں خرید لیا تھا اور حضرت عثمان نے یہ قیمت اسے معاف کر دی"۔ (ص۳۲۶ حاشیہ)

(د) یہ خرید و فروخت کب ہوئی؟ اور اس کا کیا ثبوت کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے معاف فرما دی اور کیا معاف کر دینے کا ان کو حق تھا؟[1]

سوالات پیچیدہ تھے۔ مودودی صاحب نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارے تو اتفاق سے ابن اثیر کا دامن ہاتھ آگیا۔ فرماتے ہیں اس واقعہ کے متعلق ابن اثیر نے اپنی تحقیق اس طرح بیان کی ہے۔

"عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح افریقہ کا خمس مدینہ لاتے اور مروان بن حکم نے اسے پانچ لاکھ میں خرید لیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ قیمت اس کو معاف کر دی۔ یہ بھی ان امور میں سے ہے جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا جاتا تھا۔ افریقہ کے خمس کے معاملہ میں جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ یہ روایت ان میں سب

---

[1] خلفائے راشدین کے عمل یا قول دلیل ہوا کرتے ہیں۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عطیہ ثابت ہو جاتا تو حضراتِ فقہاء اس دلیل سے کام لیتے ــــ محمد میاں

سے زیادہ درست ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے افریقہ کا خمس عبداللہ بن سعد کو دیدیا تھا اور بعض دوسرے لوگ بیان کرتے ہیں کہ مروان بن حکم کو عطا کر دیا تھا۔ اس روایت سے حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ حضرت عثمان نے افریقہ کی پہلی جنگ کا خمس عبداللہ بن سعد کو عطا کیا تھا اور دوسری جنگ کا (جس میں افریقہ کا پورا علاقہ فتح ہوا) اس کا خمس مروان کو عطاء کیا (تاریخ الکامل ج ۳ ص ۴۶ ابن اثیر)

مودودی صاحب سے دریافت کیا جائے کہ آپ پہلے تو فرماتے ہیں کہ مروان نے پانچ لاکھ میں خرید لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پانچ لاکھ معاف فرما دیئے۔ پھر فرماتے ہیں دوسری جنگ میں جس میں افریقہ کا پورا علاقہ فتح ہوا اس کا خمس مروان کو عطاء کیا۔

خمس عطاء کر دیا تھا تو اس کو فروخت کرنے، پھر قیمت معاف کر دینے کے کیا معنی؟ اور کیا مروان اس دوسری جنگ میں شریک تھے جو ان پر یہ مہربانی فرمائی گئی کہ پورا خمس ان کو بخش دیا۔

اگر فروخت کیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قیمت معاف کر دینے کا کیا حق تھا۔ اگر اس کا کوئی بھی قابل اعتماد ثبوت ہوتا تو فقہاء کرام کے لیے یہ عمل ایک فقہی نظیر ہوتا، کیونکہ خلیفۂ راشد کا عمل بھی دلیل ہوتا ہے۔

تعجب ہے۔ ان کو حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کس قدر بُعد ہے، اور انہیں خلیفۂ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر الزام ثابت کرنے کا کتنا شوق ہے کہ اس شوق میں وہ اپنی فہم و فراست کو بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

انتہاء ہو گئی کہ الزام ثابت کرنے کے لیے تو مضحکہ انگیز متضاد بیانات کو بھی جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشاد گرامی کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے جو آپ نے مدینہ طیبہ میں اجتماع عظیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا اور پورے مجمع نے اس کی تصدیق کی تھی۔ کوئی ایک آواز بھی اس کے خلاف نہیں اٹھی تھی آپ نے فرمایا۔

اما اعطاهم فانی ما اعطیهم من مالی ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد من الناس (طبری ص ۱۰۳ - ج ۵) جہاں تک ان کو دینے کا تعلق ہے تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے مال میں سے دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال نہ میں اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لیے۔

ہر ایک ذی علم جانتا ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں تنقید کا طریقہ نہیں ہے۔ وہ اس جنگل میں ہر ایک رطب ویابس

کو جگہ دیدیتے ہیں۔ حتیٰ کہ امام بخاری رحمہ اللہ جن کی تحقیق وتنقید کا یہ عالم ہے کہ انکی کتاب بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا جاتا ہے۔ وہ جب تاریخ کے میدان میں آتے ہیں تو انہیں کی مرتب فرمودہ "تاریخِ کبیر" گویا ایک نخلستان ہے جس میں درختوں سے زیادہ جھاڑ ہیں اور درختوں میں بار آور بھی اور بے برگ وبار بھی۔

لیکن مودودی صاحب جن کا بلند بانگ دعویٰ یہ ہے۔

"میں کسی بزرگ کے کسی غلط کام کو غلط اسی وقت کہتا ہوں جب وہ قابلِ اعتماد ذرائع سے ثابت ہو اور کسی معقول دلیل سے اس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو" (ص ۳۰۷)

کیا یہ روایتیں جو قیاس اور درایت کے بھی خلاف ہیں اور خود آپس میں بھی متضاد اور متناقض، کیا اس قابل ہیں کہ ان پر اعتماد کر کے اس مقدس شخصیت پر الزام ثابت کیا جائے۔ جس کو سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ سلم کے جانشین سوم ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کو صادق مصدوق کی لسانِ رسالت نے الشہید فرمایا۔ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان بے سروپا روایتوں پر اعتماد کیا جائے اور خود اس شہید مظلوم کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے جو اس نے مجمع عام میں فرمائی تھی اور پورے مجمع نے اس کی تصدیق کی تھی کہ۔

"مسلمانوں کے مال نہ میں اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لیے (طبری ص ۱۰۳- ج ۵)

کیا کوئی بھی صاحبِ انصاف اس ظلم کی اجازت دے سکتا ہے۔ (معاذ اللہ)۔

بیت المال سے اقرباء کی امداد کا معاملہ

اس سلسلہ میں جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے وہ (انشاء اللہ) ہر ایک انصاف پسند طالب حق کے اطمینان کیلئے کافی ہے۔ مزید بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں ہے، مگر چونکہ یہ نہایت کریہہ اور شرمناک عنوان ہے جس کے معنیٰ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ معاذ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں تصرف بیجا اور قومی امانت میں خیانت کی۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب کے پیش کردہ دلائل کا تفصیلی جائزہ لیں۔ یہ جائزہ ہی انشاء اللہ جواب ہو جائے گا۔

اس عنوان کے تحت مودودی صاحب نے دو قول پیش کیے ہیں۔

(۱) زہریؒ کا قول (۲) خود سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول۔

زہری رحمہ اللہ کا قول | مودودی صاحب نے طبقات ابن سعدؒ کے حوالہ سے زہری رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ہم یہ ترجمہ ہی بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی حکومت کے آخری چھ سالوں میں اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو حکومت کے عہدے دیئے اور مروان کیلئے مصر کا خمس (یعنی افریقہ کے اموالِ غنیمت کا خمس جو مصر کے صوبے کی طرف سے آیا تھا) لکھ دیا اور اپنے رشتہ داروں کو مالی عطیے دیئے اور اس معاملہ میں یہ تاویل کی کہ یہ وہ صلہ رحمی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ انہوں نے بیت المال سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں اور کہا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے اس مال میں سے اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور میں نے اس کو لے کر اقرباء میں تقسیم کیا ہے۔ اسی چیز کو لوگوں نے ناپسند کیا۔ ص ۳۲۶ و ص ۳۲۷

جائزہ | زہری رحمہ اللہ مشہور محدث بلکہ فنِ حدیث کے امام ہیں۔ ان کا قول لامحالہ وزن رکھتا ہے، لیکن یہ کہ آیا فی الواقع یہ امام زہری کا قول ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے مودودی صاحب نے بہت سے عمل کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ یہ قول ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے تو مودودی صاحب کا ایک عمل تو یہ ہے کہ آپ علامہ ابن سعد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

ابن سعد کو تمام محدثین نے ثقہ اور قابلِ اعتماد مانا ہے اور ان کے متعلق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ روایات کو جانچ پرکھ کر لیتے ہیں اور اسی بناء پر ان کی کتاب طبقات تاریخ اسلام کے معتبر ترین مآخذ میں مانی جاتی ہے (خلافت و ملوکیت حاشیہ ص ۱۰۷) تفسیر و مغازی کے معاملہ میں انکی ثقاہت پر تمام محدثین و مفسرین نے اعتماد کیا ہے۔ (ص ۳۱۱)۔

مودودی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ واقدی کے تلامذہ میں سے ہیں (ص ۳۱۱) اور تلمیذ بھی ایسے مخصوص کہ آپ کے نام کے ساتھ کاتبؔ الواقدی لکھا جاتا ہے لیکن طبقات کے اعتبار سے وہ بہت بعد کے بن جاتے

ؔ اس زمانہ میں پریس نہیں تھا۔ کتابیں نقل کی جاتی تھیں اور وہی فروخت ہوتی تھیں، نقل کرنا بھی ایک باعزت پیشہ تھا۔ امام بخاریؒ جیسے اکابر اساتذہ کی کتابوں کے نقل کرنے والے معین ہوتے تھے، ان کو کاتب کہا جاتا تھا۔ ابن سعد کا یہی تعلق واقدی سے تھا اس لیے ان کو کاتب الواقدی کہتے ہیں۔ محمد میاں۔

ہیں۔ "تقریب التہذیب" میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے "من العاشرۃ" کہ وہ دسویں طبقہ کے ہیں۔ علاوہ اس کے انہوں نے امام زہری کا جو قول پیش کیا ہے۔ وہ خود اس کا ثبوت ہے کہ ابن سعد نقلِ روایت کے بارے میں قطعاً غیر محتاط ہیں (تفصیل آگے آرہی ہے۔)

یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ ان کی کتاب "طبقات کبریٰ" تاریخ اسلام کی کتابوں میں اہمیت رکھتی ہے۔ اور بہتر کتاب مانی جاتی ہے، مگر اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں جس طرح غیر مرتب طور پر ضعیف موضوعات کا ڈھیر لگا دیا جاتا ہے اور اختصار کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ طبقات کی ترتیب مناسب ہے۔ اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور موضوعات کا بھی ڈھیر نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ضعیف اور موضوع روایتوں سے یکسر پاک ہے۔

۲- پہلے عمل کے بعد مودودی صاحب کا دوسرا عمل ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

> یہ امام زہری کا بیان ہے جن کا زمانہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے قریب ترین تھا۔ اور محمد بن سعد کا زمانہ امام زہری کے زمانہ سے بہت قریب ہے۔ ابن سعد نے صرف دو واسطوں سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (ص ۳۲۷)

یہ دوسرا مغالطہ یا دھول جھونکنے کی دوسری کوشش ہے۔ کسی تعمیر کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حال کی تعمیر ہے۔ صرف دو پشتیں گذری ہیں اس کی تعمیر ہوئی تھی لہٰذا ابھی مضبوط ہوگی، مگر کسی روایت کے متعلق یہ کہنا سراسر مغالطہ میں ڈالنا ہے کہ صرف دو راویوں کا واسطہ ہے یا فلاں کا زمانہ فلاں سے بہت قریب ہے۔

اگر قربِ زمانہ کا اعتبار ہوا کرتا تو وہ تمام روایتیں صحیح مان لی جاتیں جو تبع تابعین کے زمانہ میں بیان کی گئیں کیونکہ ان کی روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف دو واسطے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام، پھر تابعین۔ حالانکہ موضوع روایتیں اسی زمانہ میں گھڑی گئیں۔

عبداللہ بن سبا سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک واسطہ پڑتا تھا۔ حضرات صحابہ کا واسطہ۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے تمام جعل ساز دستوں کی تمام روایتیں صحیح تسلیم ہونی چاہئیں ان میں چون وچرا قطعاً نہ ہونی چاہیئے۔

حضرت محترم مودودی صاحب۔ اس مغالطہ سے کیا فائدہ؟ روایت کے سلسلہ میں تو اگر ایک واسطہ بھی ہو تب بھی ضرورت توثیق کی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ واسطہ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہو ورنہ وہ روایت، روایت نہیں بلکہ اختراع اور افترا ہوگی۔ دنیا جانتی ہے تل اوجھل پہاڑ اوجھل۔

(۳) تیسرا عمل ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔

اگر یہ بات ابن سعد نے امام زہری کی طرف یا امام زہری نے حضرت عثمان کی طرف غلط منسوب کی ہوتی تو محدثین اس پر ضرور اعتراض کرتے۔

حضرت مودودی صاحب کی یہ عبرت آموز نادانی ہے۔ آپ کو محدثین کے اعتراض کا علم نہیں ہے۔ حضرات محدثین جب واقدی کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہیں تو ان کا اعتراض تو کھلا ہوا ہے اور برابر چل رہا ہے کہ واقدی کی روایتیں قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور اگر واقدی کسی ایسے شخص کے ذریعہ بیان کریں جس کے ثقہ ہونے کا علم نہ ہو تو وہ ایسی ساقط اور بے کار روایت ہے کہ اس کی تردید کی بھی ضرورت نہیں۔

معترضہ | بڑی خرابی یہ ہے کہ حضرت مودودی صاحب اور ان جیسے حضرات حدیث و تاریخ میں دخل تو دیتے ہیں، لیکن مورخین خصوصاً محدث مورخین کے مذاق سے واقف نہیں ہیں۔ ان کے زمانہ میں حدیث و تاریخ سے جو بھی دلچسپی رکھتا تھا وہ سندوں سے بھی واقف ہوتا تھا اور رجال سند سے بھی۔ وہ سند کو دیکھ کر روایت کے صحیح یا سقیم ہونے کا فیصلہ کر لیتا تھا اور یہ مورخ یا محدث جب سند پیش کر دیتا تھا تو سمجھتا تھا کہ اس نے اپنا فرض انجام دیدیا۔ اب ہمارے سامنے سندیں آتی ہیں، مگر ہم رجال سند سے واقف نہیں ہوتے ہیں تو ہم ضعیف اور موضوع روایت کو بھی مستند سمجھ لیتے ہیں اور یہی پروپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں کہ ہم جو پیش کر رہے ہیں اس کی سند موجود ہے۔ حالانکہ سند ردی میں ڈال دینے کے قابل ہوتی ہے۔

سخن شناس نئی دلبرا سخن اینجاست

(۴) یہ عمل پوری فنی مہارت سے کیا ہے کہ الفاظ کی بھول بھلیاں میں رکھ کر (کہ عہد سے قریب ترین تھا اور صرف دو واسطے ہیں اس لیے اس بیان کو صحیح تسلیم کرنا ہی ہوگا) اس روایت کی اصل کمزوری اور خرابی پر پردہ ڈال دیا۔ یعنی اس سوال کو سامنے آنے ہی نہیں دیا کہ یہ دو واسطے کون ہیں؟ یہ سوال سامنے آتا ہے تو ساری فن کاری ختم ہو جاتی ہے۔

ان دو واسطوں میں پہلے صاحب جو زہری کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ محمد بن عبداللہ ہیں۔ محمد بن ع
کون ہیں۔ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ کچھ پتہ نہیں۔ "تقریب التہذیب" میں محمد بن عبداللہ "ستتر" ہیں۔ ان کا امتیاز دا
یا قبیلہ وغیرہ کے انتساب سے ہوتا ہے۔ جب تک قبیلہ یا دادا وغیرہ کا علم نہ ہو تو محمد بن عبداللہ فرضی شخ
بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی شخص اپنا نام محمد رکھ سکتا ہے اور اس کا باپ اللہ کا بندہ ہی ہوگا۔ لہٰذا کوئی شخص بھی محمد
عبداللہ ہو سکتا ہے۔ ایسے راوی کو مجہول کہا جاتا ہے اور سند میں اس طرح مبہم اور مجہول نام پیش کر دینا
اصلی نام چھپا لینا۔ تدلیس کہلاتا ہے، جو ائمہ حدیث کی نظر میں ایک ایسا عیب ہے جس کی بنا پر نہ صرف وہ
روایت ساقط ہوتی ہے بلکہ اس راوی پر بھی اعتراض آجاتا ہے۔

دوسرے راوی محمد بن عمر ہیں جو واقدی کے لقب سے مشہور ہیں۔

مودودی صاحب نے غیر معتبر کو معتبر گرداننے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے واقدی کی بھی توثیق کی ہے
فرماتے ہیں :-

> واقدی کے متعلق یہ بات اہلِ علم کو معلوم ہے کہ صرف احکام وسنن کے معاملہ میں
> ان کی احادیث کو رد کیا گیا ہے۔ باقی رہی تاریخ اور خصوصاً مغازی اور
> سیر کا باب۔ تو اس میں آخر کون ہے جس نے واقدی کی روایات
> نہیں لیں۔ (ص ۳۰۷ خلافت و ملوکیت)

اس ارشاد میں بھی پہلا مغالطہ تو یہ ہے کہ واقدی کی روایات تاریخ و مغازی کے باب میں تسلیم کی جا تی
ہیں۔ حالانکہ تاریخ میں بھی واقدی کی روایت اُس وقت لی جاتی ہے جبکہ واقدی کسی ثقہ یا کم از کم معروف
یعنی غیر مجہول سے روایت کریں تو اس صورت میں اس روایت کو صرف اس بناء پر کہ واقدی روایت کر
رہے ہیں، ساقط نہیں کریں گے، لیکن اگر واقدی کسی مجہول شخص سے روایت کریں یا کسی ایسے شخص سے ج
مجروح قرار دیا گیا ہو یعنی کاذب یا مدلس وغیرہ مانا گیا ہو تو یہاں تو کریلا نیم چڑھا ہو جاتا ہے خود واقدی مجروح او
مجروح اور مجہول سے روایت کریں تو وہ روایت تو کسی بھی صاحبِ بصیرت کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہ
یہاں یہی صورت ہے کہ واقدی جن سے روایت کر رہے ہیں وہ مجہول ہے لہٰذا روایت ناقابلِ اعتبار۔
اس کے علاوہ قابلِ توجہ یہ ہے کہ جب احکام وسنن کے بارے میں واقدی کی روایت ناقابلِ اعتبار

توکیا ایسے معاملہ میں واقدی کی روایت معتبر ہوگی جو احکام وسنن سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ اس بات میں کہ مسجد سے کونسا پیر پہلے باہر نکالیں اور کونسا پہلے اندر رکھیں اور غسل کرتے وقت وضو پہلے کریں یا بعد میں ایسے مسائل میں تو واقدی کی روایت معتبر نہ ہو کہ یہ احکام وسنن کا معاملہ ہے اور ایسا شخص جو باتفاق اہلسنت والجماعت حضرات شیخین کے بعد پوری امت میں سب سے افضل مانا جاتا ہو جس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ثالث ہونے کا شرف حاصل ہو جس کے لیے جنت کی بشارت ہو جس کو شہید کا خطاب دیا گیا ہو اسکی عزت وعظمت اسکی ثقاہت ودیانت پر حملہ ہو اس کے بارے میں واقدی کی روایت معتبر مان لیجیے۔ کیا یہ صحیح ہے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

(۵) ایک اور عمل ملاحظہ ہو کہ الفاظ کے گورکھ دھندے میں ان خرابیوں کو نظر سے اوجھل کر دیا جو خود اس روایت کے اندر موجود ہیں جن کی بنا پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ قول انہیں زہری کا ہوگا جو فنِ حدیث کے امام مانے جاتے ہیں اس قول میں ہے۔ حضرت عثمان نے اپنی حکومت کے آخری چھ سالوں میں اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو عہدے دیئے۔"

یہ کھلی غلط بیانی ہے۔ جن رشتہ داروں کے نام لیے جاتے ہیں اور جن عطیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ آخری چھ سالوں میں نہیں ہیں۔ بلکہ پہلے چھ سالوں میں ہیں۔ تمام تفصیل پہلے گذر چکی ہے، یہاں اس کا اعادہ طوالت ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، عبداللہ بن عامر (حاکم بصرہ) ان سب کے تقررات پہلے چھ سالوں میں ہو چکے ہیں فتح افریقہ اور افریقہ یا مصر کے خمس کا قصہ بھی پہلے چھ سالوں میں ہوا۔ ولید بن عقبہ کے بعد حضرت سعید بن العاص کے تقرر کے متعلق بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آخری چھ سالوں میں ہوا۔ یہ تقرر خلافتِ عثمانی کے چھٹے سال کے آخر میں یا ساتویں کے شروع میں ہوا۔

بہر حال آخری چھ سالوں میں رشتہ داروں کے تقرر کا قول ایک ایسا غلط قول ہے جو اس زہری کا تو نہیں ہو سکتا جو فنِ حدیث کے امام مانے جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی علت ہے کہ فنِ حدیث کے اصول کے لحاظ سے اس علت کی بناء پر یہ قول معلول ہو گیا۔ معلول قول قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔

اس قول میں دوسری علت (خرابی) یہ ہے کہ قول میں یہ ہے کہ مروان کیلیے مصر کا خمس لکھ دیا۔ جو سراسر غلط ہے۔ اگر خمس دینے کی روایت ہے بھی تو افریقہ کے مالِ غنیمت کی ہے۔ مصر کے خمس کی نہیں۔ مودودی صاحب نے اسس بگاڑ کو درست کرنے کی کوشش کی اور یعنی کہہ کر غلط کو صحیح کرنا چاہا، مگر یہ کھلی ہوئی جنبہ داری ہے روایت میں خمس مصر ہے جو یقیناً غلط ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ ایسی غلط بات نہیں کہہ سکتے۔

تیسری علت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے متعلق کہا ہے کہ انہوں نے بیت المال سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں۔ یہ ایسی بات ہے جو کسی محدث یا مورخ نے نہیں کہی خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور تقریر میں اس کی تردید کی ہے۔ (طبری ص ۱۰۳۔ ج ۵) اور جس کو پوری ملت نے "غنی" کا خطاب دیا۔ درایۃً اسکی سیرت کے خلاف ہے۔ ایسی بات جو عام محدثین کی روایات اور اُن کے مسلمات سے ہٹ کر کہی جائے اصولِ روایت کے لحاظ سے "شاذ" اور "منکر" کہلاتی ہے۔ شاذ اور منکر روایت ضعیف ہوتی ہے قابلِ استناد نہیں ہوتی۔

اسی طرح یہ علت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اقرباء کو خود اپنی دولت تقسیم کی تھی اس طرح کہ اپنے لڑکوں کو بھی دس ہزار ہی دیئے جو دوسروں کو ملے تھے۔ یہ ایک مستند اور مشہور روایت ہے سب ہی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ مودودی صاحب نے اسس کو تسلیم کیا ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۱)
لہٰذا اس مشہور اور مسلّم کے خلاف اس قول میں جو کچھ کہا گیا ہے کہ بیت المال میں سے اپنا حق لیکر ورثاء میں تقسیم کیا۔ اصولِ روایت کے لحاظ سے شاذ و منکر اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

مودودی صاحب نے الفاظ کے گورکھ دھندے میں روایت کی ان تمام کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا۔ کیا اس کا نام دیانت ہے۔؟

(۶) مودودی صاحب کی چابکدستی ملاحظہ ہو۔ آپ تردید کو تائید فرمارہے ہیں۔
آپ فرماتے ہیں:۔

> اس کی تائید ابن جریر طبری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ افریقہ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے وہاں کے بطریق سے تین سو قنطار سونے پر مصالحت کی تھی (فامر بہا عثمان لآل الحکم) پھر حضرت عثمان نے یہ رقم الحکم یعنی مروان کے باپ حکم کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم دیا۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۲۷)

اس بیان کے نقل کرنے میں مودودی صاحب نے کمال یہ کیا ہے کہ اس بیان کا آخری لفظ جس سے روایت کا بوگس اور متضاد ہونا ثابت ہو وہ نقل ہی نہیں کیا۔ قلت اولمروان قال لا ادری ۔(طبری ص ۵۰۔ ج ۵)
مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ابن کعب نے بیان کی تھی۔ اسامہ بن زید لیثی راوی ہیں۔ راوی یعنی اسامہ بن زید لیثی نے ابن کعب سے دریافت کیا۔ "آل حکم" سے مراد کون ہیں۔ کیا مروان کو یہ رقم دی تھی۔ تو ابن کعب نے جواب دیا مجھے خبر نہیں۔

اب غور فرمائیے۔ افریقہ کے خمس کا معاملہ ہے۔ ابن کعب کہتے ہیں مجھے خبر نہیں کس کو یہ رقم دی۔ مشہور یہ ہے کہ افریقہ کا خمس مروان کو دیا گیا۔ اس بنا پر اسامہ بن زید بھی یہی فرماتے ہیں کہ کیا یہ رقم مروان کو دی۔ اگر ابن کعب کو معلوم نہیں کہ کس کو دی تو اسامہ بن زید کا قیاس صحیح ہوگا کہ مروان کو دی گئی۔ خود مودودی صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں، اسی بنا پر بزعم خود اس کو تائید فرما رہے ہیں، لیکن اس صورت میں اس روایت سے تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ تضاد اور اختلاف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو روایتیں پیش کی گئی ہیں اب تک ان میں یہ اختلاف تھا کہ مروان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پندرہ ہزار روپے دیئے یا خمس دیا۔ خمس دیا تو مصر کا یا افریقہ کا، یا افریقہ کا خمس مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ میں فروخت کر دیا تھا۔ وہ رقم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے معاف فرما دی۔ اب ایک اضافہ اور ہو گیا کہ یہ خمس نقد رقم تھی یا قابلِ فروخت سامان۔ اس روایت میں ہے کہ تین سو قنطار تھے۔ یعنی یہ خمس سونے کی شکل میں تھا اور تین سو قنطار تھا تو فروخت کرنے والی روایت کے بھی خلاف ہوا اور تعداد میں بھی اختلاف ہو گیا کہ پانچ لاکھ کے بجائے تین سو قنطار رہے۔ تین سو قنطار کتنا بھی ہوتا ہو پانچ لاکھ نہیں ہوتا۔

اب کوئی بھی انصاف پسند اس پوری روایت پر غور کریگا تو وہ اس کو "متضاد" قرار دے گا۔ یہ مودودی صاحب کی خوش فہمی ہے کہ وہ اس کو تائید فرما رہے ہیں۔ مزید برآں کمال یہ ہے کہ ابن جریر طبری نے اس کو ۲۷ھ کے واقعات میں نقل کیا ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ اگر یہ انعام دیا گیا ہے تو ۲۷ھ میں یعنی خلافت کے نصف اول میں عطا فرمایا گیا ہوگا، کیونکہ افریقہ انہیں ایام میں فتح ہوا تھا، مگر ابن سعد کے مصنوعی زہری فرما رہے ہیں کہ ست اواخر یعنی نصف ثانی کے چھ برسوں میں انعامات دیئے اور بخششیں کیں۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

(۲) سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

حضرت عثمان نے خود بھی ایک موقع پر ایک مجلس میں جہاں حضرت علی حضرت سعد ابن ابی وقاص، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت معاویہ موجود تھے اور ان کے مالی عطایا پر اعتراضات زیر بحث تھے اپنے طرز عمل کی تشریح فرمائی؛

میرے دونوں پیش رو اپنی ذات اور اپنے رشتہ داروں کے معاملہ میں سختی برتتے رہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رشتہ داروں کو مال دیا کرتے تھے۔ میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جسکے لوگ قلیل المعاش ہیں، میں نے اس خدمت کے بدلے میں جو میں اس حکومت کی کر رہا ہوں اس مال میں سے روپیہ لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسا کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں تو اس روپیہ کو واپس کرنیکا فیصلہ کر دیجیے میں آپ کی بات مان لوں گا۔ سب لوگوں نے کہا آپ نے یہ بات بہت ٹھیک فرمائی۔ پھر حاضرین نے کہا آپنے عبداللہ بن خالد بن اُسید اور مروان کو روپیہ دیا ہے ان کا بیان تھا کہ یہ رقم مروان کو پندرہ ہزار کی اور ابن سعد کو ۵۰ ہزار کی مقدار میں دی گئی، چنانچہ یہ رقم ان دونوں سے بیت المال کو واپس دلوائی گئی اور لوگ راضی ہو کر مجلس سے اٹھے۔

(خلافت و ملوکیت ص ۳۲۷، ۳۲۸)

اگر مودودی صاحب یا راوی روایت ان رشتہ داروں میں سے کسی ایک دو کا نام لے دیتے تو ہم یہ کہنے کی جرأت نہ کرتے کہ یہ روایت اپنی تردید آپ کر رہی ہے۔ تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ حضرت[1] عثمان رضی اللہ عنہ خود دولت مند تھے اور آپ کا خاندان بھی دولتمند تھا۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ کی امتیازی خصوصیات میں یہ کہا جاتا ہے کہ بنو ہاشم اپنے صاحب دولت نہیں تھے جتنے صاحب حوصلہ تھے۔ اور بنو امیہ کے پاس دولت تھی، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے مستثنیٰ افراد کے علاوہ عام طور پر بنو امیہ خرچ کرنے کے حوصلہ سے محروم تھے مثلاً حضرت ابو سفیان جو بنو امیہ ہی میں سے تھے ان کی بیوی نے (حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی کہ ابو سفیان بہت ہی ہاتھ روک کر خرچ کرتے ہیں۔ دوسرا

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ میں مستثنیٰ تھے کہ آپ کی سخاوت کے چشمے ہمیشہ موجزن رہے۔ جیسے ابولہب بنو ہاشم میں مستثنیٰ تھا کہ سود خوار بھی تھا اور حریص بھی ایسا کہ خزانہ کعبہ سے سونے کا ہرن چرا کر بیچ ڈالا (معارف ابن قتیبہ)

روایت میں ہے کہ بخیل (کنجوس[1]) آدمی ہیں۔

محترم مودودی صاحب نے مفہوم بیان کر دیا کہ "میں ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں" حالانکہ الفاظ یہ ہیں انا فی رھط اھل عیلة وقلة معاش (طبری ج ۵ ص ۱۰۱) یعنی صرف قلیل المعاش نہیں بلکہ یہ بھی کہ صاحبِ فقر و فاقہ ہیں۔ اھل عیلة (صاحب فقر و فاقہ) اور قلیل المعاش۔

اب اگر صاحب فقر و فاقہ اور قلیل المعاش مروان ہیں، کیونکہ بخشش کے سلسلہ میں انہیں کا نام لیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ یہی راوی حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ افریقہ کا خمس مروان نے پانچ لاکھ میں خرید لیا تھا (ابن خلدون و ابن کثیر) تو یہ اہل عیلہ اور قلیل المعاش عجیب ہیں جو لاکھوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اور فقیر و مسکین[2] بھی ہیں۔

دوسرے صاحب خالد بن اُسید۔ وہ اتنے قریبی رشتہ دار نہیں ہیں کہ اُن کو خاندان کا فرد کہا جا سکے۔ اس کے علاوہ وہ تمام روایتیں اس روایت کی تردید کرتی ہیں جن میں خمس افریقہ کے عطا کرنے یا پانچ لاکھ میں فروخت کرنے پھر قیمت کو معاف کر دینے کا افسانہ ہے (جو پہلے گذر چکا ہے) یہ تضاد اور اہمال مفہوم کے لحاظ سے ہے باقی رہا سند کا معاملہ تو وہ اس سے بھی زیادہ عجیب بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ اس سند میں یکے بعد دیگرے پانچ راوی ہیں۔

(۱) عبداللہ بن احمد بن شبّویہ (۲) یہ عبداللہ اپنے والد احمد بن شبّویہ سے نقل کرتے ہیں (۳) احمد بن شبّویہ عبداللہ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ تین بزرگ کون ہیں؟ بہت بہتر ہو اگر مودودی صاحب یا ان کے ہمنوا حضرات ان کا تعارف کرا دیں اگر وہ تعارف نہ کرا سکیں اور یقیناً نہیں کرا سکتے تو مجہول راویوں کی روایت کا مقام ردّی کی ٹوکری ہے۔ استدلال میں اس کو پیش کرنا استدلال کی توہین ہے۔

چوتھے راوی اسحاق بن یحییٰ ہیں۔ بسلسلہ اسماء الرجال ان کا تعارف کرایا گیا ہے، مگر اسی طرح یحییٰ بن سعید قطان فرماتے ہیں شبۂ لاشئ ایک دھوکا ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور ابن معین فرماتے ہیں لا یکتب حدیثہ یہ اس قابل نہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے (میزان الاعتدال) بہرحال پہلے تین راوی اگر ان کا تعارف ہو جائے

[1] ابوسفیان رجل سیک۔ بخاری ص ۸۰۷ رجل شحیح بخاری ص ۸۰۹ [2] کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پانچ لاکھ معاف فرما دیئے تھے۔ اگر بفرض محال اس کو صحیح مان لیا جائے تو معافی تو بعد میں ہوئی سوال تو یہ ہے کہ ایک فقیر و مسکین کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ پانچ لاکھ کا سودا کرے۔

اور فرض کر لیجیے وہ سب ثقہ ثابت ہوں تو اسحاق بن یحیٰے کا واسطہ ایسا ہے جو انکی ثقاہت کو ختم کر دے گا اور سند کو لامحالہ لاشی بنا دے گا۔

پانچویں راوی موسیٰ بن طلحہ ہیں وہ بقول حافظ ذہبی رحمۃ اللہ ثقہ جلیل ہیں، مگر جب ان تک رسائی کے واسطے ضعیف، کمزور لاشیٔ اور بے حقیقت ہیں تو راوی اوّل کی ثقاہت اس لاشیٔ اور بے حقیقت کو قابلِ اعتماد نہیں بنا سکتی۔

تعجب ہوتا ہے مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے کے لیے تو ایسی ضعیف بلکہ مضحکہ خیز روایتوں پر بھی اعتماد کرتے ہیں اور خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ کونسا انصاف ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو تسلیم نہ کیا جائے جو آپ نے اہلِ مدینہ کے مجمع عام میں فرمایا تھا کہ۔

میں نے جو کچھ دیا۔ اپنے پاس سے دیا میں مسلمانوں کے مال کو نہ اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی شخص کے لیے۔ (طبری ص ۱۰۳، ج ۵)

پری نہفتہ رخ و دیو بکرشمہ و ناز　　　بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

انوکھا انداز۔ صفائی ناقابل التفات، الزام بہرحال درست

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیانات

محترم سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ایک ایسی جماعت کے امیر اور امام ہیں جو یقیناً کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ اس جماعت کے ذرہ یا اس کے امام اور امیر کو شیعی کہا جائے، لیکن یہ تضاد بیانی ناقابلِ فہم ہے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام لگانے کے لئے تو مودودی صاحب کمزور سے کمزور روایت بڑی شان سے پیش فرماتے ہیں اور اس کے برخلاف جن بیانات سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صفائی اور برارت ثابت ہو، مودودی صاحب اسکو اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں گویا وہ تاریخ کے ذخیرہ میں موجود ہی نہیں ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ تقریر جو طبری ص ۱۰۳۔ ج ۵ کے حوالہ سے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں فرمائی تھی اور اس میں بڑی قوت سے ارشاد فرمایا تھا:

> اپنے کسی رشتہ دار کو جو کچھ میں نے دیا ہے وہ اپنے پاس سے اپنے مال میں سے میں نے دیا ہے، مسلمانوں کا مال میں نے نہ اپنے لئے کبھی جائز سمجھا نہ اپنے کسی رشتہ دار کے لئے۔

(۲) اچھا رہنے دیجئے یہ خود (معاذ اللہ) ملزم کا بیان ہے، ملزم کا بیان نظر انداز کیجئے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ مودودی صاحب بھول جاتے ہیں کہ وہ خود یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ جب بلوائیوں کا ہجوم مدینہ پہنچا اور ان

لوگوں نے حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی ان تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا۔ اور حضرت علیؓ نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف کی۔ (خلافت وملوکیت ص۱۱۱)

غور فرمائیں کہ اسی کتاب کے ص۱۱۱ پر پوزیشن کی صفائی کا اعتراف ہے، پھر کمزور اور ضعیف روایتیں پیش کر کے انہیں الزامات کو دہرایا جا رہا ہے۔ جن میں سے ایک ایک کا جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ دے چکے تھے۔ (یا للعجب)

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک بھرے مجمع میں خود خوارج کے منہ پر ان تمام الزامات کا دندان شکن جواب دیتے ہیں۔ جملہ مؤرخین جن کو مودودی صاحب تاریخ اسلام کے مستند ترین مؤرخ قرار دیتے ہیں وہ ان جوابات کو نقل کرتے ہیں، لیکن مودودی صاحب کے نزدیک تاریخ کا صحیح مطالعہ غالباً یہی ہے کہ جو واقعہ ان کی منشاء کے خلاف ہو اگر وہ دوپہر کے چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح روشن ہو مگر مودودی صاحب وضاحت وصراحت کجا اشارہ اور کنایہ میں بھی اس کا ذکر نہ کریں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ خوارج نے یزید کے مقابلہ پر سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیا تھا۔ جب یزید کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشینوں نے پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر یورش کا ارادہ کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے مقابلے کی تیاری کرنے لگے تو اب بھی خوارج نے یہی ارادہ کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیں، لیکن کچھ ہوش مندوں کو خیال آیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دینے سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کریں اگر وہ ہمارے ہمنوا نہیں ہیں تو ہمیں بھی کیا ضرورت ہے کہ انکی امداد وحمایت میں جان کھپائیں۔

چنانچہ خوارج کے نمائندے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے یہاں پہنچے اور کہا:۔

جناب والا۔ ہم نے پہلے بغیر رائے معلوم کئے آپ کا ساتھ دیا تھا، اب ہم آپکا ساتھ جب دیں گے جب عثمانؓ کے بارے میں آپ کی رائے معلوم ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مجلس پر نظر ڈالی تو ان کے حامی بہت کم تھے آپ نے اس وقت

ان کو ٹال دیا کہ آپ صاحبان ایسے وقت آئے ہیں کہ مجلس برخاست ہو رہی ہے۔ میں اٹھ رہا ہوں آپ صاحبان شام کو تشریف لائیں، اس وقت اطمینان سے بات چیت ہوگی۔ یہ لوگ چلے گئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے "اصحاب" کو پیغام بھیجا کہ وہ شام کو اپنے اسلحہ لگا کر یہاں آئیں۔ خوارج کے آنے کا وقت ہوا تو تمام اسلحہ بند اصحاب کو دو قطاروں میں کھڑا کر دیا اور ایک جماعت جن کے ہاتھوں میں لوہے کے گرز تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر کے گرد کھڑی ہوگئی۔ اب خوارج کی جماعت آئی ان کے قائد ابن الازرق نے یہ شان دیکھی تو ساتھیوں سے کہا کہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ اس نے اپنے خطیب عبیدہ بن ہلال سے کہا کہ اپنا مقصد بیان کرو۔ عبیدہ نے نہایت فصیح وبلیغ پیرایہ میں حمد وثنا کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کی اور کہا کہ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرتے رہے۔ پھر لوگوں نے عثمان بن عفان کو خلیفہ بنا دیا۔

فحمی الاحماء فآثر القربیٰ واستعمل الغنیٰ[1] ورفع الدرة[2] ووضع السوط ومزق الکتاب وحقر المسلم وضرب منکری الجور۔ وآوی طرید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضرب السابقین بالفضل وسیرھم وحرمھم ثم اخذ فیٔ اللہ الذی افاء علیھم فقسمہ

اس شخص نے بہت سی زمینوں کو حمیٰ (سرکاری چراگاہ) بنایا۔ اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دی۔ دولت مندی کا مظاہرہ کیا۔ درہ ختم کر دیا۔ کوڑے سے پٹوانا شروع کیا کتاب کو پھڑوا دیا (ایک متفق علیہ مصحف کے علاوہ باقی تمام مصاحف کو جلوا دیا۔ محمد میاں) مسلم کو ذلیل کیا اور جو ظلم کرنے سے انکار کرتے تھے ان کو پیٹا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال دیا تھا اسکو سکونت کی اجازت دیدی جو حضرات اپنے علم وفضل میں نمایاں درجہ رکھتے ہیں انکو مارا، جلاوطن کیا اور محروم کر دیا (انکے وظیفے بند کر دیئے) پھر وہ مال جو بطور فیٔ آتا تھا اسکو لیا ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جو قریش کے فاسق اور

---

[1] ابن اثیر وفی تاریخ ابن جریر الفتیٰ

[2] عرب کے محاورہ میں اس جملہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک خاص ڈھنگ پر حکم چلانا شروع کر دیا۔

بین فساق القریش و مجان العرب فسارت الیہ طائفۃ من المسلمین اخذ اللہ میثاقھم علی طاعتہ لایبالون فی اللہ لومۃ لائم فقتلوہ فنحن لھم اولیاء ومن ابن عفان واولیاءہ براء فما تقول انت یا ابن الزبیر

عرب کے آوارہ گرد اور لا ابالی آدمی ہیں۔ پس مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت چلی جو اللہ کی اطاعت پر عہد و پیمان کئے ہوتے تھی۔ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا اس کو خوف نہیں تھا، اس نے عثمان کو قتل کر دیا۔ ہم اس جماعت کے حامی ہیں اور ولی ہیں اور جو لوگ عثمان کے حامی اور ولی ہیں ہم ان سے بیزار ہیں۔ اب آپ فرمایئے — ابن زبیر آپ کیا رائے رکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جواب

نہایت نازک موقع تھا جب خوارج نے یہ سوالات پیش کئے۔ دشمن مقابلہ پر تھا اور جن سے امداد کی توقع کی جا سکتی تھی وہ یہ سوال کر رہے تھے، مگر سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے "صداقت" کو سیاست پر قربان نہیں کیا۔ آپ نے حمد و ثنا اور مسنون خطبہ کے بعد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں جو تم نے بیان کیا۔ باقی رہے سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تو ان کے بارے میں۔

وقد فھمت الذی ذکرت بہ عثمان بن عفان رحمۃ اللہ علیہ وانی لا اعلم مکان احدٍ من خلق اللہ الیوم اعلم با بن عفان وامرہ منی کنت معہ حیث نقم القوم علیہ واستعتبوہ فلم یدع شیئاً استعتبہ القوم فیہ الا اعتبھم منہ ثم انھم رجعوا الیہ بکتاب لہ یزعمون

جو کچھ تم نے کہا میں نے اس کو خوب سمجھا اور میں نہیں جانتا کہ آج کے دن اللہ کی تمام مخلوق میں کوئی شخص حضرت عثمان اور انکے معاملہ کا مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ جب اعتراض کرنے والوں نے اپنے اعتراضات پیش کئے اور تدارک کا مطالبہ کیا اس وقت میں ان کے ساتھ تھا۔ ان لوگوں نے جس بات کا تدارک چاہا حضرت عثمان نے اس کا تدارک کر دیا۔ کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں رہی جس کا تدارک نہ کر دیا ہو۔ پھر وہ دوبارہ آئے ان کی (حضرت عثمان) ایک تحریر لے کر وہ یہ دعوے کر رہے تھے کہ یہ تحریر ان کے بارے میں حضرت عثمانؓ

انه کتبه، فیهم یا مرفیه بقتلهم فقال لهم ما کتبته فان شئتم فهاتوا ببینتکم فان لم تکن حلفت لکم فوالله ما جاؤوا ببینةٍ ولا استحلفوه۔ ولو ثبوا علیه فقتلوه۔ وقد سمعت ما عبتمه به فلیس کذلك بل هو لکل خیر اهل وانا اشهدکم ومن حضر۔ انی ولی لابن عفان فی الدنیا والاخرة وولی اولیاءه وعدو اعداءه

نے لکھی ہے (رضی اللہ عنہ) اس تحریر میں ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے یہ تحریر نہیں لکھی اگر تم چاہو تو ثبوت پیش کرو اور اگر تم ثبوت نہیں پیش کر سکتے تو میں تمہارے سامنے قسم کھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم۔ نہ انہوں نے کوئی ثبوت پیش کیا اور نہ حضرت عثمانؓ سے قسم لی (بلکہ) دفعۃً وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کود پڑے اور انکو شہید کردیا اور میں نے ان الزاموں کو سنا جو تم نے اُن پر لگائے ہیں جیسا تم کہتے ہو وہ ایسے ہرگز نہیں تھے بلکہ وہ ہر ایک خوبی اور اور خیر کے مستحق تھے اور میں تمکو اور جو بھی موجود ہیں ان سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ابن عفان کا ولی اور حامی ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور جو اُن کے حامی ہوں ان کا میں حامی ہوں اور جو ان کے دشمن (مخالف) ہیں اُن کا میں دشمن ہوں

قالوا فبرئ الله منك یا عدو الله

(حضرت عبداللہ بن زبیر کے اس واشگاف جواب کے بعد آپکو خطاب کرتے ہوئے) خوارج نے کہا تجھ سے اللہ بیزار ہے اے دشمن خدا۔

قال فبرئ الله منکم یا اعداء الله وتفرق القوم۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ خدا کے دشمنو! خدا تم سے بیزار۔

پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جدا ہو گئے۔

(ابن جریر ص۵۵ و ص۵۶ ج ۷۔ تاریخ الکامل لابن اثیر ص۶۵ ج ۴ و ص۳۳۶ مطبوعہ الادارۃ المنیریہ)

معلوم ہوتا ہے کچھ اعتراضات رٹا دیئے گئے تھے۔ خوارج کے خطیب نے انہیں رٹے ہوئے

اعتراضات کو دہرا دیا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس وقت ان کا جواب نہیں دیا۔ کیونکہ پہلے بار بار دیئے جا چکے تھے مختصر طور پر تردید کر دی کہ ان پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ ہر ایک الزام سے بری ہیں۔ اب تعجب یہ ہے کہ حضرت علامہ مودودی صاحب سوا تیرہ سو برس پہلے خوارج کے رٹے ہوئے سبق کو نہ صرف دہرا رہے ہیں بلکہ اس کو ثابت کرنے کے لئے قلم کی جولانیوں کو کام میں لا رہے ہیں اور ان کے برخلاف سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو صفائی پیش کی وہ سب گاؤ خورد۔ گویا کسی کتاب میں موجود ہی نہیں۔ یعنی الزام بہر حال ثابت اور ان کا جواب ناقابل التفات۔

مروان کی شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔

دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوتی، وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان ابن الحکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمان کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے ایسے کام کئے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمان پر پڑتی تھی۔ حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔ تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اوّلین کے لئے مشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بناء پر دوسرے لوگ تو درکنار، خود حضرت عثمان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہی رائے رکھتی تھیں۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے۔ نہ ہیبت نہ محبت۔

(ص ۱۱۵ و ص ۱۱۶)

تبصرہ

اس تحریر کے متعلق مودودی صاحب نے کتابوں کے حوالے تو دیئے کہ فلاں فلاں کتاب سے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ مگر ایسی مثال جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے محل نرم مزاجی یا مروان کی جرأت بیجا اور فتنہ انگیزی وغیرہ ثابت ہو، نہ مودودی صاحب نے پیش کی نہ ان کتابوں میں کوئی ایسی مثال دی گئی ہے

جن سے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ فقط کہہ دینے اور لکھ دینے سے الزام ثابت نہیں ہوتا اور جو باتیں ان کتابوں میں لکھی گئی ہیں اگر انہیں کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اس الزام کے سلسلہ میں بھی مودودی صاحب نے اور ان لوگوں نے جن کی تقلید مودودی صاحب کر رہے ہیں سراسر غلط بیانی کی ہے۔

مودودی صاحب مروان کی ان باتوں کو شورش کے اسباب میں شمار فرما رہے ہیں اور انداز بیان یہ ہے کہ گویا مروان کی یہ حرکتیں عرصہ دراز تک مسلسل ہوتی رہیں۔ حالانکہ وہ باتیں جو بطور مثال پیش کی جاتی ہیں اس وقت کی ہیں جب شورش برپا ہو چکی تھی اور وہ صورت پیدا ہو گئی تھی جس کا نقشہ خود مودودی صاحب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

۱۔ اس تحریک (حضرت خلیفہ سوم کو معزول کرنے ورنہ شہید کر دینے) کے علمبردار مصر، کوفہ اور بصرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے باہم خط و کتابت کر کے خفیہ طریقہ پر طے کیا کہ اچانک مدینہ پہنچ کر حضرت عثمان پر دباؤ ڈالیں۔

۲۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد یا ایسے کمزور الزامات پر مشتمل تھی جن کے معقول جوابات دیئے جا سکتے تھے اور بعد میں دیئے گئے (جو پچھلے صفحات پر گذر چکے ہیں۔ محمد میاں) پھر باہمی قرارداد کے مطابق یہ لوگ جن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی، مصر، کوفہ اور بصرہ سے بیک وقت مدینہ پہنچے۔

۳۔ یہ کسی علاقے کے نمائندے نہیں تھے بلکہ سازباز سے انہوں نے ایک پارٹی بنائی تھی۔

۴۔ جب یہ مدینہ کے باہر پہنچے تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو انہوں نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر تینوں بزرگوں نے ان کو جھڑک دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کی، مدینہ کے مہاجرین و انصار بھی جو دراصل اس وقت مملکت اسلامیہ میں اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے تھے ان کے ہمنوا بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

۵۔ مگر یہ لوگ اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انہوں نے مدینہ میں گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کا جواب یہ تھا کہ میں تمہاری ہر شکایت کو دُور کرنے کے لئے تیار ہوں جو صحیح اور جائز ہو، مگر تمہارے کہنے سے میں معزول نہیں ہو سکتا۔

۶ — اس پر ان لوگوں نے چالیس روز تک ایک ہنگامہ برپا کئے رکھا جس کے دوران میں ایسی ایسی حرکات ان سے سرزد ہوئیں جو مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ کی توہین کی اور حضرت عائشہ یہ کہہ کر مدینہ سے چلی گئیں کہ اس طوفان بدتمیزی میں کیا میں اپنی بھی توہین کراؤں۔ آخر کار ان لوگوں نے ہجوم کر کے سخت ظلم کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ تین دن تک ان کا جسدِ مبارک تدفین سے محروم رہا اور قتل کرنے کے بعد ظالموں نے ان کا گھر بھی لوٹ لیا۔ ص۱۱۷ و ص۱۱۸

معترضہ ۱ — مودودی صاحب کی اصل عبارت میں نمبر نہیں ہیں، نمبر ہم نے لگا دیئے ہیں۔

۲ — یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ بلوائیوں کے گروہ کی آمد تک مروان کی کسی تحریر تقریر یا فتنہ انگیزی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

۳ — مودودی صاحب کی اس تحریر کو دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔ ۲ و ۳ میں مودودی صاحب اعتراف کر رہے ہیں کہ شورش برپا کرنے والے تقریباً دو ہزار افراد تھے۔ یہ کسی علاقے کے بھی نمائندے نہیں تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک طویل فہرست مرتب کی جو زیادہ تر بالکل بے بنیاد تھی۔ الخ

(۱) اب انصاف فرمایئے، فتنہ کا سبب یہ لوگ تھے یا مروان کی سیکرٹری شپ اور ان کی فتنہ انگیز تقریریں وغیرہ۔

(۲) مودودی صاحب کے قلم سے ایک صحیح بات نکل گئی، مگر افسوس یہ ہے کہ مودودی صاحب خود اس صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مودودی صاحب اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ یہ دو ہزار افراد جو کہ کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے عبد اللہ بن سبا کے تربیت دادہ اور اس کی پارٹی کے تھے تو پھر خود ان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ وہ الزامات لگا رہے ہیں وہ سب غلط ہیں اور یہ پوری کتاب جو

نہوں نے لکھی ہے، دفتر بے معنیٰ ہے۔

مروان کی یہ حرکتیں کب ہوئیں | مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ آپ اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے میری مدد کریں۔ انہوں نے جواب دیا سب کچھ مروان بن الحکم سعید بن العاص۔ عبداللہ بن عامر اور معاویہ کی بدولت ہو رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کی بات مانتے ہیں اور میری نہیں مانتے۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔ اچھا اب میں تمہاری بات مانوں گا۔ اس پر حضرت علیؓ انصار و مہاجرین کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر مصر سے آنے والے شورشیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو واپس جانے کے لئے راضی کیا۔ (خلافت و ملوکیت ص۳۳۲)

معترضہ | یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ لوگ واپس جانے کے لئے راضی ہو گئے اور واپس بھی ہو گئے لیکن پھر لوٹ آئے اور نعرے لگاتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے اور یہ کہ جو ہمارے مقابلہ پر نہیں آئے گا۔ وہ مامون ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تم کیوں واپس آ گئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ایک خط پکڑا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا خط وغیرہ کچھ نہیں یہ تمہاری سازش ہے۔ تم مدینہ ہی میں سے یہ طے کر کے گئے تھے کہ اس طرح ایک بہانہ بنا کر واپس ہونگے۔ ان لوگوں نے کہا آپ جو کچھ بھی خیال کریں ہم تو اسکو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ طبری ص۱۰۵ ج ۵

مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

> اسی زمانہ فتنہ میں ایک اور موقع پر حضرت علی سخت شکایت کرتے ہیں کہ میں معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں اور مروان ان کو پھر بگاڑ دیتا ہے آپ خود منبر رسول پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مطمئن کر دیتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد آپ ہی کے دروازے پر کھڑا ہو کر مروان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے اور آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص۳۳۲)

خلاصہ : معاملہ کو سلجھانے اور مروان کے گالیاں دینے کی تفصیل تو بعد میں عرض کی جائے گی یہاں یہ بات واضح کرنی ہے کہ مروان کی یہ حرکتیں جو کچھ بھی ہوئیں شورش اور فتنہ کے زمانہ میں ہوئیں

لہٰذا ان کو اس انداز سے بیان کرنا کہ گویا ایک عرصہ سے یہ باتیں مروان کی طرف سے ہو رہی تھیں حتیٰ کہ ان کی بنا پر شورش ہوئی یا شورش برپا کرنے میں وہ مددگار ثابت ہوئیں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ شورش کے بانی تو وہی ہیں، جن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ شورہ پشت تھے۔ تخریب پسند جو بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے، جب وہ مدینہ پر چھا گئے تب یہ باتیں ہوئیں ہیں جن کو مروان کی فتنہ انگیزی کہا جا رہا ہے۔ مروان کی یہ باتیں اگر ثابت بھی ہو جائیں جو بیان کی جاتی ہیں تو وہ دفاع کے وقت کی ہیں ان کو بلوائیوں کے اقدام کا سبب بتانا قطعاً غلط ہے۔

مروان کی تقریر اور فتنہ انگیزی کا افسانہ مودودی صاحب کی یہ تمام تحریر جو اس بحث کے آغاز میں پیش کی گئی جس پر یہ تبصرہ چل رہا ہے۔ اس کا ماخذ واقدی کی ایک طویل روایت ہے۔ ابن اثیر۔ حافظ ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کے اقتباسات لئے ہیں۔ طبری نے اس پوری روایت کو نقل کر دیا ہے۔

(از ص ۱۰۸ تا ۱۱۳ - ج ۵)

علامہ ابن جریر طبری نے اس کو اہمیت نہیں دی بلکہ اس کو آخر میں نقل کیا ہے اور ممکن ہے ان کا خیال یہ ہو کہ "نقل کفر کفر نباشد"۔ مگر مودودی صاحب جیسے حضرات کے لئے یہ روایت ایک مستند اور مقدس دستاویز ہے۔ پوری روایت کو نقل کرنا یا پوری روایت کا ترجمہ کرنا تضیع اوقات ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بلوائی جب ایک خط کا بہانہ لیکر دوبارہ مدینہ پر چڑھ آئے اور یہ اعلان کر دیا کہ جو ان پر حملہ نہیں کرے گا اسکو وہ بھی نہ ستائیں گے تو اس وقت ایک گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، اس میں واسطہ تھے۔ اس گفتگو میں یہ بھی طے ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی سرح وغیرہ سے واسطہ نہیں رکھیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ بھی اصرار کیا کہ وہ مجمع عام میں تقریر کر کے لوگوں کو اطمینان دلا دیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور جیسا کہ وہ تقریباً ایک سال پہلے حضرت سعید بن العاص کے معاملہ میں کوفہ والوں کو لکھ چکے تھے کہ تمہارے مطالبہ کے بموجب میں نے سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو مقرر کر دیا ہے اور واللہ میں معاملہ کو

ختم کرنے اور حالات کی اصلاح کے لئے پُورے صبر سے کام لوں گا اور تمہارے لئے کوئی حجت باقی نہیں چھوڑوں گا۔ (طبری ص ۹۶ - ج ۵)

ایسے ہی اس تقریر میں بھی آخری حد تک اپنی تیاری کا اظہار کیا کہ وہ اتمام حجت کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ آپ نے اپنی غلطیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور توبہ کی اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر تقاضا حق یہ ہو کہ میں غلام کی حیثیت اختیار کروں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ لَاَذِلَنَّ ذِلَّ الْعَبْدِ۔ ولاکو نن کالعبد المرقوق ان ملك صبر وان عتق شکر (طبری ص ۱۱۱ ج ۵، ابن اثیر ص ۸۲، ج ۳) — میں وہ ذلت برداشت کروں گا جو غلام برداشت کرتا ہے۔ میں اس زرخرید غلام کی طرح ہو جاؤں گا جو اگر مملوک رکھا جائے تو صبر کرتا ہے اور اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو شکر ادا کیا کرتا ہے۔ آپ صاحبان آئیں، مجھے مشورہ دیں میں مشورہ پر عمل کرونگا۔ لئن ابت یمینی لتتابعن شمالی۔ اگر میرا داہنا ہاتھ عمل نہیں کریگا تو میرا بایاں ہاتھ عمل کرے گا اور مشورہ کی پیروی کرے گا۔ (طبری ص ۱۱۱ ج ۵)

اس تقریر کے بعد وہ مکان پر واپس تشریف لائے تو وہاں مروان اور خاندان کے کچھ اور لوگ موجود تھے۔ مروان منہ چڑھے خادم تھے۔ انہوں نے عرض کیا حضرتؓ اگر آپ با اختیار اور اپنی جگہ پر محفوظ اور مضبوط ہوتے اور اس وقت یہ تقریر فرماتے تو سب سے پہلے میں آپ کے حوصلہ اور حق پسندی کی تعریف کرتا اور اب جبکہ آپ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں اور ایسے پابند ہیں کہ گویا آپ کی نکیل دوسروں کے ہاتھ میں ہے آپ کی اس تقریر سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا اثر الٹا پڑے گا۔

(طبری ص ۱۱۱، ۱۱۲، ج ۵)

ہمیں یقین نہیں آتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر فرمائی ہوگی اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی تقریر کا مشورہ دیا ہوگا۔ بہر حال اگر واقدی کی روایت تسلیم کی جاتی ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نقطۂ اختلاف ہے۔ اس وقت تک کی کاروائی کو حضرت علیؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ درست سمجھ رہی ہیں اور ان کو یہ توقع ہے کہ اس سے معاملہ سلجھ جائے گا اور فتنہ دب جائے گا اور مروان کی رائے یہ ہے کہ یہ فتنہ پرداز جن کا منشا تخریب اور جن کا مقصد شرانگیزی ہے جواب تک پر کا کوا بلکہ بلا پر کے کوا بناتے رہے ہیں اور حال ہی میں یہ بدعہدی کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سب کچھ وعدہ کر کے گئے اور تین روز بعد خط کا بہانہ لے کر دوبارہ آگئے۔ وہ اس نرمی اور انکسار سے

۱۷۸

درست نہیں ہونگے اُن کے حوصلے اور بلند ہونگے۔ مروان کی اس گفتگو کو آپ مخلصانہ اظہار رائے بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے، لیکن اس گفتگو پر یہ حاشیہ چڑھایا گیا کہ یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیرخواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۱۵)

مروان نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر واقعی کوئی غلطی ہوئی ہے تو میرے نزدیک اس غلطی پر قائم رہنا ایسی توبہ سے بہتر ہے جس کا انداز مرعوبانہ ہو گویا آپ لوگوں سے ڈر کر توبہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب تقریری توبہ سے حاصل نہیں ہوتا، وہ اس توبہ سے حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو۔ (طبری ص ۱۱۱۔ ج ۵)

مروان نے کہا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ آپ سمجھ رہے ہیں کہ معاملہ دب گیا۔ حالانکہ اب بھی آپ کے دروازہ پر لوگوں کا ہجوم ہے۔ اور ان فتنہ پردازوں کی بھیڑ بڑھتی جارہی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو جو کچھ کہہ چکا ہوں اب اس کی تردید کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تم چاہتے ہو تو اس مجمع سے خطاب کر لو۔

اب مروان پھاٹک پر پہنچے تو مجمع پہلے سے بھی زیادہ ہو چکا تھا اور بڑھتا جارہا تھا۔ یہ مجمع نہ صحابہ کرام کا تھا نہ فرزندان صحابہ یا اہلِ مدینہ کا بلکہ انہیں کا تھا جو مدینہ کو گھیرے ہوئے تھے اور بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے۔

مروان نے ان کے سامنے بیشک ایک سخت[1] تقریر کی۔ تمہارے چہرے جھلس جائیں۔ تم لوگوں نے یہاں کیوں بھیڑ لگائی ہے۔ تم لوٹ مار کرنا چاہتے ہو کہ خلافت کو ختم کردو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تم نے کوئی بُرا ارادہ کیا تو یاد رکھو ہم بھی وہ کریں گے جو تمہیں پسند نہیں ہوگا۔ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ یاد رکھو ہم مغلوب نہیں ہیں۔ (طبری ص ۱۱۴ ج ۵)

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔

مروان کی یہ تقریر لامحالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ناگوار ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نائلہ کو بھی ناگوار ہوئی۔ اس تقریر کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مروان تم کو قتل کرا کے چھوڑے گا اور اسی تقریر کی بنا پر یہ بھی کہا گیا کہ مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حاوی ہے۔ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُس کا کچھ نہیں کر سکتے۔

اور یہی تقریر ہے جس کا تذکرہ مذکورہ بالا اقتباس میں ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شکایت کی۔ آپ خود منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مطمئن کرتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد آپ ہی دروازے پر کھڑا ہو کر مروان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے اور آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے۔ ص۳۳۴

(دروازے پر کھڑے ہو کر مروان نے یہی تقریر کی تھی۔ جس کا پس منظر ہم نے اوپر بیان کیا)

نتیجہ: (۱) قطع نظر اس سے کہ تقریر برمحل تھی یا بے محل اور غیر موزوں تھی۔ یہ کھلے طور ثابت ہو گیا کہ اس تقریر کو فتنہ کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے سبب نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) اس تقریر کے مخاطب نہ صحابہ کرام ہیں نہ اولادِ صحابہ یا اہلِ مدینہ۔ اس تقریر کے مخاطب وہی بے مہار بلوائی ہیں جو بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے۔ لہذا مودودی صاحب کا یہ الزام قطعاً غلط ہے کہ مروان نے متعدد مرتبہ صحابہؓ کے مجمع

حاشیہ ص۳۰۱) واقدی نے ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طویل گفتگو ہوئی۔ اس میں شکوے شکایتیں بھی تھیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر رونق افروز ہو کر تقریر کی جس میں کچھ شکایتوں کا جواب تھا۔ کچھ اپنی پالیسی کی وضاحت تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاموش ہوتے تو مروان نے تقریر شروع کی اگر آپ لوگ چاہتے ہیں تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کر سکتی ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آگے نہیں بولنے دیا۔ مروان کو خاموش کر دیا اور فرمایا یہ میرا اور میرے دوستوں کا معاملہ ہے۔ تمہیں بولنے کا حق نہیں ہے۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم کچھ نہ بولنا۔ طبری ص۹۶ ج۵

اگر یہ روایت صحیح ہے تو مودودی صاحب کا الزام اس سے بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اول تو مروان کچھ کہہ ہی نہیں سکا اور اگر کہتا بھی تو یہ بھی ہنگامہ کے دوران کا واقعہ ہے۔ شورش پہلے سے شروع ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے نہ شورش ہوئی نہ کسی صحابی کو شکایت کا موقع ملا۔

میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اولین کے لیے بمشکل قابلِ برداشت ہو سکتا تھا۔ ص۱۱۶۔ متعدد بار نہیں صرف ایک مرتبہ اور صحابہ کے مجمع میں نہیں بلکہ ان شورہ پشتوں کے مجمع میں جو مدینہ پر اس وقت چھائے ہوئے تھے اور خلیفہ مظلوم کے شہید کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔

(۳) بے شک نائلہ۔ اس تقریر سے ناراض ہوئیں۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہی پالیسی پسند کرتی تھیں۔ جس کا اعلان انہوں نے اپنی تقریر میں کیا تھا (اگر اس تقریر کے متعلق روایتوں کو صحیح مانا جائے) جس میں توبہ استغفار کرتے ہوئے بزعم خود اتمام حجت کے لئے نہایت دبا ہوا انداز اختیار کیا تھا کہ میں غلاموں جیسی ذلت بھی برداشت کرنے کو تیار ہوں میں زر خرید غلام کی طرح بننے کو تیار ہوں۔ جس کو اگر مملوک رکھا جاتے تو وہ صبر کرتا ہے اور اگر اس کو آزاد کر دیا جاتے تو وہ شکر کرتا ہے۔

پھر یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ صاحبان آئیں۔ مجھے مشورہ دیں اس پر عمل کروں گا۔ لیکن اس تقریر کے کیا معنے تھے۔ کیا اس حوالگی کے معنے یہ نہیں تھے کہ آپ اپنے ہاتھوں وہ خلعت اتار رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنایا تھا اور جس کے بارے میں آپ بار بار فرما چکے تھے کہ میں کبھی نہیں اتاروں گا۔ خواہ جان جاتی رہے۔ مجھے میرے حبیب کی وصیّت ہی یہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور کیا اس تقریر کے معنے یہ نہیں تھے کہ آپ اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر رہے ہیں جو بقول مودودی صاحب کسی کے نمائندے نہیں تھے۔ جن کا قائد عبد اللہ بن سبا اور وہ حکیم بن جبلہ تھا جو چوروں اور ڈاکوؤں کی پارٹی کا مکھیا اور سرغنہ رہا تھا۔ (طبری ص ۹۰/ج۵) اور اس کی یہی پارٹی اس وقت بھی پیش پیش تھی۔

(۴) اس تقریر کی بنا پر کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کے تابع ہو گئے۔ نائلہ نے بھی طعنہ دیا تھا۔ اَطعتَ مروان یقودك حیث شاء (طبری ص ۱۱۲/ج۵) (مروان کے تابع ہو گئے جدھر کو چاہتا ہے تمہیں کھینچ کر لے جاتا ہے)

لیکن معمولی توجہ سے بھی کام لیا جاتے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کے تابع نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اس تقریر کی بنا پر وہ اپنے مؤقف سے ہٹ گئے تھے اور مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے راستہ پر نہیں چلایا بلکہ اس

صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کر دیا جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گامزن تھے اور آخر تک اسی پر گامزن رہنے کا عزم کر چکے تھے۔

واقدی کی روایت خلافِ قیاس اور خلافِ درایت

سمجھ میں نہیں آتا۔ واقدی کی اس روایت کو کیسے تسلیم کر لیا جائے اور مودودی صاحب کو کیسے ہمت ہوئی کہ انہوں نے اس روایت کی بنیاد پر سخت ترین الزام لگا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محولہ بالا تقریر دوبارہ پڑھیئے۔ اس پر مروان کے اعتراض نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس شکایت پر بھی نظر فرمایئے کہ میں جن معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں، مروان ان کو پھر بگاڑ دیتا ہے۔

(خلافت و ملوکیت ص۱۳۲)

اگر یہ تقریر صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ بموجب روایت واقدی یہ تقریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منشا کے مطابق تھی اور مروان نے اس کے خلاف لب کشائی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت ناراض ہوئے (طبری ص۱۱۳ و ص۱۱۲ ج۵)

تو اس کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے تھے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے نظریات قربان کر دیں اور جام شہادت کے مقابلہ میں نظریات کی قربانی منظور کر لیں۔ مگر مروان کا قدم استقامت نہیں ڈگمگایا انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی قربانی کی تلقین کی اور اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ممانعت کے سبب سے وہ اپنا حوصلہ پورا نہیں کر سکے مگر جیسے ہی حضرت عثمانؓ نے اپنی قربانی دی مروان بھی قربان ہونے کیلئے میدان میں آگئے۔ بلوائیوں کا مقابلہ کیا اور ایسے زخمی ہوئے کہ بلوائی انکو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ (طبری ص۱۲۴ ج۵)

حضرت مودودی صاحب تو شاید یہ ہمت نہ کر سکیں البتہ حضرات ناظرین فیصلہ فرمائیں کہ اگر واقدی کی یہ ڈرامائی روایت تسلیم کی جاتی ہے تو مستحق مبارک باد کون ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا مروان؟

خاتمۂ کلام

خلافتِ راشدہ سے ملوکیت کیوں اور کس طرح ؟

مودودی صاحب کی اس تصنیف کا آخری عنوان ہے۔ خاتمۂ کلام صفحہ ۳۴۸، اس عنوان کے تحت آپ فرماتے ہیں :۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مَیں معترض حضرات سے گذارش کرتا ہوں کہ اگر ان کے نزدیک میرا استدلال اور وہ مواد جس پر استدلال مبنی ہے اور وہ نتائج جو میں نے اس استدلال سے اخذ کئے ہیں سب کچھ غلط ہے تو بخوشی اس کی نفی کر دیں، مگر صرف نفی کر دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ ان کو خود مثبت طریقے سے صاف صاف یہ بتا دینا چاہیئے کہ :

۱۔ قرآن وسنت کی رو سے اسلامی ریاست کے قواعد اور اسلامی اصولِ حکمرانی فی الواقع کیا ہیں ؟

۲۔ خلافت راشدہ کی وہ اصل خصوصیات کیا ہیں، جن کی بناء پر وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت قرار دی جاتی ہے ؟

۳۔ اس خلافت کے بعد مسلمانوں میں ملوکیت آئی یا نہیں ؟

۴۔ اگر آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ملوکیت نہیں آئی، تو کیا بعد کی حکومتوں میں خلافت علیٰ منہاج النبوت کی خصوصیات موجود تھیں ؟

۵۔ اگر آپ مانتے ہیں کہ ملوکیت آگئی، تو وہ کن اسباب سے کس طرح آئی ؟

۶۔ کس مرحلے پر آپ یہ کہیں گے کہ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔

۷۔ خلافتِ راشدہ اور اس ملوکیت میں وجوہ امتیاز کیا ہیں، اور ایک کی جگہ دوسری کے آنے سے فی الواقع فرق کیا واقع ہوا ؟

۸۔ کیا اسلام میں خلافت اور ملوکیت دونوں یکساں ہیں۔ یا ان میں سے ایک نظام اس کی نگاہ میں مطلوب ہے اور دوسرا نظام صرف ایسی صورت میں قابلِ برداشت ہے جبکہ اس کو تبدیل کرنے کی کوشش زیادہ بڑے فتنے کی موجب نظر آتی ہو ؟

مودودی صاحب کے چیلنج کا جواب

مودودی صاحب نے خاتمۂ کلام میں یہ سوالات کئے ہیں۔

ان کا جواب دینے سے پہلے ہم ایک سوال مودودی صاحب سے کرتے ہیں کہ آپ کا خطاب کس سے ہے۔ جہاں تک ہمارا علم ہے وہ معترض صاحبان جن سے آپ یہ سوالات کر رہے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے ماننے والے حنفی المسلک ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق آپ خود فرما چکے ہیں کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ سب سے پہلے خلیفہ ابوبکر، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اور یہ خلفاء راشدین ائمہ مہدیین ہیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۲۳۲)

پھر سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ فرما چکے ہیں:۔

"حافظ ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ پھر بادشاہی ہوگی۔ اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہوگئی۔ جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے۔"

(خلافت و ملوکیت ص ۱۴۸)

نیز آپ فرما چکے ہیں کہ خلافت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی رائے یہ تھی کہ:۔

"پہلے بزور اقتدار پر قبضہ کرنا اور بعد میں دباؤ کے تحت بیعت لینا اس کے انعقاد کی جائز صورت نہیں ہے، صحیح خلافت وہ ہے جو اہل رائے لوگوں کے اجتماع اور مشورے سے قائم ہو" (خلافت و ملوکیت ص ۲۴۹)

علاوہ ازیں آپ نے ایک عنوان قائم کیا ہے:۔

"خلافت اور اس کے متعلق مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مسلک"۔ ص ۲۴۷۔

اس عنوان کے تحت آپ نے امام صاحب کا جو مسلک بیان کیا ہے اس سے خلافت راشدہ کی خصوصیات، نیز خلافتِ راشدہ اور ملوکیت کے درمیان وجوہِ امتیاز کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں خلافت اور ملوکیت ایک نہیں۔ خلافت اصل ہے اور ملوکیت بدرجۂ مجبوری۔ کہ اگر بغاوت کی جائے تو امت کو خطرات عظیمہ برداشت کرنے پڑیں۔

ان وضاحتوں کے بعد بھی کسی حنفی المسلک (اور دیگر ائمہ کے متبعین بھی ان مسائل میں احناف سے متفق

ہی ہیں) کے سامنے یہ سوالات رکھنا طول لاطائل اور خلط مبحث ہے ۔ ممکن ہے کوئی سادہ لوح ان سوالات سے مرعوب ہوجاتے اور بہت ممکن ہے آپ کا منشا رہی یہی ہو کہ اس طرح مرعوب کرکے آپ ان الزامات کو صحیح تسلیم کرالیں جو آپ نے خلیفہ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے ہیں ۔

بہر حال ہر سنجیدہ شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ سوالات بے معنی ہیں ۔ ہاں سوال ۵ یقیناً قابلِ غور ہے کیونکہ اس سوال کا جواب آپ یہ دیتے ہیں کہ ملوکیت اس لئے آئی کہ :-

(ا) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطاء کئے ۔ اور ان کے ساتھ دوسری رعایات ایسی کیں ، جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں ۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۶)

(ب) اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا ۔ ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوگئے بلکہ قبائلیت کی دبی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافتِ راشدہ کے نظام کو ہی پھونک کر رہا ۔ (ایضاً ص۱۰۱)

(ج) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس صوبے (شام) کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہوگیا ۔ (ص ۱۱۵)

(د) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے ۔ حضرت عثمان نے ایلیہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کرکے اپنے پورے زمانہ خلافت (بارہ سال) ان کو اسی صوبہ پر برقرار رکھا ۔ یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا ۔ (ص ۱۱۵)

یہ بندہ ضعیف اپنی سابق طویل تحریر میں خود ان مؤرخین اور ان کتب تاریخ کے حوالوں سے جن کو مودودی صاحب مستند ترین مؤرخ اور مستند ترین کتب تاریخ مانتے ہیں ، ثابت کرچکا ہے کہ یہ تمام الزامات غلط ہیں ، خلیفہ شہید و مظلوم سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ پر افترا ہیں بہتان ہیں ۔

لیکن جبکہ یہ ایک ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ خلافت راشدہ ختم ہوئی اور اس کی جگہ ملوکیت آئی ۔ اور

مودودی صاحب کی یہ بات بھی تسلیم ہے کہ صرف نفی کر دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ اس انقلاب کی کوئی مثبت وجہ بیان کرنی چاہیئے۔ تو ہمارے سامنے سب سے پہلے ایک تنقیح آتی ہے۔ کہ وہ تغیرات جو قوموں اور جماعتوں کے حالات اور اطوار میں ماحول کے تقاضوں کے بموجب قدرتی طور پر ہوتے رہتے ہیں' ان تغیرات کے پیشِ نظر قدرتی اور طبعی بات یہ تھی کہ خلافت راشدہ ختم ہو اور ملوکیت اسکی جگہ لے۔ یا ملوکیت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا تھا؟ ایسے حالات اور ایسے تغیر کا بھی امکان نہیں رہا تھا، کہ ملوکیت" آسکے۔ پھر کسی صاحبِ اقتدار کی غلط کاری نے اس چیز کو زندہ کر دیا۔ جو ہمیشہ کے لئے فنا کے گھاٹ اتر چکی تھی۔

اس کا جواب ہم کسی صاحبِ منطق یا کسی مدعی فہم و دانش سے نہیں مانگتے بلکہ اس کے جواب کے لئے اس ذات اقدس کے اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں، جس نے اپنی شان یہ بیان فرمائی تھی۔ اوتیت علم الاولین والاخرین۔ یعنی جس کو ماضی اور مستقبل کے تمام ربانیین اور اہل اللہ کا علم عطا کر دیا گیا تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس نے ان تمام فتنوں کو بیان کر دیا تھا جن میں اس کی امت مبتلا ہونے والی تھی۔

ان کے دو ارشاد ہمارے سامنے آتے ہیں جو کتب احادیث میں دائر و سائر ہیں اور جن کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے، گویا ان کی صحت پر امت کا اجماع و اتفاق ہو گیا ہے کہ یہ اقوال فی الواقع ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کسی وضع یا اختراع کو ان میں دخل نہیں ہے۔ (پہلا ارشاد) خیر القرون قرنی۔ ثم الذین یلو نھم۔ ثم الذین یلو نھم (صحاح) سب سے بہتر دَور، میرا دَور ہے۔ پھر اس کے بعد کا، پھر اس کے بعد کا۔

(دوسرا ارشاد) الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذالک (ترمذی شریف ج ۲۔ ص ۴۵) خلافت میری امت میں تیس سال رہے گی۔ پھر اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔

ان ارشادوں میں دونوں سوالوں کا جواب موجود ہے کہ ملوکیت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہوا۔ اس کا سلسلہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی رہے گا۔ صرف تیس سال کا دَور اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس دَور میں بھی یہ تنزل پذیر رہے گا۔ اور تنزل کی رفتار یہ ہوگی کہ وہ رشد جو خلیفہ کو خلیفہ راشد قرار دے سکے تیس سال تک ہی رہے گا۔ تیس سال بعد یا سرے سے رشد ہی نہیں رہیگا یا رہیگا تو اس درجہ کا نہیں کہ صاحبِ اقتدار کو خلیفہ راشد قرار دے سکے۔ بہت سے بہت اس درجہ کا رہے گا کہ صاحبِ اقتدار کو ملک راشد یا ملک عادل

قرار دیدے۔

وجہ اور باعث یہ دونوں ارشاد صاحبِ ایمان کو عقیدہ کی حد تک مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن استدلالی اور منطقی شخص کی "کیوں" پھر بھی باقی رہتی ہے۔

مصر کے مشہور صاحبِ قلم "الاستاد عباس محمود العقاد" دورِ حاضر کے جلیل القدر فاضل ہیں۔ آپ نے نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں جو جواب اس "کیوں" کا دیا ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ اس جواب کی خوبی یہ ہے کہ مودودی صاحب کے جواب کی طرح خوارج یا روافض کے اختراع کردہ الزامات پر نہیں بلکہ یہ جواب آیات کتاب اللہ اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات پر مبنی ہے اور حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ عقاد صاحب فرماتے ہیں :۔

یہ تبدیلی کہ خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت آئی، لوگ اس کو بھی انقلاب کہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ انقلاب نہیں بلکہ ایک عظیم ترین انقلاب کا ردِ عمل تھا۔

دعوت نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے قوم عرب کو روحانی کمالات اور اخلاق و کردار کی اس غیر معمولی بلندی پر پہنچا دیا تھا کہ نوع بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس بلندی پر باقی رہ سکے۔

سید الکونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انفاس قدسیہ کا مہر تاباں اور شمس منیر جب تک درخشاں تھا، اُمت عربیہ کے اخلاق و کردار کی سطح بلندی کی سب سے اُونچی چوٹی پر قائم رہی اور جب یہ آفتاب افق سے اوجھل ہوا تو لامحالہ اس بلندی میں تنزل شروع ہو گیا (یہ انقلاب نہیں تھا بلکہ انقلاب کا ردِ عمل تھا)

دعوتِ نبویہ کی برکات میں سے ایک برکت یہ تھی کہ امت عربیہ کی اقتصادی بدحالی دُور ہوتی رفاہیت اور خوشحالی میسر آئی (جو عموماً روحانی کمالات اور اخلاق و کردار کو روبتنزل کر دیتی ہے) لیکن اگر یہ رفاہیت اور خوشحالی نہ آتی اور امت عربیہ اسی طرح اقتصادی مشکلات میں مبتلا، تباہ و شکستہ حال رہتی، تب بھی نفوس بشریہ میں طاقت نہیں تھی کہ وہ اس بلندی پر قائم رہ سکے۔ (العبقریۃ الاسلامیہ۔ ص ۸۳۰، ۸۳۱)

عقاد صاحب کا منشا سمجھنے کے لئے ایک مثال ملاحظہ فرمائیے :-

ایک بے ڈول کچی عمارت ہے ۔ جس کے اوپر کھجور کے پٹھوں کی چھت ہے ۔ اس کو آپ چھپر بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ ڈھلواں ہے ۔ نیچے کنکریوں کا فرش ہے ۔ کوئی آرائش یا آراستگی نہیں ۔ یہاں تک کہ فرش پر چٹائیاں بھی باقاعدہ نہیں ہیں ۔ اسی سادہ اور بے ڈھنگی عمارت میں کنکریوں کے فرش پر ایک سن رسیدہ آدمی بیٹھا ہے ۔ کپڑے اگرچہ میلے نہیں مگر شاندار بھی نہیں ۔ کہیں سے پھٹے ہوئے ہیں ۔ کہیں سے پیوند لگے ہوئے ہیں ۔ اسی لباس میں یہ شخص خدا پرست اور بے لوث سچے ، سادہ اور دلیر انسان کی تمکنت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے ۔ چہرے سے خدا پرستی کی علامتوں کے ساتھ خلق خدا سے استغنا ، اور بے نیازی کی وہ شان نمایاں ہے ۔ جو بڑے بڑے شاہنشاہوں اور بادشاہوں کو نصیب نہیں ۔ آنکھوں میں خمار ہے ، مگر خلق خدا کی ہمدردی ، کمزوروں کی محبت اور مظلوموں کی مددگاری کا خمار ۔ اسکے برابر میں ایک دُرّہ رکھا ہوا ہے ۔ آس پاس اسی طرح کے کچھ سادہ اور بے لوث انسان فداکاری کے جذبات کو اپنا شعار بنائے بیٹھے ہیں ۔ ایک اور صاحب آتے ہیں، سادہ وضع مگر چہرے پر رعب داب اور بہادرانہ شان و شوکت ۔ انداز اگرچہ شاہانہ نہیں ہے ، مگر قبیلہ کے ایک ایسے شیخ کا انداز ہے جو اپنے حلقہ میں بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ یہ صاحب ایک دُور دراز علاقے سے آرہے ہیں، عراق سے یا مصر سے یا شام سے ۔ وہاں کی حکومت جو شاہانہ عظمت کے ساتھ اس علاقہ میں صدہا سال سے قائم تھی ۔ بے شمار خزانوں کی مالک اور عظیم الشان قلعے اس کے زیر نگیں تھے، جس کو اپنی عظمت اور فوجوں کی شجاعت و بہادری پر ناز تھا ۔ ان صاحب نے وہاں ایک انقلاب برپا کیا ۔ ان جیسے مجاہدین کی جماعت ان کے زیر قیادت تھی ۔ یہ اس کے سپہ سالار تھے ۔ انہوں نے وہاں نہایت خوفناک اور بہادر حکومت کے مقابلہ پر ایسی شجاعت ، جنگی مہارت اور ایسے حوصلہ کا مظاہرہ کیا جو ایک فاتح کر سکتا ہے ۔ فاتح جو عظیم الشان فاتح ہو ۔ انہوں نے صرف فوجوں کو شکست نہیں دی بلکہ اس علاقہ کے ان بڑے بڑے خاندانوں کو جو عظیم ترین تاریخی روایات کے حامل تھے، اس طرح سرنگوں کیا کہ ان کی ساری عظمتیں ختم ہو گئیں، رؤسا ، فقیر اور امراء ، غلام ، اور ان کی خواتین باندیاں بن گئیں ۔

یہ باعظمت اور باشوکت فاتح اس گلیم پوش کے سامنے جو چھپر کے نیچے کنکریوں کے فرش پر بیٹھا ہے اس طرح حاضر ہوتا ہے جیسے ایک شاگرد استاد کے سامنے، وہ گلیم پوش اس فاتح اعظم سے سوالات کر

رہا ہے ۔ فوجی نظم ونسق کیا رہا ؟ مالِ غنیمت کتنا حاصل ہوا ؟ کس طرح تقسیم کیا گیا ؟ مفتوحہ علاقہ کا کیا انتظام کیا گیا ؟ کیا وہاں کے باشندوں سے کوئی معاہدہ کیا گیا ؟ معاہدہ کی شرائط کیا ہیں ؟ کیا ان پر صحیح صحیح عمل ہوا ؟ یہ ثابت کرو کہ جو مطالبات ان پر ڈالے گئے وہ ان کی طاقت واستطاعت سے زائد نہیں ہیں ۔ تم نے یہ کثیر رقم بیت المال کے لئے بھیجدی ۔ تم نے اس کے وصول کرنے میں دباؤ سے کام لیا ہے ؟

اس طرح کے سوالات ایک گلیم پوش درویش کر رہا ہے اور یہ فاتح جو افواج اسلام کا قائد اعظم ہے ہر ایک سوال کا صحیح صحیح جواب اس طرح دے رہا ہے کہ اس کے دل پر ہیبت طاری ہے کہ غلطی کی سزا دُرّہ ہوگی ۔

یہ گلیم پوش درویش کون ہے ۔ یہ ہیں عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفۂ دوم ۔ یہ قائدِ افواج فاتح فیلڈ مارشل جو میدانِ جہاد میں وہ کارنامے انجام دے چکے ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں کون ہیں؟ یہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ۔ جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی ہے ۔ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں سے ہوتا ہے ۔ جو السابقین الاولین میں ہیں ۔ جنہوں نے اپنی زندگی اسلام و ایمان کے لئے تج دی ہے ۔

مقامِ غور ہے ۔ یہ گلیم پوش درویش کس بلند کردار کا مالک ہوگا کہ دُرّہ ہاتھ میں لئے ہوئے ان سے محاسبہ کر رہا ہے جو اخلاص وللّٰہیت ، اللہ اور اس کے رسول کی محبت ، ترقی اسلام کے لئے جانفشانی اور فداکاری میں وہ شان رکھتے ہیں کہ وحی الٰہی بھی اس کی مدح خواں ہے اور[1] رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی بشارت دے رہی ہے ۔ اور یہ اکابرِ دین ، اساطین امت اس کے محاسبہ سے خائف ہیں ۔ اور اسکو اس احتساب کا مستحق سمجھتے ہیں ، کیونکہ اس کا کردار عرف گیری سے بلند ہے ۔ غور فرمایئے کیا بشر میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اس بلندی کو حاصل کر سکے ۔

یہ شان ہے خلیفۂ دوم کی جس کا دور اگرچہ خیر القرون ہے مگر تیسرے منبر پر ہے ۔ غور فرمایئے کیا شان ہوگی دَورِ اوّل اور دورِ دوم کی ۔ ظاہر ہے یہ سب طاقت بشری سے بالا صرف عطاء خداوندی اور انعامِ ربّانی ہیں ۔

خلیفۂ رابع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب آفتابِ نیم روز ہیں ۔ باجماع امت آپ امام الاتقیاء ہیں ۔ سلوک وطریقت کے سلسلے زیادہ تر آپ ہی سے وابستہ ہیں ۔ آپ ان کے مرکز و

[1] السابقون الاوّلون (تا) رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (سورۃ ۹ (توبہ) آیت ۱۰۰)

منبع اور قطب ارشاد ہیں۔ آپ مدینۃ العلم کے باب ہیں۔ مدینۃ العلم (سیدنا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم) لانظیر ولاثانی ہے تو اس کا باب بھی لانظیر ولاثانی۔ لہٰذا بحیثیت خلیفہ آپ کا کردار بھی لانظیر ولاثانی۔ طاقت بشر سے بالا، صرف انعام خداوندی۔

باقی رہے خلیفہ سوم ذی النورین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جن کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے"۔ ان کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد یہ بھی ہے:۔

واقعہ یہ ہے کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے ان کا کردار بحیثیت خلیفہ مثالی تھا جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ (ص ۱۱۶)

یہ ایک پہلو تو مودودی صاحب کا مفروضہ ہے۔ جس کی غلطی وضاحت سے ثابت کی جاچکی ہے اور خود مودودی صاحب کی تحریر سے ثابت ہے کہ آپ کا یہ مثالی کردار بھی ایسا تھا جو خلافتِ راشدہ کو ملوکیت سے ممتاز کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ طاقت بشر سے بالا صرف تائید خداوندی ہے۔

مدینہ طیبہ پر بلوائیوں نے ہجوم کیا تو اہل مدینہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کی باغیانہ حرکتوں کو برداشت کرتے رہے۔ ان کی خاموشی کی وجہ بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود اس امر میں مانع تھے کہ ان کے اقتدار کو بچانے کے لئے مدینۃ الرسول میں مسلمان ایک دوسرے سے لڑیں۔ وہ تمام صوبوں سے فوجیں بلا کر محاصرین کی تکہ بوٹی کرا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے اس سے پرہیز کیا۔ حضرت زید ابن ثابت نے ان سے کہا کہ تمام انصار آپکی حمایت میں لڑنے کو تیار ہیں، مگر انہوں نے فرمایا۔ "اما القتال فلا"۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی انہوں نے کہا کہ میں لڑنے کو تیار نہیں ہوں۔

ان کے محل میں سات سو آدمی لڑنے مرنے کے لئے موجود تھے، مگر انہیں بھی وہ آخر وقت تک روکتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انتہائی نازک موقع پر حضرت عثمان نے وہ طرز عمل اختیار کیا جو ایک خلیفہ اور ایک بادشاہ کے فرق کو صاف صاف نمایاں کر کے رکھ دیتا ہے۔ انکی جگہ کوئی بادشاہ ہوتا تو اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کوئی بازی کھیل جانے میں بھی اسے باک نہ ہوتا

اس کی طرف سے اگر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ انصار و مہاجرین کا قتل عام ہو جاتا، ازواج مطہرات کی توہین ہوتی اور مسجد نبوی بھی مسمار ہو جاتی تو وہ کوئی پرواہ نہ کرتا۔ مگر وہ خلیفہ راشد تھے انہوں نے سخت سے سخت لمحوں میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا کہ خدا ترس فرمانروا اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیئے کہاں تک جا سکتا ہے اور کس حد پر پہنچ کر اسے رُک جانا چاہیئے وہ اپنی جان دینے کو اس سے ہلکی چیز سمجھتے تھے کہ ان کی بدولت وہ حرمتیں پامال ہوں جو ایک مسلمان کو ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہونی چاہیئیں۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۲۰)

مودودی صاحب دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

سب سے زیادہ تنقیدوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سابقہ پیش آیا۔ اور انہوں نے کبھی کسی کا منہ زبردستی بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اعتراضات اور تنقیدوں کے جواب میں برسر عام اپنی صفائی پیش کی۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۱)

تنقید پر ضبط و تحمل کی عجیب و غریب شان ملاحظہ ہو:۔

مخالفین نے جو الزامات تراشے تھے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے ایک اجتماع عام میں جس میں مخالف موافق سب تھے ہر ایک کا واضح جواب دیا۔ ان جوابات کی تصدیق خود حاضرین سے کرائی۔ اور حاضرین کو یقین ہو گیا کہ یہ تمام الزامات باغیانہ سازش ہیں۔ تو اب عام مسلمانوں کا اصرار تھا کہ ان کو تہ تیغ کیا جائے۔ اور ان کے خلاف سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پختہ فیصلہ عفو و درگذر کا تھا۔ وہ مضبوطی سے اسی فیصلہ پر قائم رہے۔ مورخ طبری کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔ وابی المسلمون الا قتلھم۔ وابی الا ترکھم (مسلمان ان کو قتل کر دینے کے سوا اور کسی بات کو ماننے کے لیئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت عثمان درگذر کر دینے کے سوا اور کسی بات کے لیئے آمادہ نہیں تھے۔ (طبری ص ۱۰۳ ج ۵)

بہر حال سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ مثالی کردار جس کی ایک جھلک یہ ضبط و تحمل، یہ عفو و درگذر اور یہ تسلیم و رضا ہے۔ کیا کوئی ظرف ہے جو تائید خداوندی کے بغیر اس کی مثال پیش کر سکے۔ عقاد صاحب

ے مقدمہ ابن خلدون فصل ۲۸ فی انقلاب الخلافۃ الی الملک۔

اسکو غیر معمولی رفعت و بلندی فرمارہے ہیں۔ جس کے زریں جھالر تک قدرت انسانی کی انگلیاں نہیں پہنچ سکتیں۔

ابن خلدون کا جواب مورخ ابن خلدون نے اسی مفہوم کو اس انداز میں ادا کیا ہے کہ تاریخ کا ایک فلسفہ بھی سامنے آجاتا ہے:۔

آپ فطرت انسان کو سامنے رکھ کر بحث کرتے ہیں کہ یہ نظام جس کو ملک یا حکومت کہتے ہیں اس کا تعلق انسان سے عارضی ہے یا مستقل، اس کا جواب خود اس کی ضرورت پر موقوف ہے کہ انسان کو حکومت مملکت یا ملک کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے۔ علامہ توجہ دلاتے ہیں کہ انسان کی فطرت اُنس ہے تنہائی انسان کے لئے موت ہے اور مل کر رہنا اس کی زندگی۔ اُنس کی طرح ارتقاء یعنی ترقی کرنا اور آگے بڑھنا بھی اس کی فطرت کے جوہر ہیں۔ انہیں اوصاف اور خصلتوں پر قدرتی طور سے عمل ہوا جس سے مدنیت کی بنیاد پڑی۔ مدنیت یعنی میل ملاپ اور امداد باہمی والی زندگی حقوق کو جنم دیتی ہے۔ جب حقوق کا دامن پھیلتا ہے تو فیصلہ کرنے والی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ہے حکم، حکومت۔ اسی کو ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ قابلِ لعنت نہیں بلکہ اہم ترین خدمت ہے جس کو میسر آجائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی انعام کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ کہ فرماتے ہیں:۔

رب قد اٰتیتنی من الملك (سورہ ۱۲ یوسف آیت ۱۰۱)

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام دعا فرماتے ہیں کہ یہ نعمت ان کو ایسی بھرپور عطا ہو جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔

رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ اے رب مجھے ایسا ملک عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو وہ میسر نہ آئے۔

لیکن ظاہر ہے ایک فرد تنہا اس نعمت عظمیٰ کو سر کا تاج بنا کر اس کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ اس کو مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور مددگار بھی ایسے کہ دانا اور جان نثار ہوں۔ مددگاروں کی ایسی حمایت جو جذبۂ فدائیت رکھتی ہو اس کو عصبیت کہا جاتا ہے۔

یہ عصبیت اگر اعلیٰ مقاصد کے لئے ہے تو بہت مبارک و مقدس ہے، لیکن اپنی برادری، اپنے قبیلے، اپنے

رنگ و نسل کی برتری، فراوانیٔ دولت جیسے مقاصد اس عصبیت کے محرک ہوں تو یہ عصبیت ایک لعنت ہوتی ہے۔ اور اس کی بنا پر جو اقتدار حاصل ہو یا جو حکومت قائم ہو وہ سب جبر و قہر ہوتا ہے۔ لسانِ رسالت نے اس کو "ملک عضوض" کٹکھنی حکومت فرمایا ہے۔

مودودی صاحب کی نظر ان حقائق پر نہیں ہے، وہ آجکل کی رَو میں بہہ رہے ہیں کہ ملوکیت لعنت ہے۔ ہم یہاں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے۔ ہمیں یہ واضح کرنا ہے کہ ملک اور حکومت نوعِ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے جو بقائے انسانیت کے ساتھ باقی رہنے والا ہے اور جس طرح مدنیت لازمۂ فطرت ہے یہ بھی لازمۂ فطرت ہے، لیکن ایک دوسرا باب ہے۔ مکارمِ اخلاق اور انکی تکمیل کا یا روحانیت اور اس کے عروج کا۔

یہ کام اربابِ تاریخ یا اہلِ سیاست کا نہیں ہے کہ حقیقت انسان اور اس کے مقاصد اور کمالات پر بحث کرے، یہ کام ان دوربینان بارگاہ الست کا ہے جن کی بعثت اس لئے ہوتی ہے کہ انسان کو اس کی حقیقت اور مقصد پیدائش سے آگاہ کریں، انسان کا انجام کیا ہوگا، وہ ایک لافانی حقیقت ہے جو اس وقت ختم ہو جائے گی جب اس کی جان اس کے قالب سے جُدا ہوگی یا وہ ایک لازوال حقیقت ہے جس کا مستقبل غیر محدود ہے، وہ مستقبل کس طرح کامیاب اور خوشگوار ہوگا جو ہادیانِ برحق، رہنمایانِ حقیقت ان سوالات کا جواب دے سکتے ہیں، وہی بتا سکتے ہیں کہ سیاست کا کوئی رابطہ اخلاق، روحانیت اور انسان کے دائمی مستقبل کی کامیابی یا ناکامی سے ہے یا نہیں۔

مذہب کے ماننے والے مانتے ہیں کہ جس طرح تمدن نے ترقی کی، اخلاق اور روحانیت نے بھی ترقی کی ہے، مادیات کی ترقی ابھی تک آخری نقطہ تک نہیں پہنچ سکی، لیکن فضلِ خداوندی نے یہ گوارا نہ کیا کہ انسان روحانی کمال و ترقی کے میدان میں ناقص رہے اور وہ درجہ حاصل نہ کر سکے جو مقصدِ پیدائش کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت اور اخلاق سے متعلق جو سب سے اعلیٰ تعلیم تھی وہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کے ذریعہ سے نوعِ انسان کو عطا کر دی گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔

سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منہ۔ (بخاری شریف)

ابنائے آدم کے تمام ادوار میں سے سب سے بہتر دَور میں میری بعثت ہوتی ہے۔ خیر ادّرحانی

کمالات اور مکارم اخلاق) ترقی پذیر رہے - اگلا دور پچھلے دور سے بہتر ہوتا رہا - یہاں تک کہ میں اس دور میں مبعوث ہوا جس کا میں ہوں)

ہماری تحریر بالا اسی ارشاد کی روشنی میں ہے -

ع من بندہ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بہر حال علامہ ابن خلدون نے دقیق النظر محقق کی حیثیت سے یہ واضح کرتے ہوتے کہ ملک اور حکومت فطرتِ انسان کا تقاضا ہیں، یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ خیر بھی ہے اور شر بھی - اس کے خیر کا نقطہ عروج وہ ہے جس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے اور جس طرح نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عروج کے آخری نقطہ پر پہنچی اور اب اس کا اعادہ ممکن نہیں - اسی طرح نظام سیاسی بھی آپ کے دور میں خیر کے بلند ترین درجہ پر پہنچا - پھر وہ دور جس کو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے پرتو تھا اسی عروج یافتہ دور کا - سلسلۂ نبوت کے ختم ہوجانے پر جس طرح دورِ نبوت کا اعادہ ممکن نہیں، اسی طرح اس کے پرتو یعنی خلافت راشدہ کا اعادہ ممکن نہیں ہے

یہ پرتو یعنی خلافتِ راشدہ کا دورِ مقدس ایک مثال ہے نوع انسان کے سبق کے لئے -

آپ سورۃ فتح کی آخری آیتیں مطالعہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ دورِ مسعود صرف آنے والی نسلوں کے لئے نہیں بلکہ امم سابقہ کے لئے بھی بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور تمثیل کے لئے مختلف تعبیریں[1] اختیار کی گئی ہیں -

خلاصۂ بحث یہ کہ جس طرح دورِ نبوت ختم ہونے والا تھا اسی طرح خلافتِ راشدہ بھی ایک محدود المیعاد سعادت تھی - جس کی مدت آنحضرت نے تیس سال بیان فرمادی - (ترمذی شریف - ج ۲ - ص ۴۵)

آیت استخلاف میں اس سعادت کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے -

ولیمکنن دینھم الذی ارتضیٰ لھم (تاکہ جمادے ان کے دین کو جو پسند کیا ہے ان کے لئے)

واقفِ اسرارِ شریعت فیلسوفِ اسلام حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

بیان علت غائیہ استخلاف ست - کما قال عز من قائل ذلک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطئہ' - گویا می فرماید - استخلاف برائے آں مطلوب شد کہ دین مرتضیٰ ممکن شود - و اعلا-

(ازالۃ الخفاء ص ۲۱)

[1] مثلاً ذٰلک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل الخ (سورۃ فتح ۴۸ آیت ۲۹)

کلمۃ اللہ بظہور رسد وظہور دین حق برجمیع ادیان محقق گردد۔

(ترجمہ) اس آیت میں خلافتِ راشدہ کی علت غایۃ اور اس کے غرض و مقصد کا بیان ہے جیساکہ آیت مثلھم فی التوراۃ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا سلسلہ اس لئے مطلوب اور مقصود تھا کہ وہ دین جو اس وقت کے لئے پسند کیا گیا ہے، اس میں پوری طرح جماؤ اور استقلال واستحکام ہوجائے۔ اور کلمۃ اللہ کی بلندی ظاہر اور نمایاں چیز بن جائے اور باقی تمام دینوں پر دین حق کا غلبہ متحقق ہوجائے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

تفسیر این آیت در حدیث آمدہ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباب خاتمہ اس تمام تفصیل وتوضیح کے بعد بھی شاید مودودی صاحب کا کوئی مقلد جامد یہ سوال کر بیٹھے کہ اس عالم اسباب میں ہر ایک واقعہ اور حادثہ کا کوئی سبب ہوا کرتا ہے۔ پس خلافت راشدہ اگرچہ ازل سے محدود المیعاد تھی، تاہم عالم ظاہر میں اس کے خاتمہ کا سبب ہوگا۔ مودودی صاحب نے اسی سبب کو بیان فرمایا ہے۔ جواباً ہمیں تسلیم ہے کہ اس نعمت عظمےٰ کے خاتمہ کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیئے۔ مگر ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ خود نعمت عظمےٰ اپنے خاتمہ کا سبب ہوئی۔

خلفائے راشدین خود نعمت ورنہ حاملین نعمت ہیں۔ پس سبب خاتمہ ان کا کردار نہیں ہوسکتا۔ ان کے کردار میں سبب خاتمہ کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے کہ آفتاب نیمروز کی کرنوں میں آپ شب تاریک کی جھلکیاں تلاش کریں۔ بہتر ہو کہ آپ سببِ خاتمہ کی تحقیق اس سے کریں جس نے نعمت اور زوالِ نعمت کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

یہ کتاب اللہ ہے۔ قرآن حکیم۔ تبیاناً لکل شیٔ۔ اس کا واضح اعلان ہے۔ ذلك بان اللہ لم یك مغیرا نعمۃ انعمھا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسھم۔ (سورہ انفال ۸ آیت ۵۳)

(اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرما دیتا ہے اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ وہ قوم خود اپنے آپ کو بدل لیتی ہے)

خلافت راشدہ جیسی نعمت عظمےٰ کے زوال کا سبب مودودی صاحب خلیفہ سوم کے کردار میں تلاش کر رہے

لے البتہ محکم کند برائے ایشاں دین ایشاں را کہ پسندیدہ است برائے ایشاں۔ (شاہ ولی اللہ)

ہیں۔ اور قرآن حکیم کی ہدایت یہ ہے کہ خلیفہ اور امام میں نہیں، بلکہ جس قوم کے وہ خلیفہ اور امام ہیں ان کی حالت دیکھو، ان میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؟ مودودی صاحب موضوع روایات کے پاتے چوبین سے جست لگا کر ایک سبب تلاش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

اس تغیر کا آغاز ٹھیک اسی مقام سے ہوا جہاں سے اس کے رونما ہونے کا حضرت عمر کو اندیشہ تھا کہ ان کے جانشین اپنے قبیلے اور اپنے اقربا کے معاملہ میں اس پالیسی کو نہ بدل دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی (ص ۱۰۵ و ص ۱۰۶)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اندیشہ اور جانشینوں پر اقربا پروری کا الزام تو موضوع روایات کے جنگل کی گھاس ہے۔ جس کی طرف التفات کرنا قوت التفات کو ضائع کرنا ہے، لیکن اگر کسی درجہ صحیح مان بھی لیا جائے تو احقر عرض کریگا کہ یہ بہت بعد کی بات ہے۔ یہ دورِ عثمانی کی بات ہے۔ تغیر کا آغاز اس سے کئی سال پہلے ہو چکا ہے۔ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ تغیر کا آغاز اس وقت ہوا جب تقویٰ کے مقابلہ میں طاقت کو ترجیح دی گئی اور زیادہ متقی کے بجائے چاق و چوبند اور — ماہرِ سیاسیات کو امیر اور والی منتخب کیا گیا۔

کوفہ کے حالات تفصیل سے پہلے لکھے جا چکے ہیں:-

یاد کیجئے۔ اہل کوفہ نے کس طرح سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف بے بنیاد شکایتوں کا طوفان برپا کیا۔ حتیٰ کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تو اہل کوفہ نے کہہ دیا لانریدہ (ہم ان کو نہیں چاہتے) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا نام سامنے آیا تو اہل کوفہ نے کہہ دیا لایحسن السیاسۃ سیاست (ڈپلومیسی) نہیں جانتے۔

اب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پریشان تھے۔
کیف اھل الکوفۃ مائۃ الف لا یرضون عن امیر ولا یرضی عنہم امیر۔ (کیا کیا جائے۔ یہ اہل کوفہ ایک لاکھ ہیں نہ وہ کسی امیر سے راضی اور نہ کوئی امیر ان سے راضی)
ان تینوں بزرگوں کے نام تقویٰ کی بنیاد پر سامنے آئے تھے۔ اہل کوفہ نے سب کو مسترد کر دیا جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قوی و شدید، چاق و چوبند اور ماہر سیاست ہونے کی بناء پر حضرت مغ۔ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ تو اہل کوفہ کی گردنیں جھک گئیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۲۵ و ۱۲۶ ج ۷)

اہل بصرہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں جو گستاخی کی، اس کی تفصیل بھی پہلے گزر چکی ہے۔ ان بدبختوں کا اصرار تھا کہ کسی کو امیر بنا دو ہمیں منظور ہے یہ اشعری بوڑھا ہمیں منظور نہیں۔ ہر شخص اس کا بدل ہو سکتا ہے۔ ہم اس اشعری کو برداشت نہیں کر سکتے۔

(تاریخ طبری ص ۵۵ ج ۵)

پہلے گزر چکا ہے کہ فرد واحد، ملک اور حکم، یعنی اقتدار اعلیٰ کے مطالبات پورے نہیں کر سکتا۔ اس کو ایسے اعوان اور مددگاروں کو ضرورت ہوتی ہے، جو اس اقتدار اعلیٰ کے بقاء کے لئے جذبۂ فدائیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اسی کو عصبیت کہا جاتا ہے۔ یہ عصبیت اگر اعلیٰ مقاصد کے لئے ہو تو نہایت مقدس عصبیت ہے۔ خلافت راشدہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے اعوان و انصار میں یہ عصبیت "تقوے" کے لئے ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے یہ اصول مقرر فرما دیا۔ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

سیدنا ابوبکر الصدیق کا انتخاب اسی اصول کی بنیاد پر ہوا۔ اس دور کے تمام رہنما وہ تھے کہ اتقی کو صاحب اقتدار بنانے کے لئے اپنے اندر جذبۂ فدائیت رکھتے تھے۔

وہی عمر بن الخطاب ہیں۔ ان کی تقریر سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوتی ہے جس میں تقویٰ کے لحاظ سے سید نا ابوبکر صدیق کی برتری بیان فرماتے ہیں کہ :۔

ارشاد ربانی ہے :۔ ثانی اثنین - اذ ھما فی الغار - اذ یقول لصاحبہ لا تحزن۔ ان اللہ معنا۔

اس آیت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین فضیلتیں ثابت ہوتی ہیں :۔

۱۔ نازک ترین مقام پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق رہے۔

۲۔ آپ کے لئے نص قرآنی میں "صاحب" کا لقب۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کی تصریح۔

آپ یہ آیت پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کون ہے جو ان فضائل کا حامل ہو۔ جملہ حاضرین کی گردنیں تسلیم کے لئے جھک جاتی ہیں اور ساتھ ہی بیعت کے لئے ہاتھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

لیکن یہی عمر بن الخطاب اس موقع پر اسی قرآنی اصول پر کار فرما ہونا چاہتے ہیں۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری کا نام پیش فرماتے ہیں تو کہا جاتا ہے۔ لا نریدہ (ہم ان کو نہیں چاہتے) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سامنے

لاتے ہیں تو کہا جاتا ہے (لا یحسن السیاسۃ) وہ ڈپلومیسی نہیں جانتے۔

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"۔

تعجب ہے مودودی صاحب خوردبین لگا کر کردار خلیفہ میں تغیر تلاش کرتے ہیں۔ اور یہ کھلا ہوا تغیر ان کی نظر میں نہیں آتا، کیونکہ اس تغیر کے ذمہ دار وہ ہیں جن سے آپ کو خاص ہمدردی ہے۔ آپ نہیں چاہتے کہ وہ سامنے آئیں۔ مگر مودودی صاحب کے اخفاء سے کام نہیں چلتا۔ کارپردازان قضا و قدر کا کارخانہ برابر کارفرما رہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (سورہ ابراہیم ۱۴ آیت ۷)

اگر تم احسان شناس و شکر گزار رہے تو میں تم کو بڑھاؤں گا اور اگر تم نے ناسپاسی اور ناشکری کی تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہوتا ہے۔

اہل کوفہ کے مذکورہ بالا واقعہ سے کچھ دنوں بعد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش کرادیا گیا۔ یہ تغیر کا پہلا نتیجہ تھا جو اس امت کے سامنے آیا۔ جس کے رجالِ خیرہ یعنی دربارِ رسالت کے تربیت یافتگان دن بدن کم ہو رہے تھے۔ اور ان کا اضافہ ہو رہا تھا جن کو لسان رسالت نے احداث الاسنان وسفہاء الاحلام فرمایا تھا۔

غور فرمایئے:۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شخصیت جس کی نظیر نوع انسان کی پوری تاریخ میں نہیں ہے کتنی بڑی نعمت اور کتنی بڑی سعادت ہے پوری امت کے لئے، پھر اس کی شہادت یعنی اس بے نظیر نعمت عظمیٰ کا سلب کیا جانا۔ کیا وہ محرومی نہیں ہے جس کو عذاب کہا جاسکے۔

ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

آیت استخلاف کے چند کلموں کی تفسیر پہلے گذرچکی ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

"تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے اور صالح عمل کرتے رہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو خلیفہ اور حاکم بنائے گا ملک میں، جیسے خلیفہ بنایا ان سے پہلے لوگوں کو اور جما دے گا ان کے لئے ان کا دین، جو پسند کیا ہے ان کے لئے، اور لامحالہ ان کو خوف اور ڈر کے بدلے امن عطا فرمائے گا (شرط یہ ہے کہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں۔ اس میں کسی کو شریک نہ گردانیں۔ اس کے بعد جو ناسپاسی کریں گے تو وہی ہیں فاسق۔ (سورہ النور ۲۴ آیت ۵۵)

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب انہیں ناسپاس شورہ پشتوں کو وہ فاسق قرار دے رہے ہیں، جو اس آیت کا مصداق ہیں۔

فرماتے ہیں :- یعنی چنانکہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کردند (فتح الرحمٰن)

قبائلیت کی چنگاریاں | حیرت ہوتی ہے کہ تفہیم القرآن کا لکھنے والا غلط اور موضوع روایتوں پر اعتماد کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے :-

"بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس معاملہ کے معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھا۔ ان کے خلاف شورش برپا ہوئی" الخ (ص ۱۰۰)

آپ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریوں کے سلگنے کا سبب حضرت عثمانؓ کی صلۂ رحمی کو قرار دیتے ہیں اور آپ کی نظر قرآن حکیم پر نہیں جاتی۔

سورۂ اقرأ نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس نے اس امت کے نشو و نما کے آغاز ہی میں آگاہ کر دیا تھا۔ کلا ان الانسان لیطغیٰ ۝ ان رّاٰہ استغنیٰ۔ (کوئی نہیں انسان سر چڑھتا ہے، اس لئے کہ دیکھے آپ کو محفوظ[1])

وحی الٰہی کے اس فقرہ میں جس طرح اہل بصیرت کے لئے بشارت تھی کہ ان کا فقر غنا سے بدلے گا، فاقہ مستی کی بجائے توانگری کا ظہور ہو گا۔ اسی طرح اس میں تنبیہ بھی تھی۔ کہ فطرت "غنایہ" ہے کہ وہ طغیان وغیرہ پیدا کرے اور انسان کو اپنے آپے سے باہر کر دے۔

یہ مضمون پہلے بھی تفصیل سے گذر چکا ہے کہ صحابہ کرام جو وحی الٰہی کے رموز شناس تھے، ان کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوا۔ "اویأتی الخیر بالشر" (کیا ممکن ہے کہ خیر محرک شر بنے)

صحاح کی مستند[2] ترین روایت ہے کہ اس کا جواب دینے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تامل ہوا اور ایسی تشویش لاحق ہوئی کہ جبین مبارک پر پسینہ کے دُرِ ناسفتہ جھلکنے لگے۔ آپ نے پسینہ خشک فرما کر جواب دیا۔ آپ کے پُر حکمت جواب کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ دولت و توانگری کو خیر محض سمجھنا ہی صحیح نہیں ہے۔ اس کی فطرت ہے

---

[1] غنی۔ تونگر۔ مستغنی اور بے نیاز۔ نصیبہ ور
[2] بخاری شریف ص ۱۹۷، ص ۳۹۵ و ۹۵۱ وغیرہ۔

کہ عظمت انسانیت اور شرفِ روحانیت کے لئے سمِ قاتل[1] اور زہر ہلاہل کا کام کرتی ہے۔ اِلّا یہ کہ احتیاط اور تقوٰی سے کام لیا جائے۔ زیادہ کی ہوس نہ ہو اور جو حاصل ہو اس کا استعمال صحیح ہو۔

• کتاب اللہ کا اشارہ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی اپنی پوری صداقت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔ دولت آئی۔ صرف وہ جماعت اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہی[2] جو سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے کندن بن چکی تھی۔ (جس کی کچھ تفصیل انہی اوراق میں پہلے گذر چکی ہے) اور جن میں یہ پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی وہ کتاب اللہ کے اس ارشاد کا تماشہ گاہ بن گئی۔

کلا ان الانسان لیطغٰی ان راٰہ استغنٰی۔

(کوئی نہیں۔ انسان سر چڑھتا ہے اس پر کہ دیکھے آپ کو دولتمند)

علامہ ابن خلدون کے ایک فقرہ[3] کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"ان جماعتوں (امتوں) میں سے کسی بھی امت کی حالت فاقہ مستی میں قبیلہ مضر سے بدتر نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی سکونت حجاز کے اس علاقہ میں تھی جہاں نہ کاشت کا سلسلہ تھا۔ اور نہ مال مویشی تھے۔ شاداب علاقوں تک ان کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ان پر قبیلہ ربیعہ اور اہل یمن کا قبضہ تھا۔ قبیلہ مضر کے لوگ بچھو اور کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے۔ اونٹ کے بالوں کو بھگو کے رکھتے پھر خون میں ان کو گھونٹتے اور کھا لیتے تھے۔ اس کو وہ علہز کہا کرتے تھے اور یہ ان کا قابلِ فخر کھانا ہوتا تھا۔

دعوتِ اسلام نے جب ان میں انسانیت کی زندگی پیدا کی اور ان لوگوں نے غزوات میں حصہ لیا تو پھر دولت کی یہ فراوانی ہوئی کہ ایک ایک غازی کا حصہ ایک جہاد میں سونے کے تیس تیس ہزار دینار یا اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔"

اب ان قبائل پر نظر ڈالئے جو کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں آباد ہوئے جنہوں نے اپنے امراء اور

---

[1] ان کل ما ینبت الربیع یقتل اولیم ص ۳۹۸ بخاری شریف وان کل ما انبت الربیع یقتل حبطا اولیم ص ۹۵۱ بخاری۔

[2] سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مضوا ولم تنقصہم الدنیا بشئ۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہو گئے اور دنیا ان میں کوئی نقص پیدا نہ کر سکی۔ (بخاری شریف ص ۹۵۲)

[3] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۴۔

کارپردازانِ حکومت کے خلاف شکایتوں کے دفتر تیار کئے اور ان کو پھیلایا، جن کے لئے نہ صرف قریش کا اقتدار ناقابلِ برداشت ہوگیا بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت بھی ان کو اکھرنے لگی، چنانچہ ان کے حق میں زبانِ طعن بے لگام ہوگئی۔ یہ قبائل اسی قبیلہ مضر اور اس کے ہم دوش قبیلہ ربیعہ کی شاخیں ہیں۔ دولت کی فراوانی نے ان میں یہ طغیانی پیدا کی۔ جس کو عبداللہ بن سبا کی پارٹی نے یہاں تک ہوا دی کہ شہادت خلیفۂ مظلوم کی نوبت آئی۔

ملوکیت کی بنیاد خلیفۂ مظلوم کی شہادت کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ جب ناقدرشناس شورہ پشتوں کے گروہ نظامِ مملکت پر چھا چکے ہیں۔ تو آیا آئندہ اس نظام میں وہی خلافت راشدہ کی احتیاط اور اس کا وہی رحم و کرم باقی رکھا جائے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اصول رہا تھا کہ جان عزیز قربان کر دی اور یہ گوارا نہ کیا کہ کسی کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے۔

"اہل مدینہ اصرار کر رہے ہیں کہ ان بلوائیوں کو تہ تیغ کیا جاتے۔ (طبری ص ۱۰۳ ج ۵)

خصوصاً ذی مروہ۔ ذی خشب اور الاعوص میں قیام کرنیوالوں کو جن کو لسانِ رسالت (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) ملعون قرار دے چکی ہے۔ (طبری ص ۱۰۴، ۱۰۵ - ج ۵)

مگر خلیفۂ مظلوم کا انتہائی تقویٰ اجازت نہیں دے رہا کہ جہاں تک ان کا تعلق ہے قتل تو درکنار کسی کو ادنیٰ سزا بھی دی جاتے۔

سوال یہ ہوا کہ آیا خلافت راشدہ اور اس کی یہ احتیاط باقی رکھی جائے یا اس احتیاط سے گزر کر سیاست کو بھی کام میں لایا جائے۔ جس میں بسا اوقات شبہ کو واقعہ اور حقیقت کی حیثیت دیدی جاتی ہے اور اس پر وہی کارروائی کی جاتی ہے جو کسی واقعہ کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ بلا شبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مشاجرت کا سبب مطالبۂ قصاص تھا، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس مشاجرت کی تہ میں نظریاتی اختلاف بھی تھا۔

خلیفۂ رابع امام الاتقیاء سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نظام مملکت کو اسی تقوی اور احتیاط پر باقی رکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی خلافت بلا شبہ اسی احتیاط اور تقویٰ پر مبنی تھی اور آپ کی خلافت بلا شبہ خلافتِ راشدہ تھی، لیکن سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کا نظریہ پوری دیانت اور ایمانداری کے ساتھ یہ تھا کہ اندازِ ملوکیت اختیار کیا جائے۔

بقول علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اس نظریے کو کامیاب بنانے کے لئے بھی جماعت کی ضرورت تھی۔ تقویٰ کی بنیاد پر اقتدار ملنے کے لئے قربان ہونے والے ختم ہو چکے تھے۔ قبائلیت کی چنگاریاں بھڑک چکی تھیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست نے اسی عصبیت سے کام لیا۔

علامہ فرماتے ہیں :۔

انما اختلف اجتهادهم فی الحق وسفہ کل واحد منهم نظر صاحب باجتهاده فی الحق فاقتتلوا علیه وان کان المصیب علیا فلم یکن معاویة قائما فیها بقصد الباطل انما قصد الحق واخطأ والکل کانوا فی مقاصدهم علی حق۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۵)

حق کی تحقیق و تفتیش میں ان کا اجتہاد مختلف ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنے مقابل کی رائے کو غلط اور نادانی قرار دیا۔ اسی پر آپس میں نبرد آزما ہو گئے۔ اگرچہ مصیب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی باطل کے علمبردار بن کر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ان کا مقصد اور نصب العین بھی حق ہی تھا۔ مگر غلطی کر گئے۔ واقعہ یہی ہے کہ سب حضرات اپنے مقاصد میں حق پر ہی تھے۔

مودودی صاحب خلیفۂ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم و مجرم قرار دینے کے لئے خوردبین استعمال کرتے ہیں۔ موضوع روایتوں کا سہارا لیتے ہیں۔ بظاہر آپ کا تاثر یہ ہے کہ ملوکیت چور دروازے سے آئی۔ پھر ان وہمی مقدمات کی بنیاد پر جو افسانہ تراشتے ہیں اس کو تحقیق قرار دے کر احسان فرماتے ہیں کہ مسلمان طلبہ کو مغربی مصنفین کے اثرات سے محفوظ کر لیا۔ جو ان واقعات کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کچھ وہ فرما رہے ہیں وہ کوئی نامعلوم تاریخ نہیں جو کہیں چھپی ہوئی پڑی تھی اور وہ اس کو یکایک منظرِ عام پر لے آئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ (ص ۲۹۹، ۳۰۰)

لیکن حضرت علامہ سے کوئی دریافت کرے کہ تاریخ کے کھلے ہوئے واقعات پر پردہ ڈال کر رطب و یابس کے طومار کو تحقیق سمجھنا کیا کوئی دیانت داری اور دانش مندی ہے۔ کیا اس طرح ملت یا تاریخ ملت کی کوئی خدمت انجام پا سکتی ہے اور کیا اس طرح مسلم طلبہ مورخینِ مغرب کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بالخصوص جبکہ مورخین مغربکے منشاء کو آپ پورا کر رہے ہوں۔

تصنع اور تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ بات کھلی ہوئی واضح ہے۔ ملوکیت چور دروازے سے نہیں آئی وہ کھلے بندوں آئی۔ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی کو اختیار کیا۔ آپ نے کھلے بندوں ملوکیت قائم کی۔ آپ کی ملوکیت خلافت راشدہ نہیں تھی۔ مگر اسی دورِ ملوکیت میں امت کا اندرونی انتشار ختم ہوا۔ تلواریں نیام میں داخل ہوئیں اور باہمی اتحاد و اتفاق کے پرچم لہرائے اور امت نے ہر شعبہ میں ترقی کی طرف قدم بڑھایا۔ اسی لئے آپ کی ملوکیت کو ملوکیت راشدہ کہا گیا۔ فرضی اللہ عنہ۔

بلاشبہ آپ نے اس ملک راشد کی شخصیت کو مجروح کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اہل علم آپ کے عمل کا تسلی بخش جواب دے رہے ہیں۔

شکر اللہ سعینا و سعیکم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

باقی سوالات کے جوابات

حافظ محمد افضل صاحب کے چار سوالات تھے جو ابتداء میں درج ہیں۔ ان میں سے پہلے سوال کا جواب یہ پوری کتاب ہے اور اس کتاب کے ملاحظہ کے بعد سوال ۲ و ۳ کا مختصر جواب یہ ہے۔ "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

باقی سوال ۴ کے بارے میں یہ ہے کہ جو حضرات مودودی صاحب سے تعاون کر رہے ہیں تو کن مقاصد کے لئے تعاون کر رہے ہیں اور کن کے مقابلہ میں کر رہے ہیں۔ تعاون کے مقاصد پر بھی غور کرنا ہوگا اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ تعاون کن کے مقابلہ میں ہے۔ روافض یا قادیانیوں کے مقابلہ میں اگر یہ تعاون ہو رہا ہے تو ظاہر ہے بہت مبارک ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ العبد الضعیف

محمد میاں عفی عنہ

خادم درس حدیث و افتاء مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی ۶

۲ شوال سنہ ۱۳۹۰ھ ۶ دسمبر ۱۹۷۰ء

استدراک

تعدادِ احادیث وفتنۂ وضعِ احادیث

کلکتہ کے طبیب حاذق مولانا الحاج حکیم محمد زمان الحسینی ان رجالِ عظیم میں ہیں کہ آپ کا مطب آپ کی علمی دلچسپیوں کے لئے حجاب نہیں بنا۔ طبی مشاغل کے ساتھ مطالعہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہی مضمون جو کتابی شکل میں آپ کے زیرِ مطالعہ ہے اس کے ابتدائی چند قسطیں روزنامہ الجمعیۃ میں شائع ہوئیں تو حکیم صاحب موصوف نے احقر کو لکھا:

صحیح بخاری کے بارے میں آپ نے جس انداز سے تحریر فرمایا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب میں جتنی روائتیں درج فرمائی ہیں بس وہی صحیح ہیں۔ حالانکہ روایات مندرجہ فی البخاری کے علاوہ بھی روایات صحیح ہیں "عند البخاری" البتہ انہوں نے اپنی کتاب میں داخل نہیں فرمایا طوالت کی بنا پر۔ بلکہ زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ ادخال فی الکتاب کے لئے انہوں نے صحت روایت کی عام شرائط کے علاوہ بھی کچھ خاص شرطیں رکھی ہیں۔ جو جو روائتیں ان خاص شرطوں کے معیار پر پوری نہیں تھیں، اگرچہ وہ خود امام بخاری کے نزدیک بھی صحیح اور قابل استناد ہیں مگر امام نے ان کو اپنی کتاب میں داخل نہیں کیا۔ چنانچہ خود امام بخاری کا یہ مقولہ ہے۔

ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صحّ وترکت

کثیراً من الصحاح لحال الطول۔ (انتہٰی)

حکیم صاحب مدظلہ کی یہ تنبیہ وتذکیر بالکل صحیح ہے۔ احقر نے حکیم صاحب کی خدمت میں شکریہ کا خط لکھا اور عبارت میں ترمیم کردی۔ پہلے عبارت یہ تھی۔

سو حدیثوں میں سے ایک حدیث اس قابل قرار پائی کہ اس کو دثوق کے ساتھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاسکے۔

ترمیم کے بعد یہ عبارت ہوگئی ہے۔

سو حدیثوں میں سے ایک حدیث اس قابل قرار پائی کہ مصنف اس کو اپنی کتاب میں داخل کر سکیں باقی حدیثیں یا قابل اعتماد ہی نہیں یا اگر قابل اعتماد ہیں تو بخاریؒ کی شرائط کے مطابق نہیں۔ ملاحظہ ہو صلا سطر ۱۷، ۱۸

لطیفہ اس ترمیم و اصلاح میں ایک اور حقیقت بھی سامنے آگئی کہ سات ہزار دو سو پچھتر کی جو تعداد بیان کی گئی ہے اس میں تین ہزار دو سو پچھتر حدیثیں مکرر ہیں۔ مکررات کو خارج کر دیا جاتے تو جیسا کہ علامہ ابن صلاح اور شیخ محی الدین نووی رحمہا اللہ نے بیان کیا ہے صرف چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں (مقدمہ فتح الباری الفصل العاشر)

تعداد احادیث لیکن بخاری رحمہ اللہ نے جو شرطیں لگائی ہیں ان کو نظر انداز کر کے محدثین کی شرائط کے بموجب احادیث کا انتخاب کیا جائے تب بھی تقریباً دس ہزار حدیثیں ہی ایسی ہیں جو قابل استناد اور قابل اعتماد ہیں جو صحاح اور سنن اور مسانید میں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن دوسری جانب یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ عام احادیث کی تعداد دس لاکھ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ مشہور محدث حضرت ابو ذرعہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے پاس دس لاکھ حدیثیں محفوظ تھیں ان میں سے انتخاب کر کے انہوں نے اپنی مشہور تصنیف مسند احمد مرتب کی ہے۔

بہر حال بخاری شریف کی غیر مکرر احادیث کے لحاظ سے اگرچہ فرق ہو گیا، مگر مجموعہ احادیث کے لحاظ سے تناسب وہی رہا کہ سو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ثابت ہوئی جس کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف تدوین حدیث میں ان حضرات محدثین کے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے جن میں وہ مجلدات رہتی تھیں جن میں یہ حدیثیں ہوتی تھیں۔ جن کی تعداد دس لاکھ تک پہنچتی تھی۔

توضیح یہاں یہ وضاحت کر دینی بھی مناسب ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں تھے بلکہ یہ سندوں کی تعداد ہوتی تھی۔ حضرات محدثین کی نظر چونکہ سندوں پر رہتی تھی اس لئے وہ ہر ایک سند کو حدیث کہا کرتے تھے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بستان المحدثین و مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہا۔

[2] مقدمہ ابن صلاح

کا ایک ارشاد: انما الاعمال بالنیات اگر دس سندوں سے روایت کیا گیا ہے تو اسی ایک ارشاد کو دس حدیثیں شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

باید دانست کہ نزد محدثین ہرگاہ کہ صحابی مختلف شد حدیث دیگر گشت گو الفاظ و معنی و قصہ متحد باشد برخلاف عرف فقہا۔ کہ نزد ایشاں اعتبار معنے ست۔ فقط تا وقتیکہ اصل معنے واحد ست حدیث واحد ست۔ بلکہ خصوصیات و اکراہ بر اصل معنی نزد ایشاں دخل ندارد و محط فائدہ و ماخذ حکم را می بینند۔ والحق نظر ایشاں کہ استنباط است ہمیں را تقاضا می کند۔

(بستان المحدثین صفحہ ۳)

فتنہ وضع احادیث۔ حق و باطل کا ایک معرکہ

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً تا کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ (سورہ رعد آیت ۱۷)

حق و باطل کی مثال اللہ اس طرح بیان فرماتا ہے۔

آسمان سے بارش برستی ہے ندی اور نالے اس کو اپنی اپنی گنجائش کے بموجب اپنی آغوش میں لے کر سیلاب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں کوڑا کرکٹ اور جھاگ اوپر آجاتا ہے۔ دیکھنے والوں کے سامنے وہ جھاگ ہی ہوتا ہے۔ وہ اسی سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ لیکن سیلاب کی رو اس جھاگ کو بہا کر لے جاتی ہے۔ پھر وادی کا گوشہ گوشہ دیکھ جاؤ اس جھاگ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب چاندی سونا یا اور کسی طرح کی دھات آگ پر تپائی جاتی ہے تو جھاگ اوپر آجاتا ہے پھر وہ جھاگ جو درحقیقت کھوٹ ہوتا ہے الگ ہو جاتا ہے اور خالص دھات الگ نکل آتی ہے۔ کھوٹ کے لئے نابود ہو جاتا ہے اور خالص دھات کے لئے باقی رہنا۔

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز اس آیت کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

یعنی لابدست کہ در ہر جنس خیر و شر باشد ہم چنیں لابدست کہ در آدمیان نیکو کاراں و بدکاران باشند لیکن نیکو کاران را مستقرے سازد و کار ایشاں را پیش می رود۔ و

بدکاران را ہلاک میکند

(فتح الرحمان)

مختصر یہ کہ حق و باطل کا معرکہ مسلسل رہتا ہے۔ باطل سینہ تان کر سامنے آتا ہے، لیکن اس کا یہ زور چند روزہ ہوتا ہے۔ پھر وہ ختم ہو کر لبا اوقات بے نام و نشان ہو جاتا ہے اور حق جو سراسر نفع ہوتا ہے وہ اپنی سادگی کے ساتھ قائم و دائم رہتا ہے۔

غور فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک یعنی وہ دور جس میں حقیقت محمدی کا آفتاب بلا کسی حجاب کے کائنات ارضی پر ضیا پاش تھا۔ وہ مبارک دور جو بلا شبہ پوری کائنات کی آنکھ کا تارا اور جسم انسانیت کا قلب بیدار تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منه (بخاری شریف ص۵۰۳)

یعنی اولاد آدم کی سعادت مندیوں یا بالفاظ دیگر، نمود حق کے دور جو درجہ بدرجہ ترقی کرتے رہے۔ عروج کے اس نقطہ پر پہنچے کہ خود مرکز سعادت و ارشاد سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صاحب لولاک کا ظہور ہوا "حتی کنت من القرن الذی کنت منه۔

کیا کہنا اس دور کی سعادت مندی کا، اندازہ لگانا مشکل ہے۔ فلاح انسانی اور سعادت روحانی کے اس عروج کا جو اس دور مسعود میں اس کو حاصل ہوا، مختصر طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ حق اپنے عروج کے آخری نقطہ پر پہنچ گیا تھا۔ اسی لئے اس کو خیر القرون فرمایا گیا۔

اچھا جب "حق" کو یہ عروج حاصل ہو تو کیا باطل ہمیشہ کے لئے فنا ہو گیا تھا۔ نہیں۔ اس نے دوپہر کی چمکتی ہوئی روشنی میں اپنی دم سمیٹ لی اور ابھی وہ دور پوری طرح ختم بھی نہیں ہوتے تھے۔ جن کو خیر القرون فرمایا گیا تھا۔ ابھی تنزل کی دو ہی منزلیں گزری تھیں کہ یہ باطل انگڑائی لے کر سامنے آگیا اور اس نے وہ روپ اختیار

ئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یفشو الکذب سب سے بہتر میرا قرن ہے۔ پھر ان کا دور جو اس قرن والوں سے اتصال رکھتے ہیں پھر ان کا جو اس قرن والوں سے متصل ہیں۔ پھر کذب پھیل جاتے گا۔ حق و صداقت کی عام فضا باقی نہیں رہے گی۔ کذب اور باطل کی فضا پیدا ہو جائے گی۔ پھر یہی فضا آگے بڑھتی رہے گی یہاں تک کہ وہ تاریکی آئے گی کہ ذکر اللہ ختم ہو جائے گا۔ حق و صداقت کا نام نہ رہیگا بس قرون اول کا ختم ہو جانا۔ تنزل کی پہلی منزل۔ اسی طرح قرن ثانی کا ختم ہو جانا۔ تنزل کی دوسری منزل۔ (الی آخرہ)

گیا جو خیر القرون کی طرح بے نظیر تھا۔ یعنی جس طرح کائنات کی تاریخ اس دور کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ جس کے متعلق ارشاد نبوی تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) "حتی کنت من القرون الذی کنت منہ" اس طرح تاریخ عالم باطل کے اس روپ کی نظیر پیش نہیں کر سکتی جو اس نے اس وقت دھارا تھا اور اختیار کیا تھا۔

باطل کی زور آزمائی ملاحظہ ہو۔ ایک دو نہیں بلکہ ایک بہت بڑی جماعت وجود پذیر ہوگئی جن کی زبان پر ہر وقت کلام اللہ۔ کمریں رکوع میں جھکی ہوئی اور پیشانیاں زمین پر۔ ایسے قرآن خواں اور ایسے عبادت گذار کہ کسی اور دور کے نہیں، بلکہ خاص خیر القرون کے افراد، حضرات صحابہ کو بھی ان کی عبادت گذاری اور قرآن خوانی پر رشک آئے۔ لیکن دلوں کی حالت یہ کہ ایمان سے بے بہرہ، خوف خدا سے نا آشنا، امین الانبیا (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کو ہدایت کریں کہ، انصاف سے کام لیجیے۔ (معاذ اللہ) ان کے سچے پیروں کو (معاذ اللہ) کافر قرار دیں۔ کافروں پر رحم کریں اور اہل ایمان کے قتل کو ثواب سمجھیں (معاذ اللہ) کیا تماشا گاہ عالم میں اس طرح کا شعبدہ کبھی اور بھی دیکھا گیا ہے۔ اسلام کے بہت سے معجزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خاتم الانبیاء سید المرسلین اس باطل پرست گروہ کی خبر پہلے ہی دے چکے تھے۔[۱]

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ، سیدنا حضرت ابو سعید خدری اور حضرت سہل بن حنیف کی ان روایتوں کو مختلف سندوں سے تقریباً بارہ مقام پر بیان کیا ہے۔ جن میں اس جماعت کے بانی، پھر اس کے انجام کی وہ پیش گوئی ہے، جو لسان رسالت سے (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) صادر ہوئی تھی۔ الفاظ میں کہیں کہیں کسی قدر اختلاف ہے۔ مگر مضمون سب کا ایک ہی ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کچھ سونا بھیجا۔ اقرع بن حابس عیینہ بن بدر وغیرہ جو اپنے علاقوں کے بہادر اور نامور سردار تھے حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مانوس کرنا چاہتے تھے[۲]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سونا صرف انہیں سرداروں کو دے دیا۔
قبیلہ قریش وغیرہ کے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے کسی کو نہیں دیا۔ فوراً ایک شخص دامن سمیٹتے ہوئے کھڑا ہوا اور پکار کر کہا اتق اللہ یا محمد[۳]

---

[۱] پیش گی آگاہ کر دینے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کی خطرناکی بہت ہی غیر معمولی تھی۔

[۲] تاکہ ان کا ایمان پختہ اور یہ سرفروش و جان نثار مجاہدین کر وہ کارنامے انجام دیں جو انہوں نے بعد میں عہد فاروقی اور دور عثمانی میں انجام دیئے۔ جن کے نقوش کتب تاریخ میں محفوظ و مرتسم ہیں۔

[۳] بخاری شریف میں اس شخص کا حلیہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آنکھیں گڑی ہوئی۔ کلے چوڑے، پیشانی ابھری ہوئی۔ گھنی ڈاڑھی سر گھٹا ہوا

محمد اللہ سے ڈرو۔ یا رسول اللہ اعدل۔ اے رسول اللہ انصاف سے کام لیجئے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فقرے سے بہت صدمہ ہوا۔ فرمایا بندۂ خدا اگر میں انصاف سے کام نہیں لوں گا اور اگر میرے اندر خوف خدا نہیں ہو گا تو اور کس سے انصاف اور خوف خدا کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر میں بے انصاف ہوں تو بیشک میں خائب و خاسر ہوں[2]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں حاضر تھے۔ (یکے بعد دیگرے) ہر ایک نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اجازت دیجئے اس کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا: نہیں! بہت ممکن ہے نماز پڑھتا ہو۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کتنے ہی [illegible] ہوتے ہیں۔ جن کی زبان پر وہ ہوتا ہے۔ جو ان کے دل میں نہیں ہوتا۔

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا:

مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں کو کریدوں اور نہ یہ حکم ہوا ہے کہ ان کے پیٹ چاک کروں۔

یہ شخص چل دیا۔ جب یہ پیٹ پھیرے جا رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نظر ڈالی۔ پھر فرمایا: اس کے سلسلہ سے ایک قوم رونما ہو گی۔ جن کی زبانیں تلاوت کلام اللہ سے تر رہیں گی۔ مگر یہ تلاوت ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گی (نہ دل پر اثر انداز ہو گی اور نہ عند اللہ قبول ہو گی) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار کو پار کر کے نکل جاتا ہے[3]۔

ارشاد ہوا کہ اس شخص کے ساتھی ہوں گے۔ ایسے نمازی، ایسے روزہ دار کہ تم اپنی نمازوں اور اپنے روزوں کو ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، مگر یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کو پار کر کے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پروں کو دیکھو۔ اس کی دھار دار نوک کو دیکھو۔ اس تانت کو دیکھو

---

1. بخاری شریف ص۵۰۹ رسول اللہ، طنزاً کہا۔ یعنی آپ خدا کے رسول بنتے ہیں انصاف کیجئے۔
2. بخاری شریف ص۵۰۹ وغیرہ
3. بخاری شریف ص۵۰۹ وغیرہ
4. بخاری شریف ص۶۲۴ وغیرہ
5. یکے بعد دیگرے
6. بخاری شریف ص۶۲۴ وغیرہ

جس سے نوک (تیر کے پھل) کو کسا گیا ہے۔ پھر تیر کی اس سادی لکڑی کو دیکھو (جس میں تیر کا پھلکا لگا ہوا ہے) کہیں بھی کوئی نشان نہیں دیکھو گے۔ انتڑیوں میں بھری غلاظت اور رگوں میں دوڑنے والے خون کو پار کر کے یہ تیر نکلا ہے۔ مگر ان کا کوئی نشان اس تیر کے کسی حصّہ پر نہیں ہے۔ (اسی طرح ایمان یا ان کی طاعت کے ثواب کا کوئی نشان ان ازلی مردودوں کے اوپر نہیں ہوگا) یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بُت پرستوں[۲] کو چھوڑیں گے۔[۳]

نیز ارشاد ہوا —— ان کا ظہور اس وقت ہوگا۔ جب لوگوں میں پھوٹ پڑی ہوئی ہوگی۔[۴]

چنانچہ ھادی برحق، رسول برحق صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موجب اس جماعت کا ظہور عین اس وقت ہوا جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث، حق و صداقت کے علمبردار، سفینۂ اُمت کے ناخدا، مقام صفین پر آپس میں نبرد آزما تھے اور ہر ایک نے اپنی طرف سے ایک حکم پنچ مقرر کر کے جنگ کو ملتوی کیا تھا۔ اس جماعت کا حشر اور انجام کیا ہوا۔ اس کو آگے بیان کیا جائے گا۔ اس وقت یہ عرض کرنا ہے کہ ۳۷ھ میں التوائے جنگ کے دور میں جب اس جماعت کا ظہور ہوا تو گویا ایک سیلاب تھا جو ملت اسلامیہ کی پوری وادی پر چھا گیا تھا۔ ایک دلکش جملہ ان الحکم الا للہ ان کی زبان پر تھا (کہ کسی ثالث یا پنچ کو فیصلہ کا کوئی حق نہیں، فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ دلکش جملہ (جس کی عملی شکل اس کے سوا کچھ نہیں تھی۔ جس سے یہ لوگ گریز کر رہے تھے) صرف اس لئے ایجاد کیا گیا تھا کہ عقل و فہم سے بے بہرہ جذباتی لوگوں کو مغالطہ میں ڈال سکیں۔ چنانچہ اس مقصد میں یہ لوگ کامیاب ہوئے اور جیسا کہ صادق مصدوق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی: قوم حدثاء الاسنان سفهاء الاحلام (نوخیز و نوعمر اور کچی عقلوں والے جذباتی) لوگوں کی بھیڑ ان کے ساتھ ہو گئی۔

---

[۱] بخاری شریف ص۱۰۲۴۔

[۲] یعنی سلسلہ قتل و قتال بت پرستوں کے بجائے مسلمانوں سے برپا کریں گے۔

[۳] بخاری شریف ص۴۷۲۔ [۴] بخاری شریف ص۱۰۲۴، ص۹۱۰

[۵] یعنی یہ صحیح ہے کہ فیصلہ وہی صحیح ہے جس کو خداوندی فیصلہ کہا جائے، لیکن خداوندی فیصلہ معلوم کرنے کی شکل یہی ہے کہ اہل علم معاملہ کی نوعیت کو سامنے رکھیں۔ پھر ارشادات خداوندی یعنی قرآن پاک کی آیات پر نظر ڈال کر اس معاملہ کے متعلق کوئی حکم آیات و احادیث سے اخذ کریں اس وقت حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اسی ارشاد کی تعمیل کر رہے تھے کہ ہر ایک نے اپنی طرف سے ایک حکم اور ثالث مقرر کر دیا تھا اور ان کے فیصلہ کے منتظر تھے۔

[۶] بخاری شریف ص۱۰۵

اب غور فرمایئے جو اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ جیسی واضح آیات کے صاف مفہوم کو چھوڑ کر ایسے غلط اور مضحکہ انگیز معنی اس کو پہنا رہے تھے۔ جس کی وضاحت وہ خود نہیں کر سکتے تھے۔ صرف اس لئے کہ نا سمجھ نادان جذباتی انسانوں کو برانگیختہ کر کے اپنا ہم نوا بنا سکیں تو وہ قرآن پاک کی اور آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ میں کیا کچھ ردّ و بدل اور تحریف نہیں کر سکتے تھے۔ ان سے کون کہہ سکتا تھا اور کوئی کہہ بھی دیتا تو ان بے گانگانِ صدق و صفا پر اس کا اثر کیا ہو سکتا تھا کہ رحمۃ للعالمین کی طرف غلط بات منسوب کرنے والے کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بہت ہی پیچیدہ اور بہت ہی نازک صورت حال یہ تھی کہ جب یہ لوگ زہد و تقویٰ عبادت گزاری اور قرآن خوانی کے پُورے مظاہرے کے ساتھ پرہیزگاروں اور پاک بازوں کی شکل بنا کر کہتے قال رسول اللہ کذا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا) تو نجران کے جوان کی سازشوں سے واقف تھے اور بھگت رہے تھے۔ عام مسلمانوں کے لئے کب ممکن تھا کہ ان کی بات کو غلط گردانیں۔

اس جماعت کا زوال کلمہ خبیثہ اور دعوت باطل کی مثال اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں یہ دی ہے۔

کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَھَا مِنْ قَرَارٍ۔ (سورۂ ابراہیم - آیت ۲۶)	جیسے گندہ درخت اکھاڑ دیا گیا زمین کے اوپر سے ہی (اس کی جڑ اوپر ہی رکھی تھی۔ جڑ سے اکھاڑنے کے لئے زمین کھودنی نہیں پڑی) نہیں ٹھہراؤ اُس کو۔

یہ حق کی نمائش کرنے والی باطل پرست جماعت نہ صرف اہل حق بلکہ خود حق و صداقت کے لئے خطرۂ عظیم تھی۔ منافقوں کا نفاق گناہ عظیم تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ان کے حصہ میں آیا، لیکن ان کے نفاق میں جارحیت نہیں تھی۔ انہوں نے اہل ایمان کے قتل کو اپنا نصب العین نہیں بنایا تھا، مگر اس جماعت کی خصوصیت یہ تھی:

یقتلون اھل الاسلام[1] (اہل اسلام کو قتل کریں گے)

تاریخ ایسے لرزہ خیز واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ ان بدبختوں نے بلاوجہ نیک بخت مومن کو قتل کیا اور اس کو جہادِ عظیم سمجھا۔ ابن ملجم وغیرہ[2] اسی جماعت کے سُورما تھے۔ جنہوں نے

---

[1] بخاری شریف ص ۱۰۲۲۔

[2] عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی۔ البرک بن عبداللہ التمیمی وعمر بن بکیر التمیمی۔

حرم کہ معظمہ میں بیٹھ کر ہر سہ عمائدین یعنی سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ بظاہر اس جماعت کی یہ جارحیت ہی تھی جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کی خصوصیات بیان فرمائیں تو یہ بھی فرمایا۔

لئن ادرکتھم لا قتلنّھم قتل عاد [۳]	اگر یہ لوگ میرے سامنے آ گئے تو یقیناً میں ان لوگوں کو ایسے ہی قتل کردوں گا جیسے قوم عاد کو قتل کیا گیا [۳]

امت اسلامیہ کو یہ ہدایت فرمائی :

فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم لاجراً لمن قتلھم یوم القیامۃ [۴]	جہاں ان سے مقابلہ ہو ان کو قتل کرو کیونکہ جو ان کو قتل کرے گا قیامت کے روز اس کو اس قتل کرنے کا اجر ملے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کی ایک علامت یہ بھی بتلائی تھی کہ اس جماعت میں ایک ایسا شخص ہوگا جو سیاہ فام ہوگا اور اس کا ایک بازو گوشت کے لوتھڑے یا پستان کی طرح ہوگا جو پھڑکتا رہے گا۔ [۵]

بہر حال یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے فاتح خیبر سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص فرمادی تھی کہ اس جماعت سے آپ کی جنگ ہوئی اور آپ نے اس کا شیرازہ منتشر کردیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ جس طرح وہ اپنی روایت کی توثیق کے لئے فرمایا کرتے تھے۔

اشھد لسمعت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ ارشاد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے

ساتھ ہی آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

واشھد ان علیاً قتلھم وانا	میں شہادت دیتا ہوں کہ سیدنا حضرت

---

[۱] تاریخ الخلفاء صـ۱۲۳ [۲] بخاری شریف صـ۴۰۲

[۳] یعنی ان کو قوم عاد کی طرح بے نام ونشان کردوں گا (کرمانی فی الخیر البخاری)

[۴] بخاری شریف صـ۱۹۳

[۵] بخاری شریف صـ۵۰۹، صـ۱۰۲۴ وغیرہ

۔ معہ جبئ بالرجل علی النعت الذی نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ؎

علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو قتل کیا۔ میں آپ کے ساتھ تھا (جنگ ختم ہوئی) تو ایک مقتول لایا گیا۔ جس کا حلیہ وہی تھا جس کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔

اس واقعہ کی تعبیر قرآنی الفاظ میں اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ جماعت شجر خبیثۃ تھی۔ زمین کی گہرائی میں نہیں بلکہ اوپر کی سطح میں اس کی جڑ رکھی ہوئی تھی۔ جس کو سیدنا علی رضی اللہ نے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ (رضی اللہ عنہ)

واضعین حدیث بلاشبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے شجر خبیثۃ کو اکھاڑ کر پھینکا۔ ان کی سیاسی قوت کو چکنا چور کر دیا۔ لیکن اس فرقہ کا آغاز جب فتویٰ تکفیر سے ہوا تھا تو اس کی سیاست ابتداء ہی سے مذہب بن گئی تھی۔ پھر اس میں اور عقائد کا بھی اضافہ ہوتا رہا۔ یہ مذہب آج تک باقی ہے اور جو اس مذہب سے وابستہ ہیں وہ ان تمام خصوصیات کے حامل ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

اُن کی زبانوں پر وہ اقوال ہوں گے جو خلق خدا کے اقوال میں بہتر مانے جاتے ہیں۔ یقولون من خیر قول البریۃ۔ یعنی آیات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ زبانوں پر ہوں ہوں گی۔" یقولون من قول خیر البریۃ (خیر البریہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیکر بات کیا کریں گے)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے بموجب ان کے دلوں میں ایمان کا نام ونشان نہ ہوگا تو لامحالہ جو آیات اور احادیث وہ استعمال کریں گے۔ بے محل استعمال کریں گے۔ یعنی تحریف معنوی کریں گے اور یہ بھی ہوگا کہ جو قول رسولؐ نہیں ہوگا۔ اس کے متعلق کہیں گے قال رسولؐ اللہ۔ یعنی احادیث وضع کریں گے۔

بہر حال ایک فرقہ یہ تھا جو وضع حدیث میں بے باک تھا۔ اس فرقہ کا ظہور ۳۷ھ میں ہوا اور اس سے بارہ سال پہلے عبداللہ بن سبا کی سازش شروع ہوگئی تھی جس کی بنیاد ہی فرضی تحریروں پر تھی۔

مؤرخین کے متفقہ بیان کے بموجب (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) عمال اور مقامی حکام کے متعلق وہ اپنی تحریروں میں غلط اطلاعات دیتے تھے۔ مثلاً کسی مقام پر کوئی مقدمہ ہوا نہ کوئی فیصلہ، مگر دوسری جگہ ظالمانہ فیصلہ

؎ بخاری شریف ص ۱۰۲۴/۲

؎ بخاری شریف ص ۱۰۲۴/۲ ۔ ترمذی شریف ص ۴۲ ج ۲ باب صفۃ المارقۃ

کی اطلاع دے کر اپنے یہاں کے حاکم کو بدنام کر دیا۔ یہ ان کا ایک طے شدہ پروگرام تھا۔ اسی طرح وہ حضرات صحابہ کے نام سے خطوط لکھ کر لوگوں میں ہیجان پیدا کرتے تھے۔

جب یہ گمراہ اور باطل فرقے رونما ہو کر تلاطم برپا کر چکے تھے حتیٰ کہ سیاسی فرقہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے منصوبہ میں کامیاب بھی ہو چکا تھا تو کیا یہ کہنا غلط ہو گا کہ حضرات صحابہ (رضوان اللہ اجمعین) کے متعلق کوئی روایت صرف اسی صورت میں تسلیم کی جائے کہ وہ قرآن پاک کی تصریحات کے خلاف نہ ہو۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں :

> بعض حضرات اس معاملہ میں یہ نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کے بارے میں صرف ایسی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہوں اور اس بات کو رد کر دیں گے۔ جس سے ان پر حرف آتا ہو۔ خواہ وہ کسی صحیح حدیث ہی میں وارد ہوئی ہو۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی واضح کر چکے ہیں۔ بعض حضرات کا یہ قاعدہ کلیہ نرالا نہیں ہے۔ بلکہ اصول فقہ کا عام ضابطہ ہے کہ ایسی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہوتی جو نصوص قرآن پاک کی آیات یا سنت مشہورہ کے خلاف ہو۔ قرآن پاک کی آیات صحابہ کرام کو "راشد" اور ایسا پاکباز قرار دیتی ہیں۔ جنہیں کفر، فسق اور عصیاں سے گہری نفرت ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان سجا ہوا ہے: تو لامحالہ ایسی تمام روائتیں ناقابل تسلیم ہوں گی۔ بلکہ ان کی تردید اور تغلیط لازم اور واجب ہو گی۔ جن سے دامن صحابہ داغدار ہو۔ اگر وہ روایت بظاہر صحیح سند بھی ہو تب بھی وہ اس "علت خفیہ" کی وجہ سے (سقیم) ہو گی۔

دین متین کی حفاظت و استقامت

کلمہ طیبہ اور دعوت حق کی مثال کلام الٰہی نے یہ دی ہے۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا	جیسے پاکیزہ اور ستھرا درخت اس کی جڑ مضبوط زمین کی تہ میں اس کی پھیلیں پھیلی ہوئیں اور اُس کی شاخ فلک بوس (آسمان تک پہنچی ہوئی) لاتا ہے اپنا پھل۔ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔
(رکوع ۱۳ سورہ ابراہیم آیت)	

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے:

لایزال من امتی قائمۃ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذٰلک۔ (متفق علیہ[1])

میری امت میں ایک ایسا گروہ ہمیشہ رہے گا جو خدا کے حکم پر قائم (اور ثابت قدم) رہے گا۔ کوئی ان کی مدد چھوڑ کر یا ان کی مخالفت کرکے اس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

قسام ازل نے یہ سعادت عظمیٰ فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لئے مقسوم فرمائی تھی کہ آپ کا فاتحانہ پرچم جہاں جہاں پہنچتا رہا۔ وہاں قرآن حکیم اور فرائض اسلام کی تعلیم کے ادارے آپ کے حکم سے قائم ہوتے رہے۔ یہ ادارے شجر اسلام کی پتلیاں اور زمین کی رگوں میں گھسی ہوئی جڑ کی شاخیں تھیں جو نہ اس وقت اکھڑ سکیں اور چودہ صدیاں گزر چکنے کے بعد آج بھی ان کو اکھاڑ پھینکنا کسی انسانی طاقت کے امکان میں نہیں ہے

علامہ ابن حزم تحریر فرماتے ہیں:

ولی عمر ففتحت بلاد الفرس طولاً وعرضاً فتحت الشام کلھا والجزیرہ ومصر ولم یبق بلد الا وبنیت فیہ المساجد ونسخت فیہ المصاحف وقرأ الائمۃ القرآن وعلموہ الصبیان فی المکاتب شرقاً وغرباً۔

(الملل والنحل ج ۲ ص۶۶)

زمام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو فارس کے تمام شہر فتح ہوگئے۔ اس طرح پورا شام اور جزیرہ (دجلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ) اور مصر فتح ہوگیا۔ ان علاقوں میں جو بھی شہر تھا اس میں مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ قرآن پاک نقل کئے گئے ائمہ قرآن خود پڑھتے تھے اور مکتبوں میں بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ شرقاً و غرباً (تمام مملکت میں یہی دستور تھا)۔

کلھم قد اسلموا وبنوا المساجد لیس منھا مدینۃ ولا قریۃ ولا حلۃ الاعراب الا وقد قرئ فیہ القرآن فی الصلوات وعلمہ الصبیان والرجال والنساء

(الملل والنحل ج ۲ ص۶۶)

ممالک مفتوحہ کے تمام باشندے مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ان مفتوحہ علاقوں میں کوئی شہر کوئی گاؤں یا بدویوں کی کوئی فرودگاہ ایسی نہیں رہی تھی کہ جس میں نمازیں، قرآن شریف نہ پڑھا جاتا ہو۔ اور بچوں، بڑوں اور عورتوں کو اس کی تعلیم نہ دی جاتی ہو۔

یہ قرآن پاک کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ تھا۔ احادیث مبارکہ اس وقت مرتب و مدون نہ تھیں کہ ان کو

[1] مشکوٰۃ شریف باب ثواب ھذہ الامۃ

بھی مکاتب کے نصاب میں داخل کیا جاتا۔ البتہ روایت حدیث کے کچھ ضابطے مقرر فرما دیئے اور کچھ حلقے قائم کر دیئے۔ جہاں اکابر صحابہ احادیث بیان کرتے۔ مقدمات کا فیصلہ کرتے اور پیش آنے والے واقعات کے متعلق فتویٰ بھی صادر کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

"فاروق اعظم علماء صحابہ را باقالیم دارالاسلام روان ساخت و امر کرد باقامت در شہرہا و بروایت حدیث در آنجا ......" [1]

اس طرح پوری مملکت میں بہت سے حلقے قائم ہو گئے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ جہاں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس جیسے حضرات روایت حدیث اور افتا اور قضا کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

ان حلقوں کی مرکزیت آج تک تسلیم کی جاتی ہے۔

حفاظت دین حق کے ان مرکزوں کے مقابلہ پر باطل نے بھی پر پھیلائے۔ وضع حدیث کی رفتار تیز ہو گئی۔ باطل پرستوں کی فن کاری کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔ روایت حدیث کا ایک مدعی جابر بن یزید تھا۔ اس نے سلام بن مطیع سے کہا

عندی خمسون الف حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	(میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

حضرت جراح بن ملیح سے بیان کیا کہ میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "ستر ہزار" حدیثیں ہیں جو جابر جعفی کے واسطے سے پہنچی ہیں۔ مگر اس جابر بن یزید کی شان یہ تھی کہ علماء کا خیال تھا کہ یہ خارجی ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوئی کہ اس سورہ یوسف کی آیت فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ کی تفسیر [2] وہ کی جو سبائی جماعت نے گھڑ رکھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۱۵ ج ۲۔ [2] یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بڑے بھائی کا قول ہے۔ جب یہ بھائی حضرت یامین کو لے گئے اور حضرت یعقوب سے یہ معاہدہ کر گئے تھے کہ ہم ان کے محافظ ہوں گے اگر ہم سب ہی کہیں گھر جائیں تو مجبور رہیں گے ورنہ ہم عہد کرتے ہیں کہ ان کو پوری حفاظت کے ساتھ واپس لائیں گے۔ پھر صورت یہ پیش آئی کہ حضرت یامین بادشاہ کے پیالے کے چوری کے الزام میں روک لئے گئے تو بڑے بھائی جو سب کے سربراہ تھے انھوں نے باقی بھائیوں سے کہا کہ تم والد صاحب کے پاس جا کر واقعہ بیان کر دو اور اپنے متعلق کہا لن ابرح الارض یعنی میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹوں گا۔ جب تک والد صاحب اجازت نہ دے دیں یا اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔

زندہ ہیں یا دونوں ہی ہیں اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے جو شخص امامت کا دعویٰ کرے ہم اس کا ساتھ نہ دیں یہاں تک کہ حضرت علی یا دونوں میں سے یہ ندا دیں کہ فلاں کا ساتھ دو۔[1]

امام حدیث حضرت مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم کے مقدمہ میں حارث بن حصیرہ ابو داؤد اعمیٰ وغیرہ کے چند نام لئے ہیں اور فرمایا کہ اس طرح کے واضعین حدیث اور ان کے متعلق علماء حق کی تنقیدات اگر بیان کی جائیں تو ضخیم کتاب ہو جاتے یہاں چند نام بطور مثال پیش کئے ہیں تاکہ اصحاب فکر و نظر اصل صورت حال کا اندازہ کر سکیں۔[2]

لیکن وہ حضرات جو درس حدیث اور افتاء وغیرہ کے لئے ان مرکزوں میں قطب ارشاد تھے وہ اسلام اور دین حق کے مزاج شناس تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ان کی جو حاضری رہی تھی۔ اس نے ان کی فراست ایمانی کو کسوٹی بنا دیا تھا۔ وہ کھوٹ کو فوراً پہچان لیتے تھے۔ ظاہر ہے ارشادات صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار ان مخترعات کو کہاں میسر ہو سکتے تھے۔ بلکہ ان میں جو اختراع اور افترا کی تاریکی ہوتی تھی وہ فوراً ان روشن ضمیر حضرات کے آئینہ وجدان میں نظر آجاتی تھی اور وہ ان روائتوں کی طرف التفات بھی نہیں کرتے تھے۔

روایت حدیث کا ایک مدعی بشیر بن کعب عدوی بھی تھا۔ وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور حدیثیں بیان کرنے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف التفات بھی نہیں فرمایا۔ تو بشیر نے کہا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کر رہا ہوں اور آپ التفات بھی نہیں کرتے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یقیناً اس احترام کے مستحق ہیں کہ انسان سراپا گوش بن کر ان کو سنے اور یاد رکھے۔ ہماری بھی حالت یہ تھی کہ جب کوئی کہتا۔ قال رسول اللہ، تو ہمارے کان سراسر اشتیاق بن جاتے تھے۔ مگر جب لوگوں نے اس مقدس انتساب کے ساتھ رطب و یابس سب کچھ بیان کرنا شروع کر دیا تو اب ہم صرف انہیں روائتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جن سے ہمارے کان پہلے سے آشنا ہوتے ہیں۔

ان پختہ کار بزرگوں کے طفیل سے وہ اہل علم بھی صراف بن گئے تھے۔ جن کو ان اکابر سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ وہ فوراً پہچان لیتے تھے کہ یہ زر خالص ہے اور یہ کھوٹ ہے۔ چنانچہ یہی جابر بن یزید جس کا ذکر اوپر گذرا، حضرت سفیان نے فرمایا کہ اس کی روایت کردہ تیس ہزار حدیثیں میرے پاس ہیں مگر میں قطعاً جائز نہیں سمجھتا کہ ان میں ایک روایت بھی بیان کروں۔[3]

---

[1] مسلم شریف صفحہ ۱۵ ج ۱
[2] مسلم شریف صفحہ ۲ ج ۱
[3] مسلم شریف صفحہ ۱۰

بہر حال ان علمی مراکز کی روشنی نے وضع حدیث کی تاریکی کو بڑھنے نہیں دیا۔ لیکن سلسلہ احادیث میں یہ بات ضرور پیدا کر دی کہ ہر وہ روایت جس کو حدیث سے تعبیر کیا جائے اس قابل نہیں رہی کہ اس کو حدیث مان ہی لیا جائے۔ بلکہ اس کو حدیث اسی وقت مانا جائے گا جب وہ آیات قرانی اور سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو

بہر حال سبائی پارٹی اور خوارج کی یہی فتنہ انگیزی اور ان کا یہی دجل و فریب تھا۔ جس سے بچنے کے لئے حضرات محدثین نے کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ایک طرف یہ شرط لگا دی کہ راوی صحیح العقیدہ ہو وہ خارجی رافضی یا بدعت کا داعی اور بانی نہ ہو، دوسری طرف اس کا عملی پہلو یہ تھا کہ ہر ایک راوی کے ذاتی حالات و اخلاق اور اس کے عقائد کی تحقیق شروع کر دی۔ سینکڑوں پاک باز و خدا ترس طالبانِ حق ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں اس تحقیقات پر صرف کر دیں۔ تھوڑے سے راوی وہ ہیں جن کے بارے میں ان محققین کی آرا مختلف ہوئیں۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زندگی کے تمام پہلو ان کے سامنے نہیں آسکے۔ کسی کے سامنے زندگی کا وہ رخ آیا کہ قابل اعتماد اور قابل تعریف تھا۔ کسی کے سامنے دوسرا رُخ آگیا جس نے اس کو نا قابل اعتماد گردان دیا۔ ان تھوڑے سے راویوں کے علاوہ تمام راوی وہی ہیں جن کے بارے میں حضرات محققین کی آرا متفق رہیں کہ وہ قابل اعتماد ثقہ اور عادل ہیں یا نہیں ہیں۔ جن کے حالات معلوم نہیں ہو سکے ان کو مستور الحال یا مجہول قرار دیا اور ان کی روایتیں درجہ صحت سے ساقط مانی گئیں۔

اس تحقیقات کے سلسلہ میں ان حضرات کو ایک ایسی حقیقت کا انکشاف ہوا جس نے ان کے کام کو بہت پیچیدہ بنا دیا۔ جس سے نجات پانے کے لئے ان کو ایک اور شرط کا اضافہ کرنا پڑا۔ یعنی صرف یہ بات کافی نہیں سمجھی گئی کہ راوی صحیح العقیدہ، صحیح الحافظہ اور پاک باز ہو، بلکہ یہ شرط بھی لگانی پڑی کہ "متقن" ہو۔ یعنی بیدار مغز، تنقیدی نظر رکھتا ہو۔ مشتبہ حالات میں تحقیق و تنقید کے بعد کسی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی بھی صلاحیت اس میں ہو۔ کسی کی محض ظاہری حالت دیکھ کر اس کی ثقاہت اور عدالت کا فیصلہ نہ کرے بلکہ جو فیصلہ کرے وہ پوری طرح جانچ کر اور پرکھ کر فیصلہ کرے۔

پیچیدگی پیدا کرنے والی حقیقت یہ تھی کہ کچھ ایسے سادہ دل بزرگ سامنے آئے۔ جنہوں نے ترغیب و ترہیب کے لئے حدیثیں گھڑ لیں۔ کہیں عبادت کا ثواب بہت مبالغہ سے بیان کیا تاکہ لوگوں میں شوق پیدا ہو اور اس اپنی تصنیف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ کہیں کسی گناہ کا عذاب مبالغہ سے بیان کیا اور فرما دیا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

والواضعون الحدیث اصناف واضعین کی چند قسمیں ہیں۔ ان میں سب

واعظمهم ضرراً قوم من المنسوبين الى الزهد وضعوا الحديث احتساباً فيما زعموا فتقبل الناس موضوعاتهم ثقة منهم لهم وركونا اليهم ثم نهضت جهابذة الحديث بكشف عوارها ومحو عارها والحمد لله

مقدمہ ابن صلاح

سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں (عابد و زاہد ہیں)، مگر ایسے سادہ کہ حدیث گھڑلی اور سمجھتے یہ رہے کہ اس میں ثواب ملے گا۔ لوگوں نے ان کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے ہوئے ان کی موضوع روایتوں کو قبول کر لیا۔ پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ اس کمزوری کا پردہ چاک کر دیں اور اس کی خرابی کو مٹا دیں۔

حضرات صحابہ کے بارے میں احادیث کا اختلاط۔

یہ سادہ مزاج اور عابد و زاہد۔ جیسے وضع حدیث میں سہل انگار تھے روایت حدیث میں بھی ایسے ہی تھے۔ انہوں نے بہت سی وہ روائتیں بھی نقل کر دیں جو خوارج اور روافض کی موضوعات تھیں۔ اس وقت کتب تاریخ میں زیادہ تر روائتیں اسی قسم کی ہیں۔ اس لئے یہ درست ہے کہ آیات کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ کے مقابلہ میں وہ ہیچ ہیں۔ نہ ان سے استناد درست ہے نہ ان پر اعتماد کرنا صحیح۔ (واللہ اعلم بالصواب)
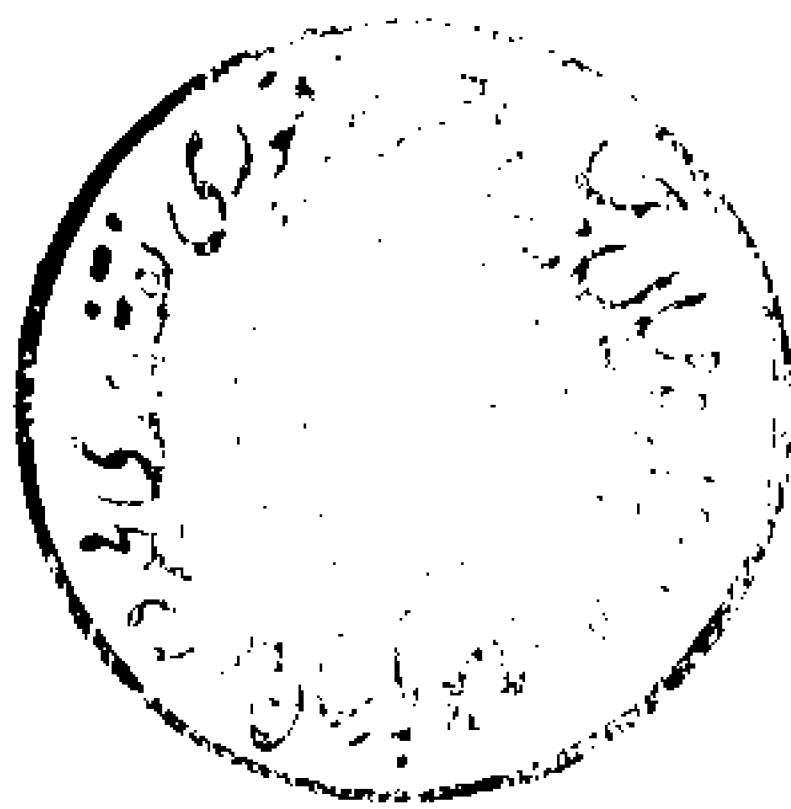
مُراد آباد جیل میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد المدنی قدس سرہٗ

کی درسِ قرآن کریم کے سلسلے میں

مجالسِ سبعہ

یعنی

علمی لطائف رُموزِ قرآن اور اسرار و حِکَم کا مجموعہ

بترتیب و تشریح

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

رئیس التحریر ادارۂ مباحثِ فقہیہ ہند

صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امینیہ دہلی

مکتبہ محمودیہ

"بیت الحمد"، جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور

علماءِ ہند کا شاندار ماضی (مکمل سیٹ)

از حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ

جلد اوّل ★ اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، اُن کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء اور اُن کے معاصرین کے حالات، سیاسی کارنامے، سیاسی ماحول اور سلطنتِ مغلیہ کے چار مشہور سلاطین اکبر جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کے حالات، سیاسیات اور اُن کے نظامِ حکومت کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

جلد دوم ★ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے سیاسی اور اقتصادی نظریات اُن کی تعلیم و تربیت کے مرکز، حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی سیاسی خدمات اور آپ کا سیاسی فتویٰ، حضرت سید احمد صاحب شہید، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید اور اُن کے رفقاء کے مجاہدانہ کارنامے، اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی کے نصف اوّل کا سیاسی ماحول، شاہانِ اودھ، حافظ رحمت خاں شہید، روہیلے اور مرہٹے، مرہٹوں کی ریاستیں، لفظ وہابی کی ایجاد وغیرہ وغیرہ بیشمار علمی اور تاریخی معلومات، عجیب و غریب انکشافات جو ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے نتائج ہیں۔

جلد سوم ★ علماءِ صادق پور اور اُن کے پُراسرار مجاہدانہ کارنامے، ایک عظیم الشان انقلابی تحریک جس کو ۱۸۵۷ء کا خونیں طوفان بھی ٹس سے مس نہ کرسکا۔ جس کو ختم کرنے کے لئے انگریز کو بار بار فوج کشی کرنی پڑی، پھر مقدمات، سزائیں، سکھوں کی حکومت کا زوال وغیرہ وغیرہ عجیب و غریب کتاب ہے۔

جلد چہارم ★ ۱۸۵۷ء کے متعلق جامع اور مکمل کتاب، جس کو ۱۸۵۷ء کا انسائیکلو پیڈیا کہنا چاہئے جس میں اسباب و وجوہات پر نئے انداز میں بحث کے بعد مجاہدین کے کارناموں کو زیادہ واضح کیا گیا ہے، بہت سے ایسے حضرات کا تعارف کرایا گیا ہے جن کا تذکرہ کسی مصنف نے نہیں کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ

داماں خلافت ذی النورین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

مقیس

شواھدِ تقدس

اور

تردیدِ الزامات

مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں

بصیرت افروز محققانہ مباحث کا مجموعہ

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

رئیس التحریر ادارۂ مباحث فقہیہ ہند

صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ امینیہ، دہلی

مکتبہ محمودیہ

"بیت الحمد" جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور